شعبہ تعلیم بالغاں دارالعرفان

سہ ہفتہ کورس

شعبہ نشر و اشاعت

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان ○ منارہ ○ ضلع چکوال ○ پاکستان

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جاکر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم و مفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبدالباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔ 9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255

سہ ہفتہ کورس

نصاب

i-	قرآن کریم:	ایمانیات	9	حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ
		عبادات	9	
		معاملات	9	
		اخلاق	9	
			36	اسباق
ii-	احادیث:	108 مع ترجمہ اور تشریح	36	اسباق۔ حافظ عبدالرزاق۔ اے ایم
iii-	فقہ:	تعلیم اسلام حصہ دوم۔ سوم	28	اسباق
		اعادہ حصہ اوّل	4	
		فقہ اور ہماری زندگی	4	
			36	اسباق
iv-	عربی:	الطریقۃ الجدیدہ حصہ دوم	36	اسباق

کل اسباق:144

نصاب قرآن کریم

ایمانیات: (اسباق 1 سے 9)

سبق نمبر1 ۔ ھود۔6

سبق نمبر2 ۔ ھود۔7

سبق نمبر3 ۔ ھود۔12-13

سبق نمبر4 ۔ ھود۔59-60

سبق نمبر5 82-83

سبق نمبر6 ۔ ھود۔101-102

سبق نمبر7 ۔ یوسف۔1-3

سبق نمبر8 ۔ الفرقان۔17-19

سبق نمبر9 ۔ القصص۔63-67

عبادات: (اسباق10 سے18)

سبق نمبر10 الانفال-45

سبق نمبر11 الانفال-60

سبق نمبر12 ھود-114

سبق نمبر13 الرعد-22

سبق نمبر14 الرعد-26-28

سبق نمبر15 ابراہیم-7

سبق نمبر16 ابرہیم-31

سبق نمبر17 الحجر94-96

سبق نمبر18 الحجر97-99

معاملات: (اسباق19 سے27)

سبق نمبر19 بنی اسرائیل23-24

سبق نمبر20 بنی اسرائیل26-27

سبق نمبر21 بنی اسرائیل-31

سبق نمبر22 العنکبوت-1-7

سبق نمبر23 الفتح-29

سبق نمبر24 الحجرات-9-10

سبق نمبر25 ھود-84

سبق نمبر26 النحل-58-59

سبق نمبر27 المائدہ-91

اخلاقیات: (اسباق28 سے36)

سبق نمبر28 ھود-115

سبق نمبر29 یوسف-53

سبق نمبر30 ابراہیم-12

سبق نمبر31 الحجر-88

سبق نمبر32 النحل-41-42

سبق نمبر33 النحل-78

سبق نمبر34 النحل-91

سبق نمبر35 النحل-114

سبق نمبر34 النحل-127-128

اسباق نصاب قرآن

ایمانیات

سبق نمبر ا:

سورۃ ھود۔ آیت ٦

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُہَا

اور زمین پر جو بھی کوئی چلنے پھرنے والا ہے اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے

وَیَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّہَا وَمُسۡتَوۡدَعَہَا ؕ کُلٌّ فِیۡ کِتٰبٍ

اور وہ ہر ایک کی زیادہ رہنے اور کم رہنے کی جگہ کو جانتے ہیں سب کچھ کتاب روشن

مُّبِیۡنٍ ۝٦

میں (لکھا ہوا) ہے۔

یہ آیہ کریمہ سورۃ ہود کی ہے بارھواں پارہ یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ اور یہ اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ انسانی محنت، انسانی کدو کاوش، انسانی عقل، اس کی تدبیریں، یہ ساری اپنی جگہ درست لیکن رزق اسے وہی ملتا ہے جو اللہ کریم نے اس کے لیے تقسیم فرمادیا ہے۔ اب اگر رزق مقدر ہے تو وہ کام ہی کیوں کرے۔ اسے اس طرح سے نہیں دیکھنا اس کو اس طرح دیکھا جائے گا کہ رزق اس کا مقدر ہے اور کام کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ دو الگ الگ چیزیں ہیں ہم رزق کو اپنے کام کے ساتھ جوڑ لیتے ہیں جہاں سے ساری خرابی پیدا ہوتی ہے۔ کام کرنا اس کی الگ ذمہ داری ہے۔ جس طرح نماز، روزہ، حج، زکوۃ فرض ہیں اسی طرح طلب رزق حلال اور کسب معاش فرض عین ہے۔ اب اس فرض کی بجا آوری میں دیکھا یہ جائے گا کہ اس کی محنت اس کی کوشش، اس کا سارا مجاہدہ، اطاعت الٰہی کی حدود کے اندر ہے اور اللہ کی اطاعت کے لیے کر رہا ہے یا اللہ کو بھول چکا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میری اس محنت پر مجھے روزی ملے گی اور ہر جائز و ناجائز، غلط اور صحیح طریقہ استعمال کیا جائے۔ یہی اس دنیا میں انسانی زندگی کی آزمائش ہے۔ تو ہم نے بدقسمتی سے جوڑ لیا ہے اپنی محنت کو، اپنی تدبیروں کو، اپنی کدو کاوش کو۔ تو اللہ کریم نے یہاں ارشاد فرمایا کہ صرف انسان تو نہیں ہے اس کی مخلوق زمین پر۔ چیونٹی سے لے کر یا چھوٹے سے چھوٹے کیڑے

سے لیکر بڑے سے بڑے جانور تک اتنی اقسام ہیں حیوانات کی جنہیں کوئی گن نہیں سکتا۔ اوران سب میں حصول رزق کے لیے کب کرنے کا شعور نہیں ہے سوائے انسان کے۔ دوسرا کوئی جاندار اسے مختلف مرحلوں سے گذار کر کوئی نئی غذا نہیں بنا سکتا بلکہ جو قدرت اسے دیتی ہے اسی طرح وہ کھالیتا ہے، اسی طرح استعمال کرتا ہے تو اگر انسان جو کہ میرے خیال میں بہت کم ہے دوسرے حیوانات کی نسبت جو روئے زمین پر پائے جاتے ہیں جن کی تعداد و اقسام ہم نہیں گن سکتے وہ سارے اپنا مقدر پاتے ہیں سارے اپنے حصے کی روزی پاتے ہیں بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی دکان بنا رکھی ہو، وہ کہیں ملازمت کرتے ہوں یا انہیں کوئی عقلی کدو کاوش کرنی پڑ رہی ہو۔ ہر جاندار اپنی روزی، اپنا رزق پا رہا ہے تو کیا ایک انسان ہی درمیان میں ایسی اکائی ہے کہ جس کے لیے یہ نعمت اللہ کی طرف سے مقرر نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے رزق اللہ کی طرف سے تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اس میں عجیب بات ہے کسی کو وافر اور زیادہ دے دیا گیا ہے وہ اس اکیلے کا نہیں اس میں غرباء کا حق ہے، مساکین کا حق ہے۔ اللہ جل شانہ نے اپنے نام سے اس میں حصہ رکھا ہے تو اب اس کی آزمائش یہ ہے کہ ''فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَامَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ'' (الفجر:15) اس کے پاس رزق زیادہ جب آ جاتا ہے تو اسے بہت سی سہولتیں اس دولت کے طفیل حاصل ہو جاتی ہیں تو اس رزق کے ہوتے ہوئے اپنے ان اختیارات کو وہ وللہ کی رضا کے لیے استعمال کرتا ہے یا اللہ کو بھول جاتا ہے اور اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔

دوسری طرف کسی پر جب آزمائش ڈالتا ہے ''فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ'' (الفجر:16)۔ اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے وہ بھوکا ہو جاتا ہے، بیمار ہو جاتا ہے، کوئی اور پریشانی آ جاتی ہے تو دیکھا یہ جاتا ہے کہ یہ بھوکا ہو کر اللہ کا دروازہ چھوڑ کر اللہ کے مقابلے میں کسی دوسرے در پر جبہ آسائی شروع کر دیتا ہے کسی دوسرے کی اطاعت کرنے لگتا ہے۔ تو یہ دو چیزیں ہیں ایک ہے کہ اللہ کی طرف سے رزق کا ملنا اور رزق میں صرف دولت نہیں ہے زندگی اللہ کا رزق ہے، صحت اللہ کا رزق ہے، ہم مرزوق ہیں وہ رازق ہے وہ نعمتیں دینے والا ہے خود ہماری ذات اس کی عطا ہے، ہمارا وجود اس کی عطا ہے، ہماری صحت اس کی عطا ہے، ہمارا علم، ہماری عقل و دانش، ہماری ایک ایک حس، ہم میں جو ایک ایک وصف ہے وہ سب اس کی طرف سے دیا ہوا رزق ہے۔ اور ہر رزق میں انفاق ضروری ہے۔ انفاق ہوتا ہے دی ہوئی نعمت کو ان حدود کے اندر استعمال کیا جائے جو اللہ نے اس کے لئے مقرر فرما دیں۔ عقل و دانش دی ہے تو اسے اس کام کے لیے صرف کرے جو اللہ نے بحیثیت انسان بحیثیت مسلمان ہمارے ذمے لگایا ہے کسی کو بیان کرنے کی قوت دی ہے کسی کو خوش الحان بنایا ہے تو وہ بجائے راگ رنگ میں ڈوبنے کے اللہ کی باتیں اچھے انداز سے دوسروں کو پہنچائے، نیکی کی دعوت اچھے انداز سے دوسروں کو دے۔ کسی کو طاقت دی ہے تو وہ بجائے ڈاکے ڈالنے کے ظلم کے خلاف اپنی طاقت کو استعمال کرے۔ کسی کو اقتدار دیا ہے تو وہ انصاف قائم کرنے کے لئے اپنے اقتدار کو استعمال کرے یعنی یہ ساری نعمتیں من جانب اللہ مقرر ہیں اور ہر ایک کو اپنے وقت پہ مل جاتی ہیں۔ اب انسانی کاروبار اس بات کی دلیل ہے کہ اگر اس کے پاس دولت ہے تو یہ جو کچھ سوچتا ہے جو کچھ کرتا ہے کیا وہ عظمت الٰہی کے گواہ اور اس بات پہ

دلالت کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے اور اگر وہ غریب ہے یا مفلس ہے یا اس میں کوئی جسمانی کمی ہے یا اقتدار میں اس کی کوئی حیثیت نہیں تو اس حال میں کیا وہ اطاعت الٰہی پہ کاربند رہتا ہے یا وہ اللہ کی بارگاہ کو چھوڑ کر اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور دوسروں کی اطاعت کرتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ جس طرح قرآن حکیم نے ایک اصول ارشاد فرمایا "مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" (النساء:80) جس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی اس نے غیر اللہ کی اطاعت نہیں کی حالانکہ رسول، اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اللہ کی ذات تو نہیں ہے لیکن رسول صلی اللہ علیہ سلم وہ ہستی ہے جو اللہ کی بات پہنچاتا ہے اپنی بات نہیں سنوانا چاہتا بلکہ خود بھی اللہ کی سب سے زیادہ اطاعت کرتا ہے اور بندے کو اللہ ہی کی بات پہنچاتا ہے تو جو بات اللہ ہی کی کسی کے واسطے سے پہنچے گی۔ جیسے استاذ ہمیں پڑھاتا ہے یا عالم ہمیں فتویٰ دیتا ہے یا راستہ بتاتا ہے یا دین دار ہمیں سمجھاتا ہے تو وہ اطاعت اس بندے کی نہیں ہوگی اگر بات اس کی ذاتی نہ ہو تو وہ اطاعت اللہ کی ہوگی لیکن اگر کوئی بدقسمتی سے کوئی استاد یا کوئی عالم بھی اللہ کی بات چھوڑ دے اور اپنی بات اس میں ڈال دے وہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو، وہ بات اللہ کی کتاب میں نہ ہو، اللہ کی نہ ہو تو وہ بات مانی نہیں جائے گی اس لیے کہ پھر اللہ کی اطاعت چھوڑ کر کسی بھی دوسرے کی اطاعت کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ "لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق" خالق کی نافرمانی کرتے ہوئے مخلوق کی فرماں برداری نہ کی جائے۔ چہ جائیکہ کہ اپنی امیدوں کو نہ صرف غیر اللہ سے بلکہ کفار سے وابستہ کرلیا جائے اور نظام عالم میں یہ سمجھا جائے کہ دنیوی اسباب یا دنیوی وسائل یا دنیا کی طاقتیں جہاں ہوں اسی کو پوجا جائے گا تو یہ اسلام نہیں ہے، ہماری آج کی روش ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنا انداز مغربی بنالیں اور اہل مغرب کو ہم خفا نہ کریں اور ان جیسا رہن سہن، جینا مرنا کرلیں اور ان کی ہر بات قبول کرلیں تو ہم امن میں رہ سکیں گے یہ سوچ غلط ہے۔

ظہور اسلام ہی کو اگر ہم دیکھیں تو جو حکم اسلام کا نازل ہوا وہ بغیر کسی تردد کے مسلمانوں پر نافذ ہو گیا خواہ وہ دو تھے یا چار تھے یا دس تھے پوری انسانی برادری میں اور پورے گلوب پر باقی سارا انسانی معاشرہ ان کے خلاف تھا۔ اگر کوئی حکم عبادات کا نازل ہوا تو وہ سارے غیر اسلامی معاشرے کے بالکل متصادم اور ان کی ضد تھا، اگر کوئی حکم نظریات اور عقائد کے بارے نازل ہوا تو وہ اس سارے معاشرے کی ضد تھی جب معاملات کے بارے احکام نازل ہوئے تو وہ اس سارے معاشرے کی ضد تھی حتیٰ کہ ہر قانون نے کافر غیر اسلامی معاشرے کو روبرو چیلنج کیا۔ کیا مسلمانوں نے کوئی مصلحت اندیشی کی کہ نہیں سارا معاشرہ کافر ہے اور اگر ہم سود بند کردیں گے تو ہماری زندگی اجیرن ہو جائے گی کیونکہ روئے زمین پر سارا سودی نظام ہے اور صرف مٹھی بھر مسلمان جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ہیں وہ سود بند کردیں تو زندہ کیسے رہیں گے، ان کے ساتھ بین الاقوامی تعلقات کیسے ہوں گے؟ ملک کے اندر ان کی معاشرت کیسے ہوگی؟ نہیں بلکہ اہل مکہ کا حصول رزق کا بہت بڑا

رسومات تھیں جو حج کے موقع پر ادا کرنے کے لیے پورا عرب وہاں اُمڈ پڑتا تھا۔ دین ابراہیمی کی باقیات میں سے حج کے نام پر انہوں نے کچھ رسومات اپنا رکھی تھیں۔ اپنی خرافات ساری اس میں داخل کر دی تھیں اور وہ دین جو ابراہیم علیہ السلام کا تھا اس کے اثرات اس میں بہت کم رہ گئے تھے لیکن ایک بات یہ تھی کہ تقریباً سارے اہل عرب کم وبیش وہاں ضرور جمع ہوتے تھے اور اس کے ساتھ انہوں نے اپنا تجارتی سلسلہ بھی وابستہ کر لیا تھا سب سے بڑی منڈی جو پورے عرب کی تھی وہ بھی وہیں لگتی تھی۔ لوگ آتے وہ حج کے نام پر رسومات بھی کرتے، سیٹیاں بجاتے، اچھلتے کودتے، بیت اللہ کا طواف کرتے اور اس سب سے بڑی منڈی میں تجارت ہوتی جس سے اہل مکہ کو اور اہل حرم کو بہت بڑی مدد ملتی تھی سال بھر کی روزی کمانے کے لیے۔ اللہ جل شانہ نے فتح مکہ کے بعد مشرکین کا داخلہ وہاں بند کر دیا بالکل سیدھا سیدھا حکم دے دیا کہ آج کے بعد کوئی غیر مسلم حدِ حرم میں داخل نہیں ہوگا اور ساتھ بڑی خوبصورت بات فرمائی۔

''وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً'' (التوبہ:28) اگر مسلمانوں کو یہ خیال آئے کہ کھائیں گے کیا ان کا آنا تو بند کر دیں گے انہیں تو یہ حکم پہنچا دیا جائے گا کہ آئندہ کبھی نہ آؤ اور ہم داخل بھی نہیں ہونے دیں گے لیکن کھائیں گے کیا فرمایا ''فَسَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰهُ'' (التوبہ:28)۔ اللہ تمہیں غنی کر دے گا اللہ تمہارا احتیاج دور کر دے گا اللہ تم پر بھوک اور افلاس نہیں آنے دے گا اللہ تمہاری روزی کے دوسرے وسائل پیدا کر دے گا لیکن کوئی بھی مشرک آج کے بعد یہاں داخل نہیں ہوگا اور اس حکم کے نزول کے دن سے لے کر امریکی افواج کے حرم میں آنے تک چودہ سو سال میں کوئی کافر اعلانیہ وہاں نہیں آیا اگر کوئی چھپ چھپا کر بھیس بدل کر وہاں سے ہو گیا ہو تو الگ بات ہے۔

تو بہر حال ایک بہت بڑی بات تھی کہ ایک بہت بڑا وسیلہ رزق اس نوزائیدہ ریاست کا بند کر دیا جائے جس کی حدود سلطنت ہی مکے سے مدینے تک ہیں اور اس کے سارے وسائل ہی اس تجارتی منڈی پر منحصر ہیں۔ فرمایا کہ مومن کا کام اللہ کی اطاعت کرنا ہے اور اس کے رزق کی ذمہ داری اللہ کے ذمے ہے تمہیں جو حکم ملا ہے تم اس پر عمل کرو روزی اللہ دے گا اور آپ نے دیکھا تاریخ گواہ ہے کہ جب سے مشرکین کا داخلہ بند ہوا تو رزق کے دوسرے وسائل اور دنیا کے خزانے اللہ نے ان کے قدموں میں انڈیل دیئے۔ روئے زمین کو مسخر کر لیا انہوں نے۔ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں اور حکومتوں کے خزانے اللہ نے ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے تو انسانی معاشرے میں ایک بہت بڑا مسئلہ ہی یہ ہے کہ حصول رزق کے لیے یا دو وقت کا کھانا حاصل کرنے کے لیے یا اپنے بچوں کے مستقبل کی فکر کے لیے ہم اللہ کی اطاعت کو بھول جاتے ہیں جھوٹ بول کر، غلط کہہ کر، رشوت لے کر، چوری کر کے، اور چوری کی بہت سی اقسام ہیں ایک تو یہ ہے کہ ہم نے نقب لگا کر چوری کر لی لیکن اس سے بدتر قسم یہ ہے کہ ہم کہیں کام کرتے ہیں تنخواہ لیتے ہیں، اجرت لیتے ہیں کوئی دیکھ رہا ہوتا ہے تو ہم بڑے مصروف نظر آتے ہیں کوئی نہیں دیکھ رہا ہوتا تو ہم کام چھوڑ دیتے ہیں سستی کرتے ہیں پوری طرح وہ کام نہیں کرتے تو ہم جو کام اجرت لے کر کرتے ہیں ملازمت

کرتے ہیں یا دیہاڑی پہ کرتے ہیں تو اگر وہ کام اپنی پوری کوشش سے اچھی طرح نہیں کرتے تو یہ بھی چوری کی ایک صورت ہے۔

ایک چوری یہ ہے کہ اہم اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسروں کی چیزیں لے لیتے ہیں۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی اور خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عامل کو زکوۃ جمع کرنے کے لیے بھیجا تو جب وہ واپس آئے تو انہوں نے کچھ چیزیں الگ کر لیں باقی بیت المال میں دے دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ الگ سے کیوں رکھ لیں انہوں نے کہا جی یہ لوگوں نے مجھے ذاتی طور پر تحفے دیئے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سب لوگوں کو جمع فرمایا اور باقاعدہ خطاب فرمایا اور فرمایا اسے دیکھو اور اسے پوچھو کہ جب اس کی یہ سرکاری حیثیت نہیں تھی جب یہ عامل زکوۃ نہیں تھا تو کتنے لوگ اسے اس کے باپ کے نام پر یا اس کی عزت کی وجہ سے تحفے دینے آتے تھے تو حاکم یا افسر یا وہ بندہ جو کسی پر اثر و اثر رکھتا ہے یا کوئی اس کی حیثیت بنتی ہے اسے جو تحفہ دیا جاتا ہے وہ تحفہ نہیں ہوتا تحفہ وہ ہے کہ اگر اس کی وہ حیثیت نہ ہو تو بھی کوئی بندہ اسے تحفہ دے لیکن اگر اس کی اس سرکاری حیثیت میں تحفے ملتے ہیں تو پھر یہ رشوت ہی کی ایک صورت ہے جو جائز نہیں ہے۔ اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا۔ ایک گورنر نے یہ کہا کہ لوگوں نے مجھے تحفے دیئے ہیں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تو پھر یہ بیت المال میں جمع کرا دو یہ تحفے تمہارے نہیں ہیں یہ گورنر شپ کے ہیں اس سرکاری عہدے کے اور یہ سرکار کا حق ہے یہ بیت المال میں جائے گا۔ یعنی ہر وہ ذریعہ جو ناجائز ہو یا ناروا ہو یا نامناسب ہو اور اس ذریعے سے ہم دولت اکٹھی کرنا چاہیں یہ ایک طرح سے اس بنیادی یقین پر ضرب پڑے گی کہ اللہ کی طرف سے رزق مقدر ہے وہ ہمارا مالک ہے اور وہی ہمارا رازق ہے رزق اسی نے ہمیں دینا ہے جو کام ہم کرتے ہیں ہمیں اس کام کرنے کا اس نے حکم دیا ہے، شعور دیا ہے، عقل دی ہے، ہاتھ پاؤں دیئے ہیں اور نظام کائنات کو ہمارے اس عمل کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے بہت سی مزدوری جو ہم کرتے ہیں وہ اس پورے نظام پہ ایک اثر مرتب کرتی ہے اور بے شمار چیزوں کا رزق اس کے ساتھ وابستہ کر دیا جاتا ہے۔ جب ایک آدمی اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ بہت سی جگہوں پر ایک رکاوٹ بن جاتا ہے۔ ایک زمیندار آرام سے ہل چلاتا ہے اب وہ یہ تو نہیں جانتا کہ اس کے ہل چلانے سے سینکڑوں پرندے اس مٹی سے کیڑے نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ ان کا رزق اس کے ہل چلانے کے ساتھ اللہ نے وابستہ کر دیا وہ اپنے دھیان میں لگا ہوا اپنے بیلوں کو ہانکے جا رہا ہے اور پرندوں کے غول اس کے ہل چلانے کی وجہ سے مختلف بیج یا کیڑے مکوڑے اپنے رزق کے لیے زمین سے حاصل کر رہے ہیں۔ ایک زمیندار کھیتی بیج دیتا ہے وہ اپنے حصے کا کماتا ہے لیکن اس کے کاٹنے تک اللہ کی کتنی مخلوق اس میں سے کتنا کھا چکی ہوتی ہے اس کا اسے علم ہی نہیں ہوتا، اسے وہ نوٹ ہی نہیں کرتا۔ تو اگر یہ جس کو اللہ نے ایک ذمہ داری سونپی ہے ایک آدمی علم تقسیم کرتا ہے وہ نہیں جانتا کہ جس بندے کو اُ ب ت پڑھا رہا ہے یہ کل مجسٹریٹ ہوگا، یہ کل جرنیل ہوگا، یہ کل حکمران ہوگا، تو اس زمیندار نے اگر کام میں کوتاہی کی تو کتنی چیزوں کا رزق

اس نے روکا۔ اللہ انہیں زندگی دے گا دوسری طرف سے رزق دے دیگا لیکن یہ اس سعادت سے بہرہ ور ہونے کی بجائے قابل گرفت ہو گیا۔ اسی طرح ایک استاد اگر کوتاہی کرتا ہے تو شاید کل کے آنے والے کسی نیک حکمران کو اس نے وہاں تک پہنچنے سے محروم کر دیا ہو جس کا میدان حشر میں حساب ہو گا۔

تو اپنی اس ورکنگ پاور کا، اپنی قوت کار کا جو اللہ نے ہمیں دی ہے اس میں جب ہم کوتاہی کرتے ہیں تو اس کا یہ معنی نہیں کہ ہماری روزی تنگ ہو جاتی ہے روبیو مقدر ہے وہ ملتی رہتی ہے بات ایسے بگڑ جاتی ہے کہ جو ذمہ داریاں ہم پر تھیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی ہوئی۔ جس طرح سورج روشنی بکھیرتا ہے اسے نہیں پتہ کہ اس کی کرنیں دنیا کے نظام میں کتنے انقلاب پیدا کرتی ہیں اسے اس سے غرض ہی نہیں نہ اس کے علم میں ہے نہ وہ جاننا ہے نہ اس کے جاننے کا ''مکلف'' ہے لیکن اگر وہ روشنی بکھیرنا روک دے تو نظام عالم معطل ہو جائے گا اس کی ذمہ داری بھی تو اس پر آئے گی۔ اسی طرح جہاں جہاں ہم ہیں اور ہمیں جو قوت کار اللہ نے دی ہے جب بغیر کسی جواز کے ہم وہ ذمہ داری پوری نہیں کرتے تو اس کے جو اثرات معاشرے پر اور ماحول پر پڑتے ہیں اور جتنے لوگوں کا آگے نقصان ہوتا ہے، جتنے جانداروں کی روزی رکتی ہے، ماحول میں جا آلودگی اور برائی پیدا ہوتی ہے لوگوں میں جو گمراہی پھیلتی ہے ان ساری خرابیوں کا جواب دینا پڑے گا، تب سمجھ آئے گی کہ ہمارے کام کرنے کی اہمیت کیا تھی آج تو ہم نے صرف یہ سمجھا ہوا ہے کہ شاید ہماری محنت یا ہماری مزدوری یا ہمارا کام دو وقت کی روٹی پیدا کرنا ہے لیکن بات یہ نہیں ہے ہر بندے کا کام کرنا ایسے ہی ہے جیسے کسی بہت بڑی مشین میں چھوٹے بڑے بے شمار پرزے کام کرتے ہیں ہر بندہ اس نظام کا ایک پرزہ ہے جب وہ اپنے کام میں کوتاہی کرتا ہے تو پوری مشینری کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ اس کی OUTPUT متاثر ہوتی ہے اور اس کا وہ ذمہ دار ہے تو کام کو اور رزق کو یوں الگ الگ کیجئے کہ رزق اللہ کی طرف سے مقدر ہے اور وہ ضرور ملے گا۔ کتنی نعمتیں ایسی ہیں جو اللہ نے ہمیں دی ہیں اور کھانے پر پابندی لگا دی ہے۔ بیماری کی وجہ سے وہ چیز ہمیں مضر ہے ہم نہیں کھا سکتے تو اس کا مطلب ہے کہ ہمارے بس میں نہیں ہے کہ ہم بہت سی چیزیں اکٹھی کر لیں اور انہیں استعمال کر لیں یہ اس کی تقسیم ہے کہ کون سی چیز کس وقت ہم کیسے استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ ایک الگ شعبہ ہے اس کا تعلق ہمارے ایمان کے ساتھ ہے اور کام اس سے بالکل ایک الگ شعبہ ہے اور وہ ہماری انسانیت اور ہمارے اللہ جل شانہٗ کے ساتھ رشتے کی پرکھ کا اور جانچ کا سبب ہے لہٰذا مسلمان جو بھی ہے، اور جہاں بھی ہے، جس ذمہ داری پر بھی ہے، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جو کام کرنے سے اللہ نے روک دیا ہے اس کام کو حصول رزق کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ بڑی سادہ سی بات ہے کہ بحیثیت مسلمان جو کام ہمارے لئے کرنا درست ہی نہیں ہے اس پر ہم بیٹھ رہیں کہ جی یہ ہمارے رزق کا سبب ہے تو یہ جائز نہیں ہو گا۔ جس طرح آج ہمارا معاشرہ کہتا ہے کہ اگر ہم سود بند کر دیں تو ہم زندہ ہی نہیں رہ سکتے تو یہ قول ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہہ دے کہ جی ہم مسلمان ہو کر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اللہ کی بات مان کر زندگی محال ہے کہ جو بھی بات حکم الٰہی کے خلاف ہو اسے تو کرنا

ہی مسلمان کو زیب نہیں دیتا اور جن کاموں کے کرنے کا حکم یا اجازت ہے ان کو بھی اپنی پوری دیانت پوری علمی قابلیت اور پورے خلوص سے کرے جو قابلیت اللہ نے اسے دی ہے کہ کل جب جواب طلبی ہو تو یہ کہہ سکیں کہ بار الہا جو شعور، جو علم جو حیثیت، جتنی سمجھ، جتنی دانش، جتنی طاقت تو نے مجھے دی تھی میں نے اپنے پورے خلوص سے تیری رضا کے لیے اپنی طرف سے پوری محنت کی۔ اب آگے نتائج کیا مرتب ہوئے اس پر تو تو قادر ہے وہ تو تیرے دست قدرت میں ہے اللہ کریم فرماتے ہیں کہ صرف رزق کی بات نہیں علم الٰہی اتنا وسیع ہے کہ ''وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا'' ۔۔۔ کہ اس کے ذرات کس کس مٹی میں ملیں گے اور کون سا ذرہ کہاں ہوگا اسے بھی رب کریم جانتا ہے اس سے اس کا کوئی بندہ اس کی کوئی مخلوق چھپی ہوئی نہیں ہے کہ کوئی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو کوئی اس کے علم سے باہر ہو اور شاید وہ بھوکا رہ جائے جب تک روئے چلائے گا نہیں یا جب تک چوری نہیں کرے گا ڈاکہ نہیں کرے گا ایسی کوئی بات نہیں بلکہ زندہ تو زندہ مر کر مٹ جانے والے جنہیں ہم سمجھتے ہیں کہ خاک ہو گئے ان کی خاک کے ذرات بھی کہاں کہاں ہیں ایک ایک ذرے سے اللہ کریم واقف ہے اس کی ہر ضرورت سے ہر وقت آگاہ ہے اور ہر ضرورت پوری کرنے پر ہر وقت قادر ہے۔

تو اس آیت کریم نے ہماری قوت کار اور ہماری سوچ ہمارے کام کرنے کا جو عزم اور ارادہ ہے اسے اطاعت الٰہی کے لیے وقف کر دیا اور حصول نعمت اور نعمتوں سے استفادہ کرنا وہ بھی اس کے دست قدرت میں دے دیا کہ روزی اللہ کی طرف سے ملے گی اور قوت کار یا معاشرے میں اپنا حصہ ادا کرنا یہ ہمارے فرائض میں سے ہے تو ہر مسلمان پوری دیانت پورے خلوص سے اپنی وہ ذمہ داریاں پوری کرے جو معاشرے میں قدرت نے اسے دی ہیں اور اللہ سے اپنی روزی کی امید رکھے۔

☆ ☆ ☆

ایمانیات

سبق نمبر۲:

سورۃ ھود۔ آیت ۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو

فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ

چھ دن میں پیدا فرمایا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا (تمہارے پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے) تا کہ وہ

اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ

تمہیں آزمائے کہ تم میں بہتر عمل کرنے والا کون ہے۔ اور اگر آپ فرمائیں کہ یقیناً تم لوگ مرنے کے بعد

مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ

(زندہ کر کے) اٹھائے جاؤ گے تو کافر لوگ ضرور کہتے ہیں یہ (بعثت کی خبر)

اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝

تو صاف صاف جادو ہے۔

اسلام کو انسانیت پہ وارد ہوئے چودہ صدیاں بیتی ہیں لیکن سائنس انسان کا اس سے بہت قدیم موضوع ہے۔ ہزاروں سال سے تحقیقات انسانی ہوتی چلی آئی ہیں جیسے فراعنہ مصر نے اس زمانے میں جو اہرام بنوائے تھے ان کی جو سائنسی توجیہات ہیں ان کو آج کی جدید سائنس بھی کما حقہ، سمجھ نہیں پا رہی کہ اس کے کچھ پہلو سامنے آئے ہیں مثلاً ان کی بناوٹ، ان کا ترچھا پن، ان کے کونوں کے زاویے، ان کی زمین سے بلندی اور سورج کی کرنوں اور ہوا کا آپس میں ایسا رشتہ ہے کہ کوئی چیز بھی ان اہرام کے اندر رکھ دی جائے وہ خراب نہیں ہوتی جس طرح آپ فریج میں رکھتے ہیں بلکہ ممکن ہے فریج میں خراب ہو جائے اس میں بالکل نہیں ہوتی اسی طرح تازہ رہتی ہے حتی کہ کوئی پرندہ کوئی جانور ان میں مر جائے تو اس کی لاش بھی خراب

نہیں ہوتی اسی طرح پڑا رہتا ہے اس میں ایسی سائنٹیفک ریشو مقرر کی گئی ہے۔

اگر فراعنہ مصر کے سائنس دان اتنے ماہر تھے اور سورج کی روشنی اور ہوا کا دباؤ اور اس کا رخ اور زاویے ان سب چیزوں کو وہ جانتے تھے تو ان سے پہلے بھی معلوم نہیں کیا کیا کمالات لوگوں نے سیکھے ہوں گے جن کا کوئی ریکارڈ مرتب نہ ہو سکا یا بعد والوں کے پاس نہ پہنچ سکا اس طرح کے بے شمار شواہد ملتے ہیں۔ لیکن آج آ کر سائنس ایک بات کہتی ہے کہ Scientifically اس بات کا ثبوت مل چکا ہے کہ یہ سارے کرہ ارض کی تخلیق کسی وقت محض پانی سے ہوئی ہے پانی کے علاوہ کوئی صورت مادے کی کسی وقت موجود نہیں تھی۔ اب قرآن حکیم نے اپنے نزول کے وقت فرمایا۔

''وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ''۔ وہ قادر مطلق ہے جس نے ایک مقررہ معیاد میں ارض وسماء کی تخلیق مکمل فرمادی یہ ضروری نہیں کہ وہ کوئی مجبور تھا ہفتے میں بنانے کے لیے اس کی حکمت کا تقاضا اور سنت اللہ یہ ہے کہ اس عالم آب وگل میں ایک نظام ترتیب دیا اور ایک دوسرے پر چیزوں کا مدار رکھ دیا گیا اور اللہ ایسا عظیم ہے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے قواعد کو خود نہیں توڑتا۔ آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ کوئی بھی شخص جب زندگی کا کوئی بھی پہلو خلاف فطرت اختیار کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے مصیبتیں پیدا ہو جاتی ہیں فطری قوانین کے مطابق اس میں آسانیاں رہتی ہیں تو فطرت کا قانون یہ تھا کہ ہر چیز کو ایک دوسرے کے ساتھ منطبق کرتے ہوئے مرتب کیا اور وہی ترتیب آج بھی چل رہی ہے۔ بیج کو ایک خاص نمی ایک خاص تمازت پہنچتی ہے تو وہ پھوٹتا ہے، اس میں سے پتلی سی ڈالی نکلتی ہے پھر وہ نمو پاتی ہے اور ایک بہت تناور درخت بن جاتا ہے۔ یہ ایک نظام ہے ایک ترتیب ہے تو رب کریم نے اپنے اظہار قدرت کے لیے بہت سے ایسے محیر العقول یا انسان پر اپنی عظمت واضح کرنے والے عجیب وغریب واقعات ظاہر فرمائے ہیں لیکن یہ ترتیب کے اس عالم آب وگل میں اسباب ہونے چاہئیں یہ عالم اسباب ہے لہٰذا یہ قانون توڑا نہیں جا سکتا۔

مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کو والد کے بغیر پیدا فرمایا یہ اس کی قدرت کاملہ تھی اس کی صنعت کا قانون تو یہ ہے کہ والد بھی ہو والدہ بھی ہو لیکن اپنے اظہار قدرت کے لیے والد کے بغیر تو پیدا فرما دیا سبب کے بغیر پیدا نہیں فرمایا فرشتے کو حکم دیا کہ جا کر حضرت مریم کو دم کر دے پھونک مار دے تو جب والد کے بغیر پیدا فرما رہا ہے تو فرشتے کے پھونک مارنے کی کیا ضرورت تھی لیکن کوئی سبب ہونا چاہیے کیونکہ یہ عالم اسباب ہے لہٰذا ترک سبب نہیں فرمایا گیا۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام ہی کے واقعہ میں ملتا ہے کہ جب آپ کی ولادت قریب تھی تو حکم دیا حضرت مریم کو کہ اس کھجور کے تنے کو ہلایئے اب کھجور کا سوکھا ہوا کوئی پرانا تنا کھڑا تھا لیکن ہلانے کا حکم دیا محض کھجوریں برسانا نہیں دیں پرانے تنے کو ہلایا تو سرسبز ہو کر پھل بھی دیا اس سے کھجوریں بھی گریں اور وضع حمل کے وقت خاتون کو کھجور کھلانا اس عمل میں اس کی مدد بھی کرتا ہے اس کی دوا بھی ہے۔ یعنی سارے اسباب کو نظام قدرت نے ملحوظ نظر رکھا اب خشک تنے پہ جب کھجوریں لگا رہا ہے تو کھجوروں کے بغیر ویسے بھی شفا دے سکتا ہے ہر چیز پہ

قادر ہے لیکن اسباب کو نہیں چھوڑا۔

یہی وجہ ہے کہ انسان جہاں بھی ترک سبب کرتا ہے وہاں وہ مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ مصیبت عموماً ہمارا جو ذاکرین کا طبقہ ہے اس میں ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ ہم نے ذکر کر لیا باقی سارا کام رب العلمین کو کرنا چاہیے اور ایسا نہیں ہوتا۔ انسان کے ذمے اور اسکے دائرہ اختیار میں جو جو اسباب ہیں اور ان کی جو ترتیب ہے اس کے مطابق اسے وہ اختیار کرنے چاہئیں اب وہ ذکر کرتا ہے اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ غیر ذاکر وہی سبب اختیار کر کے اتنے ثمرات حاصل نہیں کر سکے گا۔ جتنا ذکر کرنے والا بندہ حاصل کرے گا لیکن ترک سبب کی گنجائش نہیں۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بدر میں تشریف لے جا کر ساتھیوں کو صف آرا کر کے دعا کی اب پانچ چھ تلواریں، دو زرہیں، آٹھ گھوڑے یہ لشکر کا سامان تو نہیں ہے تین سو تیرہ بندے جن کے پاس لباس بھی پورا نہیں ہے، کسی کے پاس جوتے نہیں کسی کے پاس کپڑے نہیں کھانے کو پانچ پانچ کھجوریں۔ اور ایک تربیت یافتہ ایک ہزار کے لشکر جرار کے سامنے جو پوری طرح مسلح بھی ہے اور اسی باپ دادا کی اولاد بھی ہیں اور مقابلے کے لوگ نہیں ہیں اور ان تین سو تیرہ میں کچھ بچے کچھ بوڑھے اور ان کے پاس اسباب بھی نہیں۔ فتح کا سبب تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دعا تھی جو عریش بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کب فرمائی شہر سے سو میل باہر جا کر میدان جنگ کا انتخاب کر کے جو کچھ اسلحہ راشن پاس تھا وہ تقسیم کر کے خدام کو صف آرا کر کے پھر دعا کی کہ بارالہا ہمارے پاس یہی کچھ تھا جو ہم نے حاضر کر دیا اب تیری قدرت کاملہ ہی کرے تو کرے۔ تو یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ ترک سبب کی گنجائش نہیں ہے ہمیں یہ غلطی لگ جاتی ہے خوب کہا کسی نے۔

عاشق ہو یا تم بھی آج کے سادہ نیک مسلمان ہو
کام لگا کر رب کے ذمے تنبو تانے بیٹھے ہو

اللہ تعالیٰ نے انسان کو کام کرنے کے لیے پیدا کیا ہے یہ وظیفوں پر بیٹھ گیا کہ کام اللہ کرے گا بھئی اللہ نے خود کرنے تھے تو تمہیں پیدا کر کے کام کرنے کا حکم کیوں دیا تمہیں کیوں ''مکلف'' بنایا تم پر شریعت کیوں نازل فرمائی تمہیں باطل کو روکنے اور ظلم کو ہٹانے کا حکم کیوں دیا۔ تمہیں شہادت پر اتنے درجات دینے کا وعدہ کیوں فرمایا پھر تمہارا مصرف کیا ہے تم کیوں مسلمان ہو۔ کیا ضرورت ہے تمہاری۔ اگر کام پھر اللہ کو خود ہی کرنے ہیں تو وہ اپنا نظام تو چلا رہا ہے چلاتا رہے گا لیکن جہاں ظلم ہوتا ہے۔ اگر مومن کا دل اسے محسوس بھی نہیں کرتا تو ایک ایک ظلم کا جواب بھی دینا پڑے گا کہ جو ظلم روکنے کی فکر نہیں کرتا وہ ظلم میں شریک ہوتا ہے، یہ مت سمجھئے کہ دوسرے نے لوٹا وہ کھا گیا ہم نے تو نہیں لوٹا دوسرے آدمی نے لوگوں کے گھر جلائے کسی اور نے قتل کیا ہندوستان میں قتل ہوئے یا بوسنیا میں یا فلسطین میں مارے گئے کشمیر میں مر رہے ہیں ہمارا اس میں کیا عمل دخل

ہے۔ ہم مکلف ہیں انسانیت سے ظلم دفع کرنے کے یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ اور اگر کسی کو اس کی فکر بھی نہیں ہے تو کیا جواب دے سکے گا۔ اپنی سوچ اپنے وسائل اپنی وہ فکر تو اسی طرف لے کے جائے۔

تو میں بات کر رہا تھا سائنس کی کہ سائنس آج اگر اس نتیجے پہ پہنچی کہ مادے کی بنیاد بھی پانی پر ہے قرآن حکیم نے آج سے چودہ صدیاں پیشتر فرمایا ''وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ''۔ اس کی ریاست وسلطنت پانی پر ہے یعنی تخلیق میں ہر طرف پانی ہی پانی تھا اس سے پھر اس نے آسمان بنائے زمینیں بنائیں اس میں مادے کی مختلف صورتیں سمو دیں تب سے ہی اسے علم تھا کہ میں ایک ایسی مخلوق بنانے والا ہوں جسے انسان کہا جائے گا یعنی انسان کی پیدائش کوئی حادثاتی طور پر نہیں ہوئی۔ آسمان کب بنے، زمینیں کب بنیں پھر ان پر جنات کو آباد کیا گیا پھر صدیوں تک جنات رہے۔ ابلیس بھی جنوں میں پیدا ہوا اور اس کے بارے میں ملتا ہے کہ اس نے بہت زیادہ عبادت کی اور چونکہ جنات نظر نہ آنے والی اور پرواز کرنے والی مخلوق ہیں تو یہ آسمانوں پہ چلے جاتے تھے، ابلیس نے اتنی اللہ اللہ کی کہ فرشتوں میں بھی اسے ایک خاص مقام مل گیا اور زمین پر جن جب فساد کرتے تھے تو آسمان سے انہیں سزا دینے کے لیے فرشتے بھیجے جاتے تھے ان لشکروں کا سردار ابلیس ہوا کرتا تھا ایک فارسی شاعر نے کہا تھا۔

زراہ تفاخر بفوج ملک گہہ برزمین بودگاہ برفلک

کہ بڑے فخر اور بڑے عزت واحترام سے اس کے ساتھ فرشتوں کے لشکر ہوتے تھے کبھی زمین پہ نظر آتا تھا کبھی آسمانوں میں پھر رہا ہوتا تھا اس میں معلوم نہیں کتنا عرصہ لگا کوئی وقت کا اندازہ نہیں کر سکتا پھر اس کے بعد آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تو میں اس واقعہ میں نہیں جانا چاہتا میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ شاید انسانیت کو زمین پر آباد ہوئے اتنا عرصہ نہ گذرا ہو جتنا عرصہ اس سے پہلے صرف جنات رہے جنوں کی آبادی سے بھی پہلے زمین وآسمان کتنا عرصہ کسی مخلوق کی انتظار میں رہے لیکن جب انہیں ترتیب دیا تو مقصد یہ تھا۔

''لِيَبْلُوَكُمْ''۔ تاکہ تمہیں آزمایا جائے تم علم الٰہی میں موجود تھے اللہ تمہیں پیدا کرنا چاہتا تھا اسے خبر تھی کہ میری آخری تخلیق میرا شاہکار انسانیت ہوگی اور انسانوں کی آزمائش کے لیے یہ سارا نظام ترتیب دیا گیا انسان کوئی حادثے کی پیداوار نہیں ہے۔

آج ہم یہ سمجھتے ہیں کہ میں چوری نہیں کروں گا تو کھانا نہیں ملے گا یا میں ڈاکہ نہیں ڈالوں گا تو میرا رعب نہیں ہوگا وہ قادر مطلق جس نے ہمارے بننے سے کروڑوں سال پہلے جب ارض وسما کی بنیاد رکھی فرماتا ہے اس وقت وہ بنیاد ہی میں نے اس لیے رکھی تھی کہ بالآخر میں تمہیں پیدا کروں یہ کائنات اور اس کی سہولتیں اس کی نعمتیں ایک طرف ہوں میری عظمت ایک طرف ہو اور میں تمہیں آزما کر دیکھوں کہ تم کیا کرتے ہو یعنی یہ تب سے تقسیم شدہ ہیں۔ اجسام کے عناصر، اجسام کی اندرونی اجسام

کی عمریں، اجسام کی ایک ایک ضرورت اور اس کی تقسیم کے ذرائع اس کے علم میں اسی وقت سے موجود تھے اس کا علم ازلی وابدی ہے، اس کا علم ہمیشہ سے ہے ہمیشہ کے لیے ہے کوئی خبر اللہ کے لیے نئی نہیں ہوتی سب کچھ وہ ہمیشہ سے جانتا ہے تو فرمایا۔

''وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ''۔ وہ ایسا قادر ہے جس نے اتنی بڑی کائنات زمینوں آسمانوں کا ایک ایک عجوبہ شمار میں نہیں آتا عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ چھ دنوں میں ترتیب دی اور اس کا عرش اس کی سلطنت اس کی حکومت پانی پر تھی یعنی سب سے پہلے پانی موجود تھا اور یہ سارا نظام اس نے اس لیے ترتیب دے دیا۔

''لِیَبْلُوَكُمْ''۔ تمہاری جرات دیکھنے کے لیے کہ تم کیا کرتے ہو اس لیے کہ اس ساری صنعت میں اول تا آخر اپنی معرفت کا شعور اس نے صرف بنی آدم کو دیا باقی ساری کائنات کا ہر ذرہ اور ہر تخلیق اس کی اطاعت گذار ہے۔''لا تتحرک ذرۃ الا باذن اللّٰہ''۔ کوئی ذرہ اس کی اجازت کے بغیر حرکت نہیں کرتا لیکن سارے حکم کے تابع ہیں انسان وہ تخلیق ہے جو حاکم کو جانتی ہے حاکم کو پہچانتی ہے۔ انسان اس کی عظمت سے آشنا ہو کر اپنا سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور اگر انکار کرتا ہے تو اس کی گردن یہاں نہیں مروڑی جاتی اسے اجازت دی جاتی ہے انکار کر کے بھی دیکھ۔ پھر ایک خاص وقت پہ اس کا محاسبہ کیا جائے گا فرمایا تب سے یہ بنیاد اس بات پر تھی کہ تمہیں آزمایا جائے۔

''اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا''تم میں سے کون انسانیت کا حق ادا کرتا ہے اور کس کا کردار کھرا اور صاف ستھرا اور خوبصورت ہے۔ اب اتنے بڑے نظام کو جس نے ترتیب دے کر نتیجتاً انسان کو پیدا فرمایا کتنے فرشتے پیدا فرمائے۔ کتنی آسمانی دنیا بنائی، اس میں کتنے عجائبات رکھے، کتنی قسم کی مخلوق پیدا کی، بادل، بارش، سورج، چاند، ستارے کتنی وسیع کائنات بنائی کتنے زمانے بیتے تب حاصل کائنات انسان کو پیدا کیا اور فرمایا میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہہ دیتے ہیں۔

''وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ''۔ آپ انہیں جب بتا دیتے ہیں کہ موت فنا کا نام نہیں ہے، موت ایک عالم سے دوسرے عالم میں جانے کا نام ہے، مر کر معدوم نہیں ہو جاؤ گے بلکہ مر کے ایک زندگی کے دوسرے حصے میں پہنچ جاؤ گے اور وہاں تمہاری جواب دہی ہوگی تمہیں زندہ ہونا ہوگا اور جواب دینا ہوگا۔

''لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ''O تو کافر کہتے ہیں ایسی بات کبھی نہ دیکھی نہ سنی واقعی اگر مردہ زندہ ہو جائے تو یہ کوئی جادو ہوگا جو بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں کہ تمہیں پھر زندہ ہونا ہے بات تو یہ ہے مردے کب زندہ ہوتے ہیں مردہ تو مر گیا ختم ہو گیا۔

''وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ''(ھود:8)۔ اگر انہیں کچھ دن مہلت مل جائے تو کہتے ہیں پتہ نہیں اسے کس چیز نے روکا ہوا ہے کیوں ہمیں فرصت مل گئی ہے۔ انسانی مزاج یہ ہے کہ وہ اپنے کردار کو اس انداز سے نہیں دیکھتا کہ میں نے کتنی خطائیں کیں اور مجھے مہلت ملتی گئی یا اللہ کا احسان ہے وہ کہتا ہے کوئی ایسا نظام ہی نہیں جو محاسبہ ہوتا۔ میں نے اپنی ہمت سے جو

کرلیا۔ میرا کوئی کچھ بگاڑ ہی نہیں سکتا اور یہ تصور عام آدمی سے لے کر ایک سلطان وحکمران تک ہے۔ جب ایک حاکم کہتا ہے میری کرسی بہت مضبوط ہے اس کا مطلب ہے اس کے ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ اس نظام کا کوئی خالق ہے اگر میں کوتاہیاں کررہا ہوں وہ درگذر کررہا ہے تو یہ اس کی عطا ہے شاید کسی وقت اس کی گرفت ہی نہ آجائے۔ اگلے دن ایک مسلمان، اچھا پڑھا لکھا جو دین دار باپ کا بیٹا ہے اسے کہا گیا بھائی نماز کا وقت ہے تو کہنے لگا کہ ایک تو رب العلمین کی یہ سمجھ نہیں آتی کہ ہر ہر پروگرام میں اس نے اپنی ٹانگ اڑا رکھی ہے کہ میری عبادت کرو۔ اب یہ جملہ جو بندہ کہتا ہے کیا اسے اپنا بندہ ہونے کا احساس ہے۔ یعنی اس کے پیچھے جو سوچ ہے اس کا اگر ہم تجزیہ کریں کہ ایسے بندے کو کیا یہ احساس بھی ہے کہ خالق کی عظمت کیا ہے اور میری حیثیت کیا ہے۔ یا میرا کوئی مالک بھی ہے اس لیے کہ عبادت کا حاصل اللہ سے تعلق اور رشتہ ہے اور اس تخلیق میں زندہ رہنے کے لیے اور راستی پر رہنے کے لیے انسانی عظمت کے ساتھ جینے کے لیے اللہ سے تعلق کا ہونا شرط ہے، جس طرح فضا میں جو پتنگ قائم رہتی ہے اس کی ڈور کسی ہاتھ میں ہوتی ہے ڈور ٹوٹ جائے تو وہ طوفانوں کی نذر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح فضائے بسیط میں انسان کے کسی بھی جگہ پر قائم رہنے کے لیے اس کی ڈور کا ذات الٰہی سے متعلق ہونا ضروری ہے۔ عبادات وہ ڈور ہی ہیں جو ہمیں اللہ کی ذات سے متعلق رکھتی ہیں۔ اللہ کو ہماری نمازوں سے کچھ حاصل نہیں ہو جاتا، ہمارے روزے رکھنے سے اس کی شان بڑھ نہیں جاتی، ساری کائنات اس کی عظمت کا اقرار کررہے اس کی شان میں فرق نہیں آتا، سارے بندے ہر وقت سربسجود رہیں اس کی عظمت بڑھ نہیں جاتی بندوں کے بڑھانے سے بڑھتی نہیں ہے ان کے گھٹانے سے گھٹتی نہیں ہے وہ بندوں کے افعال سے متاثر نہیں ہوتا بندے اس کی پسند و ناپسند سے متاثر ہوتے ہیں تو عبادات اس کا وہ انعام ہے جو اس نے ہر کس و ناکس کو عطا فرمادی شاہ سے لیکر گدا تک۔ کہ بار بار ملو اور براہ راست مجھ سے ملو اور میرے سامنے سجدہ کرکے میری تعریف کرو اور میری تجلیات کو میرے انوارات کو اپنے دل میں منعکس کرکے میرے ساتھ جو تمہارا رشتہ ہے اسے مضبوط رکھو تاکہ زمانے کے طوفانوں میں تم اس مقام پر قائم رہ سکو جہاں میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں جہاں میں تمہیں پسند کرتا ہوں جہاں تم میری رضا کو پاسکو اور کہیں لڑکھڑا کر ڈور توڑ کر میرے عذابوں کے جہنم میں نہ جا گرنا۔ جب ڈور ہی ٹوٹ جاتی ہے تو وہ پتنگ کسی جھاڑی کسی درخت کسی کھمبے سے جا الجھتی ہے تو فرمایا کہ تم بھی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح کسی درخت پہ نہ جا اٹکنا بلکہ رحمت الٰہی کے جوار میں رہو عبادات کا حاصل تو یہ تھا لیکن جب بندہ بگڑتا ہے اور وہ بیگانہ ہوتا ہے ذات باری سے تو یہی سمجھتا ہے کہ جو کچھ میں کررہا ہوں ٹھیک کررہا ہوں۔

لیکن انہیں بتادیجئے کہ کان کھول کر سن لو "اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ" (ھود:۸) جب اللہ کی طرف سے آگیا پھر ٹلنے کا نہیں پھر کسی حیلے حوالے سے تم جان نہیں بچا سکو گے پھر کرسی کی بجائے تمہاری گردن رسے میں جھولتی ہوئی نظر آئے گی کتنا نقد سودا ہے۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے کتنی طاقت کا مظاہرہ کیا کہ ملک کے اندر حکومت موجود ہے اور وہ

الگ حکومت کا اعلان کر کے ایک نئی حکومت کا جھنڈا لگائے گھوم رہا ہے لیکن ہوا کیا کئی دن تک لاش پڑی رہی اور آخر بوری میں ڈال کے ایک ہیلی کوپٹر کے ذریعہ ایک گڑھے میں پھینک دی گئی نہ کسی نے غسل دیا، نہ جنازہ پڑھا، نہ کوئی رونے والا۔ اندرا گاندھی نے پورے ایشیا کو جنگ کی آگ میں جھونکنے کے انتظامات کر دیے تھے کہاں گئی کتنا مضبوط تھا راجیو گاندھی جسے ایک بوڑھی عورت نے تباہ کر کے رکھ دیا اسے۔ کتنا طاقتور مارشل لاء تھا یحییٰ خان کا کہاں گیا۔ وہ کتنی طاقت تھی بھٹو میں کہاں ہے وہ کتنی مضبوط حکومت تھی ضیاء الحق کی کہاں ہے ضیاء الحق کون بچا ہے اب کس کے ساتھ کیا بیت رہی ہے وہی کچھ جتنا اس کا ایمان تھا اور جتنا اس کا کردار تھا خواہ کوئی مومن تھا یا کافر فرعنیک تھا یا بدتھا اب میری اور آپ کی سفارشوں کی ضرورت نہیں ہے ہر بندہ کہتا ہے میری کرسی بہت مضبوط ہے پھر اسی کرسی کے زیر سایہ ایک بھٹکی گردن میں پھندا ڈال کے لٹکا دیتا ہے اور وہ پھانسی پہ جھولنے لگتا ہے پتہ چلتا ہے کہ طاقت کا مرکز کہیں اور ہے یہ کرسیاں، یہ اقتدار، یہ وقار نہیں۔

اس لئے کہ کفر کی عمر لمبی ہو سکتی ہے، ظلم کی عمر لمبی نہیں ہوتی۔ صدیوں تک کفار حکومتیں کرتے رہے اور ایک کے بعد دوسرا بادشاہ آیا لیکن جب تک انہوں نے ظلم میں تیزی نہیں دکھائی تب تک ان کی حکومت قائم رہی۔ جب وہ ظلم پر اتر آئے اللہ نے کوئی نبی مبعوث کر دیا انسانوں کو بچانے کے لیے، ظالم کے مقابلے کے لیے، اسی طرح کفر کو برداشت کیا جاتا رہا لیکن ظلم کی عمر کم کر دی گئی۔ اب لوگوں نے کلمہ پڑھ کر اسلام کا دعویٰ کر کے بھی ظلم کرنا شروع کر دیا تو اللہ نے ظلم کو برداشت نہیں فرمایا اس کا تدارک کر دیا اور اگر کوئی اتنا ہی اوپر نکل گیا کہ بندوں کی رسائی میں نہیں آیا تو پھر تقدیر نے اس کے گلے میں پھندا ڈال دیا پھر وہ اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکا۔ تو فرمایا لوگوں کو یہ بتا دیجئے ''وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ '' (ھود:8) ان چیزوں کا مذاق اڑاتے ہو پھر وہ تمہارے گلے میں پڑ جائیں گی پھر ان سے گردن نہیں چھوٹ سکے گی اور فرمایا ''اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ '' (ھود:8) اور یہ یاد رکھو کبھی بھی اپنے آپ کو اس کی گرفت سے باہر نہ سمجھو۔ ہاں تمہارا وہ تعلق جو اللہ کے ساتھ ہے کم از کم یہ ہدیہ خلوص ہو کہ اسے خالق سمجھو مانو اور خود کو مخلوق اور محتاج سمجھو اور جہاں اطاعت نہ ہو سکے وہاں کم از کم اپنی کوتاہی کا اقرار تو ہو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ اطاعت کی توفیق دے دیتا ہے ایک آدمی سے اگر غلطی ہوتی ہے اور وہ غلطی کو غلطی سمجھتا ہے تو اسے توبہ کرنے کی توفیق مل جاتی ہے لیکن اگر اپنی کوتاہیوں کا جواز تلاش کرنے لگے جو انسانی مزاج ہے کہ میری قابلیت یا میری دانش مندی کے یہ نتائج ہیں اسے کوئی نہیں روک سکتا اور اس کی دانشورانہ رائے اللہ کے قانون کے خلاف ہو تو پھر اس پر عذاب آ جاتا ہے۔

ہمارے ہاں ایک مصیبت یہ ہے کہ ہم نے مغرب اور مغربی تہذیب کو سند اور قبلہ بنا رکھا ہے، اب تو ہمارے علماء اور پیران عظام بھی جمہوریت ہی کی بات کرتے ہیں سیاست دانوں کا تو خیر چلو ماؤں ہی جمہوریت ہے صبح و شام جمہوریت کو خطرہ لاحق ہے کوئی دین کی، کوئی اسلام کی، کوئی قانون اسلام کی، کوئی قرآن کی، کوئی بات نہیں ہے۔ یعنی قرآن حکیم اور دین اسلام

اس اسلامی ملک میں اتنا کمزور ہے کہ کمزور سے کمزور بندہ سرعام اسلامی قانون کو پامال کرتا ہے۔ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں کوئی روکنے والا نہیں لوگ رمضان میں ہوٹل چلائیں۔ سرعام شراب پئیں، بھنگ پئیں، چرس پئیں، کوئی روکنے والا نہیں وہ جرائم جو ملکی قانون میں بھی جرم ہیں ان پر پولیس بھی حرکت میں آتی ہے۔ اسلام اگر سارے کا سارا پامال ہو جائے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ لیکن جمہوریت کو خطرہ نہیں ہونا چاہیے اس کے لیے جلوس نکالے جائیں، اس کے لیے بندے مروائے جائیں، اس کے لیے حکومتیں تبدیل کر دی جائیں، جو کر رہے ہیں وہ کہتے ہیں جو ہم کر رہے ہیں یہ جمہوریت ہے جن کو نہیں ملتی وہ کہتے ہیں جو ہم کرنا چاہتے ہیں وہ جمہوریت ہے اور یہ کوئی نہیں سوچتا کہ یہ جمہوریت ہوتی کیا ہے صرف اور صرف کافروں کی پیروی ہے۔ مسلمان اگر اس جمہوریت کو مکہ مکرمہ میں لے جائیں تو ابوجہل جیت جائے گا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں، اکثریت اس کے ساتھ ہوگی۔ مدینہ منورہ کی ریاست جب بن رہی تھی تو جزیرہ نمائے عرب میں کافر زیادہ تھے اور مومن کم تھے افراد کا کسی ایک طرف زیادہ ہونا حق پر ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

اور یہ ساری خرافات مغرب کی ایجاد کردہ ہیں اور مسلمان کا ان کے ساتھ کوئی سروکار نہیں مسلمان کے پاس جینے مرنے، کا حکومت کرنے کا، تعلقات کا، تجارت کا، اخلاقیات کا ایک ہی مسودہ ہے اور وہ ہے اللہ کا قرآن، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، خلفائے راشدین کا طرز حکومت، یہ سارے مظاہر ہیں قرآن حکیم کے۔ پتہ ہے لوگ اعتراض کیوں کرتے ہیں۔ جن لوگوں کی قرآن میں اللہ نے برات بیان کی اور جنہیں مثالی مسلمان قرار دیا۔ قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے والے کسی بندے کے پاس حق رہ جاتا ہے کہ ان پر اعتراض کرے؟ ان پر اعتراض کرنے کے لیے پہلے یہ چاہیے کہ قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے سے انکار کر دے اور اگر قرآن کو اللہ کی کتاب مانے گا تو وہ وہ لوگ ہیں کہ باقی مخلوق کا فیصلہ میدان حشر میں ہوگا ان کا فیصلہ قرآن نے یہاں نازل کر دیا۔ رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ اور بڑی عجیب بات ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام میں اطاعت رسول تو ضروری رہی۔ صحابہ کی اطاعت ضروری نہیں تھی معیار حق نہیں قرار دیا گیا کسی بھی امت میں کسی صحابی کو معیار حق قرار نہیں دیا گیا کہ اسے تم صحیح مانو تو مسلمان ہو ایمان صرف نبی کے ساتھ شرط تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ وہ ہیں کہ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک سارے نبیوں سے بھی ان کی عظمت منوائی گئی یعنی شرط ایمان ٹھہری۔

''ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ'' (الفتح:۲۹)۔ اللہ فرماتا ہے ان کے یہ واقعات اور ان کی یہ مثالیں میں نے پہلی کتابوں میں نازل فرمائیں اب اگر کوئی اس وقت اعتراض کرتا کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ یہ لوگ ایسے نہیں ہوں گے تو اس وقت کا فر ہو جاتا اس کتاب کے انکار کے حوالے سے آج اگر کوئی ان پہ اعتراض کرتا ہے تو بنیاد یہ ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کو اللہ کی کتاب نہیں سمجھتا خواہ دعویٰ کرتا رہے کہ میں مانتا ہوں کہ صحابہ کرام مفسر ہیں ان احکام کی جو اللہ کریم

نے انسانی معاشرہ قائم کرنے کے لئے دیئے ہیں اور جو واحد سند ہیں اور جو واحد گواہ ہیں نزول قرآن کے اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جن کو درمیان سے ہٹا دو تو ثابت ہی نہیں ہو سکتا کہ کوئی اسلام کا نبی علیہ السلام مبعوث بھی ہوا تھا۔ ان پر تو ہمیں اعتراض ہے اور مغرب کے پیچھے دوڑنے کو ہم نے زور لگا رکھا ہے ہر طرف جمہوریت جمہوریت ہو رہی ہے۔

ذرا مغرب کو دیکھیں کہ مغرب نے بھی کہیں قوانین فطرت کی خلاف ورزی کی ہے یہ سودی نظام جس پر آج ہم اصرار کرتے ہیں کہ اگر ہم سود بند کر دیں تو ہم زندہ نہیں رہ سکتے خود مغرب کو اس نے ایسا لپیٹ رکھا ہے کہ ہر غریب، غریب سے غریب تر اور ہر امیر امیر سے امیر تر ہوتا جا رہا ہے لاکھوں لوگ امریکہ کے بڑے بڑے شہروں میں ایسے ہیں جو راتوں کو فٹ پاتھ پہ سوتے ہیں اور ایک شہر میں ہزاروں آدمی ایسے نظر آ جاتے ہیں جو کوڑے کرکٹ سے غذا ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ میں نے ایسوں کی تصویریں لی ہیں سند کے طور پر کہ یہ امریکی زندگی ہے اور سودی نظام نے اتنا جکڑ دیا ہے کہ دو جگہ پر آٹھ آٹھ گھنٹے ملازمت کرنا پورے امریکہ میں ایک عام بات ہے۔ اور جب کسی کا بچہ یا بیوی بیمار ہوتی ہے یا خود ہسپتال جانا پڑتا ہے تو اتنا مقروض ہو جاتا ہے کہ پھر کئی مہینے وہ تین تین جگہوں پر نوکری تلاش کرتا ہے اور چوبیس چوبیس گھنٹے ملازمت کرتا ہے اس کے کھانے اور سونے کا وقت صرف وہ ہوتا ہے کہ جب ایک جگہ نوکری ختم کر کے ریل یا بس میں سوار ہوتا ہے تو دوسری جگہ جانے تک کھڑا کھڑا سو لیتا ہے۔ اور وہاں جاب پر عموماً کرسیں نہیں ملتیں سارا سارا دن لوگ کھڑے ہو کر کام کرتے ہیں میں نے ستر ستر سال کی عورتوں کو اور پچاسی پچاسی سال کے بزرگوں کو دکانوں پر چیزیں فروخت کرتے دیکھا ہے جہاں آٹھ آٹھ گھنٹے وہ کام کرتے ہیں اور بیٹھنے کے لیے کوئی کرسی نہیں سارا دن کھڑے ہو کر کام کرتے ہیں۔ یہ اس سودی معیشت کی ''برکات'' ہیں کہ ہر آدمی گدھے کی طرح کام کرنے کے بعد پیٹ بھرنے کے لیے کچھ نہیں پاتا۔

قانون فطرت میں انہوں نے مرد و عورت کے تعلقات میں بھی بے راہ روی اختیار کی اور اسلام یا ایمان کو تو رہنے دو فطرت نے جو ضابطے بنائے تھے انہیں بھی چھوڑ دیا غیر فطری طریقہ اختیار کیا ''وَ حَاقَ بِهِمْ''۔ آج ان کے گلے پڑ چکا ہے یہ مغرب کا اتنا بڑا عذاب ہے کہ اب وہ اس سے نکلنا چاہتے ہیں اس سے نکل نہیں سکتے دلدل میں دھنس چکے ہیں نہ کسی کا باپ ہے، نہ کسی کی ماں، نہ کسی کی بیٹی، نہ کسی کا بیٹا، نہ کسی کی عزت، نہ کسی کی آبرو، اب امریکی حکومت نے گزشتہ تین سال سے حکماً فارم سے والد کا نام کٹوا دیا ہے۔ یعنی جب ملک میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جن کے باپ کا کوئی پتہ ہی نہیں تو فارم میں باپ کا نام قانوناً کیسے رکھا جائے۔

فرمایا ''وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ O'' (الاحقاف:26) جن قوانین فطرت کا مذاق اڑاتے ہیں وہ ان کے گلے پڑ جائیں گے۔ تو اگر کوئی بحیثیت انسان بھی (مسلمان تو ایک بہت اچھا انسان ہے اس کا رشتہ رب العالمین کے ساتھ ہے) ان چیزوں کا تجزیہ کرے تو اسے عافیت اسلام میں نظر آتی ہے غیر اسلامی زندگی میں کوئی عافیت نہیں نہ غیر اسلامی طرز

حکومت میں، نہ غیر اسلامی تعلقات میں، نہ غیر اسلامی سیاست میں، اور نہ کسی غیر اسلامی نظام میں کوئی عافیت ہے بلکہ ہر طرف سے کوئی نہ کوئی پھندا اس کے گلے پڑ جاتا ہے۔

مصیبت یہ ہے کہ مسلمان کے مقام سے تو ہم گرے ہی تھے ہم تو انسان کے مقام سے بھی گر گئے اگر انسانی شعور ہی باقی رہتا تو کافر بھی دنیا میں امن سے گزارا کرتے رہے جب تک انہوں نے قوانین فطرت کو نہیں توڑا ان کے کفر کا محاسبہ قبر پر، موت پر، آخرت پر چھوڑ دیا گیا۔ ظلم اسی کو کہتے ہیں کہ جہاں قوانین فطرت کو توڑا جائے اس کے نتائج گلے پڑ جاتے ہیں۔

اللہ کریم ہمیں صحیح سمجھ، صحیح فکر، صحیح قوت فیصلہ اور صحیح عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ امین۔

☆ ☆ ☆

ایمانیات

سبق نمبر۳:

سورۃ ھود۔ آیات ۱۲ تا ۱۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعۡضَ مَا يُوۡحٰۤى اِلَيۡكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدۡرُكَ

تو شاید آپ کچھ چیزیں جو آپ پر وحی کے ذریعہ سے آتی ہیں چھوڑنا چاہیں اور آپ کا دل اس بات سے تنگ

اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ كَنۡزٌ اَوۡ جَآءَ مَعَهٗ

ہوتا ہے کہ وہ (کافر) کہنے لگیں گے کہ ان پر کوئی خزانہ کیوں نازل نہیں ہوا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں

مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ نَذِيۡرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ وَّكِيۡلٌ ؕ ﴿۱۲﴾

آیا بے شک آپ تو (انجام بد سے) ڈرانے والے ہیں اور ہر چیز پر پورا اختیار رکھنے والے صرف اللہ ہیں۔

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ

یا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے (قران کو) از خود گھڑ لیا ہے۔ فرمایئے کہ اگر سچے ہو تو تم بھی ایسی

مُفۡتَرَيٰتٍ وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

دس سورتیں بنا لاؤ اور (اپنی مدد کے لئے) اللہ کے علاوہ

اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۳﴾

جس کو بھی بلا سکتے ہو بلا لو۔

اللہ جل شانہ ہر بات کو جاننے والے ہیں یقیناً علم الٰہی میں یہ بات موجود تھی جو اسلام میں بہت بعد میں آ کر ظاہر ہوئی اور اس کا مدارک بنیادی طور پر ہی فرما دیا گیا اور اس انداز سے فرمایا کہ یہاں خطاب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ ہم آج کے دور میں دیکھتے ہیں کہ لوگوں نے نیکی کا یا اپنے حق پر ہونے کا ایک معیاری دنیوی منفعت یا دنیوی مقام و مرتبہ

کو بنالیا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم مسلمان ہیں یا ہم عبادت کرتے ہیں یا ہم نیکی کرتے ہیں تو پھر ہمارے پاس مال و دولت بھی ہونا چاہیے۔ ہمیں کوئی بیماری یا تکلیف بھی نہیں آنی چاہیے اور ہماری ہر خواہش پوری ہونی چاہیے، اس لیے کہ ہم مسلمان ہیں۔ تو رب کریم نے نزول قرآن کے وقت مرض کا تدارک فرمادیا تھا جسے آج ہم اپنے اندر دیکھ رہے ہیں اور اتنی شدت سے فرمایا اور خطاب فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے احکام الٰہی کو توڑنا ممکن نہیں۔ لیکن ناممکن کو بھی بطور تفسیر ارشاد فرمایا کہ اگر کبھی ایسا ہو کہ آپ بھی ایسا کریں تو یہ جرم ہوگا۔ پھر یہ صحیح نہیں۔ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ کوئی بھی بندہ اس حکم سے مستثنیٰ نہیں۔ جو بھی ایسا کرے گا جرم ہوگا۔ خواہ وہ پیر صاحب ہیں یا مولوی صاحب حکمران ہے یا سیاستدان یا عام آدمی ہے۔ اپنی عملی زندگی میں بعض احکام الٰہی کو اس لیے چھوڑ دینا کہ ان پر عمل کرنے سے لوگ ملامت کریں گے بُرا، بھلا کہیں گے یا دوسرا جو غیر اسلامی انسانی معاشرہ ہے اس کے ساتھ تعلقات صحیح نہیں رہیں گے یا وہ ہمیں قدامت پسند یا بنیاد پرست کہہ دیں گے یا وہ ہمیں دہشت گرد قرار دے دیں گے تو فرمایا قرآن حکیم پر یا وحی الٰہی پر ایمان اس لیے لانا مقصد نہیں کہ لوگ بھلا کہیں۔ ایمان لانے سے یہ غرض بھی نہیں کہ کاروبار میں منافع ہو۔ ایمان لانے سے یہ غرض بھی نہیں کہ اقتدار و وقار ملے بلکہ ایمان اس لیے لایا جائے گا کہ یہ حق ہے۔

''فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ'' خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد ہر وہ بندہ ہے جو ایمان لاتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان احکام الٰہی کو جو بذریعہ وحی پہنچے ہیں ان میں کسی حکم کو ایمان لانے کے بعد یہ سمجھتا ہے خواہ سیاسیات میں، یا اخلاقیات میں، یا معاملات میں، یا کاروبار میں، یا معاشی مسائل میں کہ انہیں معاشرہ قبول نہیں کرے گا اور مجھے سارے معاشرے میں بدنام نہیں ہونا چاہیے تو مجرم ہوگا۔ ''وَضَآئِقٌ بِهٖ صَدْرُكَ''۔ اور آپ کو یہ دشوار محسوس ہو اور آپ کے دل پر بوجھ پیدا ہو ''اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ''۔ کہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تمہارا اللہ کے ساتھ اتنا ہی قریبی تعلق ہے اور اللہ تمہاری بات سنتا ہے اور تم اللہ سے بات کرتے ہو تو پھر تمہارے پاس تو دولت کے ڈھیر ہونے چاہئیں۔ ''اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ'' یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ آ کر اس کی تصدیق کیوں نہیں کر دیتا کہ یہ واقعی اللہ کا حکم ہے۔ تو یہ ساری باتیں جہالت سے متعلق ہیں اگر فرشتہ آ کر تصدیق کرتا تو انسان کو نبی بنانے کی ضرورت کیا ہوئی جب تصدیق فرشتے سے ہم کلام ہونے کے لیے کوئی نسبت چاہیے۔ آخرت میں تو کافر بھی اس لیے ہم کلام ہوگا کہ بشری وجود کا غلبہ ختم ہو جائے گا دنیا میں روح تابع ہے اور مکلف بذات بدن ہے انسانی بدن غالب ہے روح ہمیں نظر نہیں آتی آج بھی اگر کسی کے بدن میں وہ نورانیت وہ پاکیزگی و لطافت پیدا ہو جائے جو روحانیت کے سامنے حجاب نہ رہے تو فرشتے سے بات ہو سکتی ہے لیکن وہ تزکیہ تو تجلیات باری سے ہوگا بدن کے ہر ہر ذرے میں انوارات الٰہی پیدا ہوں اور جب ایمان ہی نہ ہو تو تجلیات کہاں سے آئیں تو کافر بحالت کفر بھلا موت سے پہلے فرشتے کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔ موت کے وقت بدن کا غلبہ ختم ہونے لگتا ہے اور روح بذات

مکلف ہو جاتی ہے۔ تو روح جو عالم امر کی چیز ہے خواہ کافر کی بھی ہو اس میں وہ صلاحیت ہے کہ فرشتے کو دیکھ بھی سکتی ہے بات بھی کر سکتی ہے اسی لیے موت تک بدن مکلف بذات ہے اور روح اس کے تابع ہوتی ہے موت کے بعد روح مکلف بذات ہو جاتا ہے اور بدن اس کے تابع ہو جاتا ہے اسی لیے مرنے کے بعد جس طرح آج آواز بدن سنتا ہے خوش بدن ہوتا ہے تکلیف بدن کو ہوتی لیکن روح اور بدن الگ شے نہیں روح بھی تر پتی ہے اسی طرح برزخ کا سوال و جواب، عذاب و ثواب، گرمی و سردی روح پر بیتتی ہے بدن کا اس سے اتنا مضبوط تعلق ہے کہ بدن خواہ کسی بھی حالت میں چلا جائے جل جائے، ذرات میں تبدیل ہو جائے، ہر ذرے کا تعلق روح کے ساتھ رہتا ہے اور وہ رنج و راحت اسے اس وساطت سے پہنچتا رہتا ہے۔

میدان حشر میں اور اس کے بعد روح اور بدن دونوں برابر برابر مکلف ہوں گے۔ روحانی نعمتیں اور لذتیں بھی ویسے ہی محسوس ہوں گی جیسے جسمانی بھوک، پیاس، نعمت، راحت، لذت محسوس ہوگی یہ تین حصے ہیں زندگی کے۔ تو اس عالم آب و گل میں جہاں مکلف بالذات انسانی بدن ہی ہے فرشتے کا اس کی تبلیغ کے لیے آنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اب لوگ پھنس گئے مال و دولت کے چکر میں کہ ہم اگر مسلمان ہیں تو ہمیں مالی فائدہ ہونا چاہیے ہم مسلمان ہیں تو ہمیں اقتدار ملنا چاہیے۔ دوسرے کرامات میں پھنس گئے کہ میں اتنی عبادت کرتا ہوں، میں تہجد پڑھتا ہوں، میں اتنے ذکر اذکار کرتا ہوں تو مجھ سے کرامات کا ظہور ہونا چاہیے وہ اس میں آ گیا "اَوْجَاءَ مَعَهٗ مَلَكٌ "۔ اور فرمایا "اِنَّمَا اَنْتَ نَذِيْرٌ "۔ اے میرے حبیب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب عالی یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے مال و دولت میں بڑھ جائیں یا عجائبات میں بڑھ جائیں اگر چہ معجزات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمار نہیں ہوتے لیکن حق یہ ہے کہ منصب عالی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بندوں کو ان کے اعمال کے نتائج بتائیں کسی بھی فعل، کا کسی بھی عقیدے کا، کسی بھی عمل کا نتیجہ کیا ہوگا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب جلیلہ ہے۔

"وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ "O بے شک اللہ ہر ہر چیز کو دیکھ رہا ہے وہ خود نگران ہے۔ ہر چیز کا، ہر بات کا، ہر کام کا تو عبادات یا اطاعت الٰہی یا حقیقت اسلام یہ نہیں کہ معاشرہ کسی کو بہت اچھا مانے یا معاشرہ کسی کو حکمران مانے یا اس کے پاس بہت سے عجائبات کا ظہور ہو جائے۔ یہ چیزیں حق پر رہنے کی شرط نہیں ہیں حق پر رہنے کی شرط صرف یہ ہے کہ وہ حق ہے اس لیے اس پر قائم رہا جائے۔

کوئی کہتا ہے یہ بات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں اللہ کا کلام ہے یہ صحیح نہیں ہے تو فرمایا کفار کو کہہ دیجئے اور قرآن کا یہ اعلان آج بھی موجود ہے کہ تم ایسی دس چھوٹی چھوٹی سورتیں ہی بنا کر پیش کر دو ان تیس پاروں کے مقابلے میں جن کے ہر لفظ میں، ہر حرف میں، ہر جملے میں اتنی ہی صداقت ہو حالات و واقعات اس کی تصدیق کریں ان میں تناہی حسن کلام بھی ہو ان میں اتنا ہی حسن مضمون بھی ہو اور ان میں اتنا ہی معنی کا سمندر بھی ہو اور اتنی ہی کھری اور سچی بات ہو جتنی اس کتاب میں ہے اور اگر کوئی بھی

انسان کسی بھی زمانے میں کسی بھی مذہب وملت کا ایسا نہ کر سکے تو یقیناً یہ انسانی کوشش نہیں یہ کلام ربانی ہے۔ فرمایا:

"وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" اللہ کے سوا کسی بھی طاقت کو پکارو، دعوت دو اور ساتھ شامل کروا دیوں کو، شعراء کو، حکماء کو کوئی طاغوت تمہارے تابع ہے، کوئی جن تمہارے ساتھ مدد کرنے والا ہے، کوئی بھی اللہ کے سوا کسی طرح کی مخلوق تمہارے ساتھ تعاون کرتی ہے اگر اس معاملے میں تم اسے بلا لو ساری مخلوق بھی مل جائے تو اس کی مثال نہیں لا سکتی اس لیے کہ یہ اللہ کا ذاتی کلام ہے۔ اس کے حقائق اس کی شیرینی اس کے مضامین کا حسن، اس کے ربط کا حسن، اس کے مفاہیم کی گہرائی اور اس کے وسیع تر معانی چودہ سو سال بیت گئے بے شمار لوگوں پر اللہ نے بے شمار مضامین کا اظہار فرمایا آیات وہی ہیں تیس پارے قرآن حکیم وہی ہے کم وبیش دو لاکھ تفاسیر ان چودہ صدیوں میں شائع ہوئی ہیں جن میں بہت بڑی بڑی تفاسیر ہیں۔ یہ بہت مدت ہے اور بے شمار معانی اور بے شمار جواہرات ہر غوطہ زن نے اس سمندر کی تہہ سے نکالے لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کے نقاط اس کی حکمتیں اور اس میں جو اللہ کریم نے معانی سمو دیے ہیں وہ ختم ہو گئے کبھی نہیں اور نہ کبھی آئندہ ختم ہوں گے کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے کما حقہ، جو کچھ مفاہیم ظاہر کر دیئے بعد میں آنے والا کوئی مفسر اس سے نیا نقطہ یا کوئی نئی بات نہیں بتا سکے گا ایسا نہیں ہے بلکہ ہر غوطہ زن کی قسمت میں اللہ کریم نے کوئی نہ کوئی جواہر کوئی نہ کوئی ہیرا کوئی نہ کوئی معانی کا موتی ودیعت کر دیا ہے۔ چودہ سو سال میں سے سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن حکیم ہے جسے لوگ حرفاً حرفاً زبانی یاد کرتے ہیں۔ ایک چھوٹا سا بچہ یاد کر لیتا ہے دنیا کی کوئی دوسری ایسی کتاب نہیں جس کا ہر حرف یاد کیا جا سکے مضامین یاد رہ جاتے ہیں حروف یاد نہیں رہتے الفاظ یاد نہیں رہتے جملے کما حقہ، یاد نہیں رہتے یہ واحد کتاب ہے جس کا کا ایک ایک حرف لفظاً لفظاً ازبر ہو جاتا ہے اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ ایک بندہ بچپن سے پڑھنے لگتا ہے اور ضعف عمر تک بینائی جواب دے جاتی ہے، شنوائی جواب دے جاتی ہے لیکن وہ قرآن حکیم کو پڑھے جا رہا ہے ہر بار جب وہ دوبارہ پڑھتا ہے ایک نئی لذت پاتا ہے دنیا کی کوئی کتاب آپ دو دفعہ پڑھ لیں، چار دو دفعہ پڑھ لیں ایک موقعے پر آ کر اس سے جی بھر جائے گا سارے مضامین اس کے ذہن نشین ہو جائیں گے اسے پھر پڑھنے کو طبیعت نہیں چاہے گی۔ یہ واحد کتاب ہے جس کی شیرینی ہر بار پڑھنے سے ہر بار بڑھتی ہے اس میں کمی پیدا نہیں ہوتی اور جتنا زیادہ پڑھتے جاؤ اتنا زیادہ پڑنے کو جی چاہے گا دنیا کی تمام کتب میں ایک بات یقینی ہے کہ جب تک اس کتاب کے معانی اور مفاہیم کی سمجھ نہ آئے کتاب میں لذت پیدا نہیں ہوتی قرآن حکیم واحد کتاب ہے جسے مضمون سمجھ نہیں آتا جسے معانی نہیں آتے الفاظ آتے ہیں وہ الفاظ پڑھتا جاتا ہے تو اس میں اس سے ایک نئی لذت ملتی چلی جاتی ہے وہ پڑھتا ہی چلا جاتا ہے ساری عمر گزر گئی معانی کی سمجھ نہیں آئی مفاہیم کی سمجھ نہیں آئی لیکن الفاظ کے بار بار دہرانے میں ہر بار اسے نئی لذت ملتی چلی جاتی ہے دنیا کی کوئی ایسی کتاب نہیں جس کے مضامین کا مفہوم سمجھ نہ آیا ہو اور بندہ عمل کر سکے۔ یہ واحد کتاب ہے جنہیں مفہوم سمجھ نہیں آتا وہ بھی مسلسل پڑھتے رہیں تو اس کی اصلاح ہونا شروع ہو جاتی ہے حالانکہ

انہیں پتہ نہیں ہوتا کہ پڑھ کیا رہے ہیں مفہوم کی سمجھ نہیں آتی معنی انہیں آتے نہیں ہیں لیکن بار بار پڑھنے سے ان کے دل میں ایسی جلا پیدا ہو جاتی ہے کہ انہیں نیکی اور بھلائی پسند آنے لگتی ہے اور برائی کی تلخی محسوس کرنے لگتے ہیں اور ان کے قلب نیکی کی طرف بڑھنے لگ جاتے ہیں اور برائی سے ہٹنے لگ جاتے ہیں۔ تو فرمایا جسے یہ شبہ ہو کہ یہ اللہ کی کتاب نہیں ہے وہ ان خصوصیات کی حامل کوئی چند سورتیں ہی بنا لائے کچھ چھوٹا سا مضمون ہی بنا کر لے آئے جس میں یہ اوصاف موجود ہوں کہ جو بات کہہ دے خواہ وہ گزشتہ ہے یا زمانہ حال پر ہے یا مستقبل پر ہے وہ لفظ بلفظ صحیح ہو اور اس کی تردید نہ کی جا سکے ممکن نہ ہو اس کے خلاف کہنا پھر وہ مضامین جن کی تصدیق اللہ کریم نے انسانی عقول سے کروائی۔

ایک بہت اچھی سیریز بنائی ہے کویت والوں نے۔ الحق (The Truth) اس میں انہوں نے دنیا بھر کے مختلف ماہرین کو جمع کیا کوئی باٹنی کا ماہر ہے، کوئی میڈیکل سپیشلسٹ ہے، کوئی سورج کی ریز کا، کوئی جاپانی ہے، کوئی چینی ہے، کوئی ہندوستانی ہندو ڈاکٹر۔ ان کو جس مضمون کا وہ دنیا کا مانا ہوا سپیشلسٹ تھا اس مضمون پر قرآن کی ایک آیت دے دی اور کہا کہ اس کا تجزیہ کر کے دکھاؤ تو ان میں سے سوائے ایک ہندو ڈاکٹر کے باقی سارے مسلمان ہو گئے میرے خیال میں ہندو کا اسلام قبول نہ کرنا ہندوستان پاکستان میں ایک دوسرے کے خلاف جو نفرت ہے وہ اس کا سبب ہوگا۔ لیکن اپنے عجز کا اقرار اس ہندو نے بھی کیا کہ انسانی علوم یہاں عاجز آ جاتے ہیں یہ بات انسانوں کی کہی ہوئی نہیں ہے ان میں سے جاپانی کہہ رہا تھا کہ آج مشکل سے سائنس اس مقام پر پہنچی ہے کہ ایک جرم (Germ) سے انسانی وجود کیسے ترتیب پاتا ہے، پہلے کیا بنتا ہے، کتنا عرصہ وہ کس طرح رہتا ہے خون کی ایک پتلی بنتی ہے پھر گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے اور پھر اس میں ہڈیاں پیدا ہونا شروع ہوتی ہیں اور پھر اعضاء و جوارح بنتے ہیں اور پھر اس میں زندگی آ جاتی ہے جسے چودہ سو سال پہلے جب کوئی سائنسی مشین نہیں تھی، جب کوئی ایکسرے نہیں تھا کوئی خوردبینیں نہیں تھیں قرآن حکیم نے ایک ایک حصے کو الگ الگ کر کے انسانی وجود کی تکمیل اور تعمیر کے مراحل بیان کر دیئے۔ کہنے لگا کہ یہ سوائے خالق کے ممکن نہ تھا کوئی اور اس بات کو کیسے بیان کرتا جب اس بات کو سمجھنا ہی کسی کے بس میں نہیں تھا تو لوگ محض ایمان لاتے رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ان کے پاس کوئی ظاہری دلیل نہیں تھی اس بات کو ماننے کے لیے۔

تو فرمایا اگر کسی کو اس کی حقانیت پہ شبہ ہو تو قرآن کا یہ اعلان آج بھی موجود ہے کہ اسی لذت و شرینی کی حامل انہیں حقیقتوں کی حامل انہیں صداقتوں کی حامل اتنے ہی مفاہیم اور معانی کا بے کراں سمندر بنا کر لاؤ تم تیس پارے نہیں تم چھوٹی سی پانچ دس سورتیں بنا کر لے آؤ اور جسے چاہتے ہو اللہ کے سوا اس سے مدد لے لو۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی ایک جملہ بھی کہہ سکے اور قرآن حکیم کا یہ اعلان ہمیشہ موجود رہے گا۔

تو ان دو آیات مبارکہ میں یہ بنیادی حقیقتیں ارشاد ہوئیں تو سب سے پہلی بات اللہ کے احکام کو قبول کرنے کے لیے

دنیوی شرائط کو عائد کرنا درست نہیں ہے کہ دنیا میں میرا کوئی مقام و مرتبہ ہو یا میرے پاس دولت جمع ہو جائے یا مجھے کوئی پرابلم سامنے نہ آئے یہ نہیں کچھ بھی ہو حق اپنی جگہ حق ہے محنت و مزدوری کرنا اس کے ساتھ اللہ سے دعا مانگنا حصول رزق حلال کی حصول نعمت کی یہ منع نہیں ہے لیکن یہ شرط نہیں ہے کہ دولت ہوگی تو حقیقت کو مانا جائے یہ شرط نہیں قرار دی جا سکتی یا یہ بھی شرط نہیں ہے کہ ساری دنیا اس کام کو مانے اب آپ دنیا میں دیکھ لیں سارے براعظم گھوم کے دنیا کا ایک وسیع حصہ اذان کی آواز تک سے محروم ہے بڑی بڑی سلطنتیں بڑی بڑی سپر پاورز بڑی بڑی حکومتیں اسلام کے خلاف ہیں تو کیا کفر کی یہ اکثریت ہمیں اس بات سے بددل کر دے جو آج ہمارا حال ہے۔

کہ ہم کہتے ہیں کہ حکم تو ہے اللہ کا لیکن یہاں آپ حکومت کی سطح سے نیچے آ جائیے اپنی ذاتی زندگی میں ایک عام بات کو لے لیجئے ہم بیٹی بیٹے کا نکاح کرتے ہیں کہتے ہیں شریعت کا حکم تو ہے لیکن اگر رسومات ادا نہیں کریں گے تو ٹکٹی ہوگی یعنی خلاف شریعت کرنے میں ہم اپنی ناموری سمجھتے ہیں اور اتباع شریعت کا ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری تذلیل ہوگی لوگ بھلا برا کہیں گے یہ معاشرے کے وہ امراض ہیں جو نزول قرآن کے وقت رب کریم نے ارشاد فرما دیئے کہ لوگوں کا ایک بات پہ متفق ہونا یا لوگوں کا ایک بات پہ تمہیں اچھا یا برا کہنا سبب نہیں بن سکتا کہ اسے مانا جائے بلکہ اسے اس لیے مانا جائے گا کہ یہ حق ہے اور یہ اللہ کا حکم ہے اور اگر اللہ کا حکم ہونے میں ہی کسی کو شک ہو تو پھر وہ مقابلے میں کوئی ایسی کتاب لے آئے اور وہ زور لگا کر دیکھے ساری انسانیت مل کر ایک جملہ اس کے مقابلے کا نہیں کہہ سکتی۔

یہ جو کچھ عرض کیا جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہم ان حقیقتوں کو سمجھیں اور اپنے نظریات کی اصلاح کریں، نظریات بنیاد ہوتے ہیں کردار کے اگر بنیاد ہی درست نہ ہو تو اس پر عمارت نہیں بنے گی۔ عقیدہ بنیاد ہے ذات باری کے ساتھ صفات باری کے ساتھ عظمت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور صداقت کتاب اللہ کے ساتھ حتمی یقین ہونا شرط ہے اگر اسی میں اشتباہ پیدا ہو جائے تو ساری زندگی کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے وہ اسلامی نہیں بن سکتا۔

☆ ☆ ☆

ایمانیات

سبق نمبر۴:

سورۃ ھود۔ آیات ۵۹ تا ۶۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَتِلۡكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ وَعَصَوۡا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوۡۤا اَمۡرَ

اور یہ (قوم) عاد تھی جنہوں نے (جان بوجھ کر) اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور

كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيۡدٍ ﴿۵۹﴾ وَاُتۡبِعُوۡا فِىۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا لَعۡنَةً

ایسے لوگوں کے کہنے پر چلتے رہے جو جابر (ظالم اور) ضدی تھے۔ اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے ساتھ

وَّيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوۡا رَبَّهُمۡ ؕ اَلَا بُعۡدًا

رہی اور قیامت کے دن بھی (رہے گی) دیکھو! بے شک عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا۔ خوب سن لو! رحمت

لِّعَادٍ قَوۡمِ هُوۡدٍ ﴿۶۰﴾

سے دوری ہوئی عاد کو جو ھود (علیہ السلام) کی قوم تھی۔

ان دونوں آیات میں رب جلیل نے اس قوم کا انجام بیان فرمایا ہے۔ جس نے احکام الٰہی سے من حیث القوم منہ موڑ لیا اور طاقت کی غلامی مفادات کی غلامی اور ظالم و جابر لوگوں کے ساتھ تعاون کا راستہ اختیار کیا۔ پہلے اسباق میں گزر چکا ہے کہ اللہ جل شانہ واحد ولاشریک ہے کائنات اس کی ہے اس میں اسی کا حکم جاری وساری ہے اور عبادات میں بھی خلوص کھرا پن، عجز و نیاز مندی مطلوب ہے۔ اب اس آیہ مبارکہ میں بات یہاں پہنچی کہ اگر کوئی اللہ کی نیاز مندی اختیار نہیں کرتا اگر کوئی اللہ کے سامنے عاجزی نہیں کرتا انکار کرتا ہے اور واقعات حاضرہ کے مطابق عالم اسباب کے مطابق ظاہری اور دنیوی طاقتوں کی پوجا اختیار کرتا ہے یا ان کا اتباع اختیار کرتا ہے انہیں راضی رکھنے کی کوشش کرتا ہے اس خیال سے کہ اطاعت کی بنیاد دو باتوں پر ہوتی ہے ایک جلب منفعت یعنی کسی بڑے سے کسی نفع کی امید، کسی امیر سے دولت ملنے کی امید، کسی حاکم سے کوئی رعایت ملنے کی امید اسے کہتے جلب منفعت۔ دوسری ہوتی ہے دفع مضرت کسی سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ کہ میں اس کی بات

نہیں مانوں گا تو مجھے قتل کر دے گا یا میرا گھر لوٹ لے گا یا میری بے عزتی کرے گا۔ تو آدمی دفع مضرت سے اطاعت کرتا ہے یا جلب منفعت سے اللہ کریم فرماتے ہیں کہ دونوں باتیں میرے اختیار میں ہیں۔ اگر کسی کو کوئی نقصان پہنچانا ہے مادی، روحانی یا اُخروی نقصان تو وہ میری ناراضگی سے ہو سکتا ہے دوسرا اس میں کوئی دخیل نہیں۔ اگر کسی کو کوئی نفع پہنچتا ہے آخرت کا یا دنیا کا تو وہ پہنچانا بھی میرا کام ہے اس لیے نفع کی امید بھی میری ذات سے وابستہ ہونی چاہیے اور میرے غضب سے ہی ڈرنا بھی چاہیے اب اس میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عالم اسباب میں اسباب رہتے ہوئے انسان کس طرح مافوق الفطرت ہو جائے کہ کسی چیز سے اسے ڈر بھی نہ لگے اور کسی مزدوری یا ملازمت یا کسی دفتر سے اپنی امیدیں بھی وابستہ نہ کرے تو حق یہ ہے کہ عالمِ اسباب کو جائز حدود کے اندر اختیار کرنا یہ ذات باری کے ساتھ تعلق کو چیلنج نہیں کرتا اس کی تو اللہ نے اجازت دی ہے کہ آپ نفع کی امید پہ تجارت کرتے ہیں نقصان سے بچنے کے لیے محنت کرتے ہیں یہ بات تب آتی ہے جب اللہ کے مقابلے میں ہم کسی کو اتنی اہمیت دیں کہ اللہ کا حکم نہ مانیں اور اس کا مانیں۔ اللہ کریم نے ایک کام کرنے سے روک دیا ہے لیکن کوئی دنیوی بڑی طاقت وہ کام کرنے کا حکم دیتی ہے تو ہم اس کے ساتھ اپنے نفع کی امید جوڑ کر یا اس کے خوف اور رعب سے مرعوب ہو کر اللہ کے حکم کو چھوڑ کر اللہ کے مقابلے میں جب اس کی اطاعت کریں تو یہاں بات بگڑ جاتی ہے یعنی کوئی بھی ایسی ہستی نہیں ہے دنیا میں اللہ کریم کے علاوہ

''لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق''۔ یعنی اللہ کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت کرنا یہ کلیہ کبھی قابل قبول نہیں اور یہ اتنا بڑا مرض ہے کہ آج ہماری قومی زندگی کا ایک حصہ بن چکا ہے ایک عام آدمی سے لے کر قومی زندگی تک ہم اس کا شکار ہیں۔

اگلے دن خبروں میں تھا کہ حکومت تو ڑ دی گئی صدر نے بھی استعفیٰ دے دیا، وزیر اعظم نے بھی استعفیٰ دے دیا، وزراء بھی گئے اسمبلی بھی گئی صوبائی حکومتیں بھی گئیں اور دو مہینے کے اندر اندر پورے ملک میں نئے انتخابات ہوں گے نئے لوگ چنے جائیں گے۔ تو عام آدمی کا جو تیرہ ہے اس کی جانچ کا ایک موقعہ پھر آ گیا۔ ہم گزشتہ نصف صدی سے یہ دیکھتے آ رہے ہیں کہ جن لوگوں کے مظالم سے ہم تنگ ہوتے ہیں جن کے ظلم کی شکایت کرتے ہیں جن کو ہم بڑا بے دین سمجھتے ہیں جب وقت آتا ہے انتخابات پر پھر وہی لوگ کیوں چنے جاتے ہیں۔ یہ اسمبلی ٹوٹنا کوئی بڑی بات نہیں اس لیے کہ جو لوگ اسمبلی میں ہیں یہی پھر آ جائیں گے اور نصف صدی گزر گئی اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ کیوں اس لیے کہ ہم نے اللہ کی بجائے اپنی امیدیں لوگوں سے وابستہ کر لیں ہر آدمی اپنے ذاتی مفادات ان سے وابستہ کر لیتا ہے اس بات پر وہ اپنا ووٹ ان کے حق میں استعمال کرتا ہے یا پھر کوئی ایسا غنڈہ ہوتا ہے کہ علاقے کے لوگ اس سے ڈرتے ہیں یا کوئی بہت بڑا لینڈ لارڈ ہے تو جتنے مزارعین ہیں غریب اس کی زمینداری میں رہتے ہیں وہ سارے اسے ووٹ دے دیتے ہیں، اور کوئی دوسرا رئیس ہے اس سے لوگوں کو پیسے ملنے کی

امید ہے اور عموماً میں نے یہ دیکھا ہے اور میرا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ جو لوگ ساری زندگی جرم نہیں کرتے وہ بھی ووٹ اس بندے کو دیتے ہیں جس سے انہیں یہ امید ہو کہ اگر میں جرم کروں گا تو یہ میری پشت پناہی کرے گا۔ کبھی تھانے چوکی پر جانا پڑا تو یہ کام تو آئے گا دوسرا تو مولوی سا بندہ ہے اس کی تو کسی پولیس والے نے سنفی بھی نہیں۔ اسے ووٹ دے کر کیا حاصل ہوگا۔ اب بظاہر یہ چھوٹی سی بات ہے لیکن اس میں اللہ کریم کے ساتھ ہمارے تعلقات کا معاملہ آ جاتا ہے ہم ووٹ خواہ انگریزی نظام کے تحت بنائے ہوئے اس نظام میں دیں یا کسی اسلامی یا غیر اسلامی کو دیں لیکن ووٹ کی ایک شرعی حیثیت ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جس آدمی کے حق میں ہم رائے دے رہے ہیں ہم یہ گواہی دے رہے ہیں کہ یہ آدمی دیانت دار ہے اور قومی امور میں اس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ ہمارا ووٹ اس بات کی ضمانت ہے۔ دوسری بات کہ صرف دیانتداری سے تو حکومت نہیں چلتی۔ اب ایک بہت دیانت دار آدمی ہے اسے ڈرائیونگ نہیں آتی تو اسے سٹیرنگ پر بٹھا دیں تو دیانت داری سے تو گاڑی نہیں چلے گی ڈرائیونگ ایک فن ہے جو اسے آنا چاہیے دیانت دار بھی ہو، اور ماہر ڈرائیور بھی ہو، دوسرے یہ کہ جس منصب کے لیے الیکشن لڑ رہا ہے اس کے اہل بھی ہے اس میں استعداد بھی ہے۔ اتنا اس کا علم بھی ہے اتنی اسے مہارت بھی ہے اور یہ قومی امور پر اپنی رائے دینے کا حق رکھتا ہے۔ تیسری ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ معاملات میں بھی یہ کھرا ہے کسی کا حق غصب نہیں کرے گا کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں کرے گا۔ اب جب ہم یہ گواہی دینے کے لیے جاتے ہیں تو اگر بنیاد یہ ہو کہ اس کے حق میں دی جائے جو بدمعاش ہو اور جو بدمعاشوں کی اور چوروں کی پشت پناہی کرے کہ کبھی مجھ سے بھی کوئی جرم ہو جائے کسی کے ساتھ لڑائی ہو جائے تو یہ میری تھانے میں سفارش کرے تو بتایئے کہ یہ سارا کلیہ الٹ نہ گیا۔ اب بظاہر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں کوئی بات ہی نہیں ہے کہ فلاں کے ساتھ دوستی تھی اسے ووٹ دے دیا۔ وہ دوست خواہ چور ہے، بدکار ہے، بے دین ہے، بددیانت ہے لیکن ہم نے اپنی دوستی نبھائی اس معیار کو چھوڑ دیا جو روز قیامت ہم سے پوچھا جائے گا۔

پھر ایک بہت بڑا طبقہ جس کی اکثریت اس ملک میں ہے وہ ہے دینداروں کا، شرفاء کا، نیک لوگوں کا مجھے سمجھ نہیں آتی کہ کس نے انہیں یہ تسلی دے دی ہے کہ اس میں تم حصہ ہی نہ لو جب شرفاء حصہ نہیں لیتے اور اقتدار بدمعاشوں کے پاس چلا جاتا ہے تو جتنے ظلم وہ کرتے ہیں حصہ نہ لینے والے بھی ان کو مساوی کرنے کے اتنے ہی ذمہ دار ہیں جتنے ان کو ووٹ دینے والے ذمہ دار ہیں۔ ہمارے ملک میں آج تک جتنی حکومتیں بنی ہیں تقریباً تیس فیصد لوگوں نے ووٹ میں حصہ لیا اور ستر فیصد اس سے لاتعلق رہے۔ سولہ سے بیس فیصد ووٹ لینے والی حکومتیں بھی بنی ہیں۔ تقریباً ستر فیصد لوگوں نے خود کو اس سے لاتعلق کر لیا کہ جس کی مرضی ہے حکومت کرے کہنے میں تو یہ نیکی سمجھی گئی ہم تو اس نظام سے لاتعلق ہو گئے لیکن ہمارا لاتعلق ہونا کیا بے دینوں کو اقتدار دینے کا سبب نہ بن گیا۔ اس حالات میں تو ہم پر جہاد فرض تھا یہ تو جہاد تھا کہ ہم بدکاروں کے خلاف بددیانت، بے دین اور بد اخلاق افراد کے خلاف صف آرا ہو جاتے اور کہتے کہ انہیں کسی قیمت پر اقتدار نہیں ملنا چاہیے۔ پھر بھی اگر وہ لے جاتے تو ہم اپنا

حق تو ادا کر چکے ہوتے کہ جو ہمارے بس میں تھا ہم کر گزرے آگے اللہ کی مرضی۔ تو جب سرے سے ہم آئے ہی نہیں ہم نے اپنا وہ رائے دہی کا حق ہی استعمال نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارا عمل بھی انہیں مساط کرنے کا سبب بن گیا۔

تو یہاں قوم عاد کا تذکرہ فرمایا گیا ہے جو دنیوی اعتبار سے بہت معروف بڑی نامور، بڑی بہادر، بڑی قد آور، بڑی امیر قوم تھی یعنی دنیا کے سارے اسباب اس کے پاس تھے بہت خوبصورت گھروں میں رہتے تھے لیکن انہوں نے ''جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ ''انہوں نے دیدہ دانستہ اختیار کر لیا کہ اللہ کے احکام کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ جس طرح جہاد ہوتا ہے اللہ کی اطاعت کے لیے محنت کرنا اسی طرح یہ جحدیہ جہم اور حلوے والی سے لکھا جاتا ہے اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اللہ کے حکم کو جانتے ہوئے اس کا انکار ہی نہ کرنا بلکہ اسے رد کرنے کے لیے مقابلے میں ڈٹ جانا۔ اسے کہتے ہیں کفر جحدوی ایک ہوتا کافر جو باطل کو حق سمجھ رہا ہوتا ہے اور حق کو سمجھ ہیں نہیں رہا ہوتا۔ لیکن سخت ترین قسم کفر کی یہ ہے کہ حق کو سمجھتا تو ہے کہ یہ حق ہے لیکن اسے ناکام کرنے کے لیے اسے کے مقابلے میں ڈٹ جاتا ہے اس جحد کہتے ہیں اور حق کو نافذ کرنے کے لیے محنت کرنے کو جہاد کہتے ہیں وہ ولا ہوری (ہ) سے لکھا جاتا ہے۔

تو یہاں فرمایا ''تِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ ''انہیں پتہ تھا اللہ کی آیات ہیں لیکن وہ ڈٹ گئے مقابلے میں اور انہوں نے کہا وہ اپنی من مانی کریں گے۔ اللہ کی ہیں تو ہوا کریں اور ایمان کی بات یہ ہے کہ آج قومی سطح پر ہمارا حال یہی ہے۔ کتنے مسلمان ہیں جو اس بات سے بے خبر ہیں کہ اللہ کا حکم کیا ہے ایک چرواہا جس نے سکول کا منہ نہیں دیکھا وہ بھی حلال حرام، جائز و ناجائز، پاک و ناپاک، دنیا و آخرت کی بات سن کر جانتا ہے۔ تعلیمات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنی طاقت ہے کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا انسانیت کے ذہنوں میں گونجتا رہتا ہے، آپ دور دراز کسی جنگل کے ویران گوشے میں چلے جائیں کلمے کا تلفظ صحیح نہیں ہوگا، نماز کے تلفظ صحیح نہیں ہوں گے، وضو کے مسائل کی تفصیل نہیں آتی ہوگی لیکن ایمان باللہ فرشتے، آخرت، حشر نشر، عذاب و ثواب، شرک اور اسلام میں فاصلہ، کفر اور اسلام میں فاصلہ، جھوٹ اور سچ میں فاصلہ، اللہ کی عظمت اور بندے کی احتیاج یہ ساری باتیں آپ کو جنگل میں ویرانے میں بیٹھا ہوا ان پڑھ جاہل ترین شخص بھی بتا دے گا۔ یہ کمال اس کا نہیں ہے یہ کمال اس معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ جس کے لب مبارک سے جو نکل گیا وہ انسانوں کے ذہنوں میں گونجتا رہتا ہے وہ مٹتا نہیں۔ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات انسانیت کے ذہنوں سے نکل جائیں گی اور پھر کوئی نیا نبی آئے گا۔ تو وہ اثر جو نبوت کا ہونا چاہیے جو نبی کے زمانے میں ہوتا ہے تو چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ لامحدود ہے تو وہ اثر بھی آپ کا دائمی اور لامحدود ہے۔ اب کون ایسا مسلمان ہے جسے یہ خبر نہ ہو کہ حکومت کی اہلیت کے لیے دیانتدار صاحب علم اور اس فن کے ماہر لوگ چاہیں کسی جاہل آدمی سے پوچھ لو لیکن جب وہ رائے دینے لگے گا اس معیار کو نہیں دیکھے گا اپنے تعلقات یا اپنے نفع و نقصان کو دیکھے گا۔ تو

کیا یہ احکام الٰہی کے خلاف ہم زور نہیں لگا رہے ہیں۔ انہیں روکنے کے لیے ناکام کرنے کے لیے۔ ہماری مصیبت یہ ہے کہ جہاں بھی جو آیت اس طرح کی آتی ہے ہم کہتے ہیں یہ کافروں کے حق میں ہے اور جان چھڑا لیتے ہیں۔ قرآن حکیم بات انسانیت کی اور انسانیت کے ایک ایک مرد کی کرتا ہے جو بھی ویسا کرے گا وہ خواہ کافر ہے یا خود کو مسلمان کہتا ہے وہ جو عمل بھی کرے گا اس پر جو نتیجہ مرتب ہوا وہی اس پر بھی ہوگا اور فرمایا ''وَعَصَوْا رُسُلَہ'' ۔ اور اپنے رسولوں کے اتباع سے انکار بلکہ نافرمانی کی ''وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ کُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ'' O اور ہر متکبر و سرکش کا اتباع کیا جو قوم میں تکڑے تھے۔ جو ظالم تھے، جابر تھے، ڈاکو تھے، لٹیرے تھے جن کے پاس اقتدار تھا جن کی گاڑیوں پر جھنڈے لہراتے تھے سارے ان کے پیچھے چل پڑے قوم ان کے پیچھے چلی جیسے اب۔ ہمارے تو کان پک گئے الزام سنتے سنتے کوئی کہتا ہے کہ جی اتنے کروڑ وہاں سے کھا لیا فلاں وزیر نے اتنے کروڑ وہاں سے اب بات کروڑوں کی ہے لاکھوں کی نہیں ہوتی۔ لیکن اب جب دوبارہ انتخاب آ رہا ہے تو وہی جو کروڑ پتی چور ہیں ووٹ انہی کو ہم دیں گے کیوں اس لیے کہ ہم نے بھی اللہ سے امیدیں توڑ کر اسی چوروں کے مال سے وابستہ کر رکھی ہیں کہ یہ جو کچھ لوٹتا ہے شاید کچھ بچا کھچا مجھے بھی دے دے تو ان کا رویہ ہو گیا کہ ہر تکڑے بندے ہر ظالم و جابر بندے کے ساتھ تعاون کیا جائے اس کے پیچھے چلا جائے اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو اہمیت نہ دیں۔

یہاں میں ایک بات اور عرض کرنا چاہوں گا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، حج بھی کئے ہیں، زکوۃ بھی دیتے ہیں اگر ہم نے قومی زندگی میں حصہ نہیں لیا تو کیا فرق پڑتا ہے جو کچھ میں سمجھا ہوں کتاب اللہ سے اور اللہ نے جو مجھے سمجھائی ہے بات وہ یہ ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوۃ یہ جتنی عبادات اور فرائض ہیں ان کا حاصل ہے اللہ سے تعلق۔ جتنے بندے کو سجدے نصیب ہوتے ہیں جتنے وہ روزے رکھتا ہے جتنی وہ اطاعت و عبادت کرتا ہے اس کا حاصل ہے اللہ سے تعلق۔ تعلق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عملی زندگی میں بندہ اللہ کی اطاعت اختیار کر لے۔ اگر عملی زندگی میں ہم برائی کے خلاف جہاد سے جی چراتے ہیں اور جان بچاتے ہیں تو جو مقصد ہے اس امت کی بعثت کا اسے خیر امت بنانے کا۔ ''کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ'' (العمران:110)۔ کہ تم اس لیے خیر امت ہو کہ تم دوسروں کے لیے جیتے ہو، نیکی کا حکم کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو تو ہم نیکی کا حکم بھی نہیں کرتے ہم برائی سے روکنے کے لیے بھی کوشش نہیں کرتے اور کہتے ہیں ہم نے عبادت کر لی۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہماری وہ عبادت بھی غیر مقبول ہے کہ اس سے ہم میں وہ اثر نہیں آیا کہ ہم برائی روکنے کے لیے کھڑے ہو جاتے یا نیکی پھیلانے کی کوشش کرتے۔ آپ ایک دوائی کھاتے ہیں اس سے بخار اترنا چاہیے۔ نہیں اترتا تو اس کا مطلب ہے اس دوائی سے مرض زیادہ ہے اس دوائی نے اسے فائدہ نہیں کیا آپ ایک غذا کھاتے ہیں اس سے قوت آنی چاہیے بھوک مٹنی چاہیے نہ بھوک مٹی نہ قوت آئی اس کا مطلب ہے وہ غذا ہمارے لئے ناکافی تھی اگر ہماری عبادات ہمیں احقاق حق کی جرأت نہیں دیتیں۔ نیکی پھیلانے کی جرأت نہیں دیتیں۔

بُرائی روکنے کی جرأت نہیں دیتیں تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہماری عبادات بھی بوگس ہیں ہم محض رسومات پہ چل رہے ہیں۔ باپ دادے کو اُٹھتے بیٹھے دیکھا تو ہم نے بھی اٹھنا بیٹھنا شروع کر دیا۔ حاجی صاحب کہلوانے کے لیے چھ سات دفعہ مکہ مکرمہ سے ہو آئے۔ اللہ کرے میری بات صحیح نہ ہو مجھے غلطی لگی ہو لیکن جو میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ ہماری عبادات بے جان ہیں۔ رسومات ہیں خانہ پری ہیں کیوں ان سے وہ اثر پیدا نہیں ہوتا ایک چور کو پکڑ لو تو پورے ملک کے چور جلوس نکال لیتے ہیں۔ کوئی رشوت دینے بھاگ رہا ہے کوئی سفارش کرنے کے لیے دوڑ رہا ہے کوئی سڑک پر کھڑا کھبے ہی توڑ رہا ہے کہ اسے رہا کرو۔ سارے شرفاء کو ایک ایک کر کے بے عزت کرتے رہو کوئی دوسرا شریف آدمی فریاد تک نہیں کرتا یہ تک نہیں کہتا کہ اس کے ساتھ کیوں ظلم ہو رہا ہے۔ کوئی چار شرفاء جمع نہیں ہوتے کوئی کسی کی سنتا نہیں کوئی کسی برائی کے سامنے آنا نہیں چاہتا۔ تو پھر عبادات میں کیا اثر ہے کس کام کی ہیں۔ وہ کیا حاصل ہوا بندوں سے ڈرتا ہے اپنے مفادات میں نقصان ہونے سے ڈرتا ہے۔ کسی مصیبت میں پڑنے سے ڈرتا ہے۔ اس لیے سامنے نہیں آتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے اللہ کی معیت حاصل نہیں ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی تھی بار الہا آپ کا حکم ہے فرعون کے پاس میں حاضر ہو کر اسے بات پہنچاؤں اور اس نے مجھے پہلے ہی قتل کا مجرم قرار دے کر میرے قتل کا حکم دے رکھا ہے۔ اب میں وہاں پہنچوں اور وہ میری گردن مار دے تو بات پہنچانے کی باری کب آئے گی اور وہ بڑا ظالم ہے متکبر ہے، جابر ہے، آپ جانتے ہیں تو میں عرض یہ کروں گا کہ آپ میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو اس کام پہ مامور فرمائیں۔ اسے نبی بنا دیں اور وہ بات تو کر لے گا اس کے جاتے ہی فرعون اس کی گردن تو نہیں پکڑے گا وہ اللہ ایسا کریم ہے فرمایا اچھا جاؤ ہارون علیہ السلام کو بھی نبی بنا دیا لیکن جاؤ گے تم ہی بات بھی تم ہی کرو گے اور فرعون تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اس لیے کہ "اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی" (طٰہٰ:46)۔ میں تمہارے ساتھ ہوں تم اکیلے نہیں ہو کہ فرعون جاتے ہی گردن مار دے فرعون کچھ نہیں کر سکے گا۔ اب دو بندے جن کے پاس روایتی لباس بھی نہیں ہے مفسرین لکھتے ہیں کہ بکریوں کے بالوں کا جو کمبل سا بنا جاتا ہے اس کا موسیٰ علیہ اسلام نے کرتہ پہن رکھا تھا اور کناروں پر اسے کانٹوں نے جوڑا ہوا تھا جس طرح پن (Pins) لگائی جاتی ہیں اور درمیان سے کاٹ کر اس سے سر نکالا ہوا تھا اور آگے پیچھے ٹخنوں تک لمبا تھا اور پاؤں میں جو جوتا تھا وہ کچے چمڑے کا تھا دباغت نہیں ہوئی تھی یونہی کچا چمڑا کسی جانور کا خشک کر کے اس کے تسموں سے سی کر آپ علیہ السلام نے چپلی سی بنائی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں ایک دو شاخہ لکڑی تھی یہ سارا ساز و سامان تھا اس کے پاس جو اتنے بڑے جابر و قاہر سلطان کے پاس جا رہا تھا جو کہتا تھا "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" (النزعٰت:24)۔ میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں اور جس کے چوبدار بھی سوا سوا سیر سونے کا کڑا پہن کر کھڑے ہوتے تھے دروازے پر جن کی پیٹیاں بھی سونے کی تھیں۔ تین لاکھ چھتیس ہزار تعداد بتاتے ہیں بنی اسرائیل کی کم و بیش جنہیں اس ایک شہر میں غلامی میں جکڑا ہوا تھا۔ صرف ایک شہر میں اس حکومت کی کتنی گرفت ہوگی جس کے تقریباً چار لاکھ بندے فریاد ہی نہیں کر سکتے۔ پس رہے ہیں جیسے

جیل میں قیدی ہوتے ہیں اب اس ساری طاقت کے سامنے اس ساز و سامان کا بندہ بے خطر ہو کر جاتا ہے اور فرعون کو کہتا ہے کہ میاں اللہ کی اطاعت کر لے تو بندہ ہو کر خدائی دعوے سے دستبردار ہو جا۔ کیا یہ چھوٹی سی بات ہے کیوں کہہ رہا ہے کس برتے پر اللہ نے کہہ دیا میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی معیت باری نے وہ جرأت رندانہ پیدا کر دی۔

عبادت کا حاصل معیت باری ہے تو ہمارے میں وہ جرأت کیوں نہیں آتی کہ ہم سچ کو سچ کہہ سکیں سر میدان اور جھوٹ کو جھوٹ کہہ سکیں۔ سچ کی حمایت کر سکیں، جھوٹ کی مخالفت کر سکیں، نیکی کی حمایت کر سکیں اور برائی کو روک سکیں۔ اگر ہم اس سے پہلو تہی کر جاتے ہیں کہ جی ہم ان بکھیڑوں میں نہیں پڑتے تو اس کا مطلب ہے: نہیں معیت باری حاصل ہی نہیں۔ ہم عبادت نہیں کرتے رسمیں ادا کرتے رہتے ہیں تو فرمایا قوم عاد کے پاس دنیوی اسباب تھے، بندے طاقتور تھے، ان کا فوجی نظام بڑا طاقتور تھا ان کے مکان بڑے مضبوط تھے ان کے پاس دولت بہت زیادہ تھی لیکن انہوں نے رویہ یہ اپنایا کہ احکام الٰہی کو روکنے کے لیے کوشش کرتے اور جابر و ظالم اور متکبر لوگوں کی اطاعت کرتے تو فرمایا ''وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً''۔ اللہ نے اس دنیا میں بھی ان پر لعنت مسلط کر دی۔ لعنت ہوتی ہے رحمت سے محرومی تو اللہ کریم نے اس عالم اسباب میں بھی انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیا۔ چنانچہ تباہ ہو گئے۔

''وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ'' صرف یہ نہیں کہ وہ یہاں تباہ ہو گئے ان کے خاندانوں کے خاندان اجڑ گئے۔ طوفان آیا اور سب کو اڑا کر لے گیا کچھ باقی نہ بچا صرف یہ نہیں فرمایا ''وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ'' میدان حشر کو اٹھیں گے تو پھر وہی لعنت ان پر مسلط ہو گی لعنت نے انہیں چھوڑ نہیں دیا کہ وہ مر گئے، ان کے گھر اجڑ گئے، قوم تباہ ہو گئی، ملک ویران ہو گیا اور چلو ختم نہیں۔ فرمایا جس لعنت میں گرفتار ہو کر تباہ ہوئے اسی میں تڑپتے ہوئے میدان حشر میں اٹھیں گے اسی لعنت میں گرفتار ہوں گے اور اسی طرح ملعون جہنم میں داخل ہو کر ہمیشہ ذلیل ہوتے رہیں گے۔

فرمایا ''اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ'' لوگو! غور سے سنو بیشک عاد نے اپنے پروردگار کی ناشکری کی ''اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ'' فرمایا لکھ نہ رہے عاد وا۔ ''اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ''۔ تباہ ہو گئے اہل عاد۔ قوم عاد۔ اجڑ گئی کچھ نہ بچا۔ اس کا حالانکہ وہ ہود علیہ السلام کی قوم تھی ایک نبی کی قوم تھی اور اتنا بڑا اللہ کا مقرب بندہ ان کی طرف مبعوث ہوا تھا اور خود اسی قوم کا فرد تھا لیکن اپنی قوم سے نبی کا ہونا بھی قوم کو بچا نہ سکا۔ جب انہوں نے نبی کی اطاعت ہی نہ کی نبی کے ساتھ رشتہ اطاعت ہی نہ رکھا۔

اب ہم کہتے ہیں جی روئے زمین پر جو زیادتی ہے مسلمانوں ہی کے ساتھ ہو رہی ہے ڈاکٹر اقبال نے بھی یہی کہا تھا۔

ع برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

جہاں مصیبت آتی ہے بوسنیا میں مسلمان ہی مر رہے ہیں اریٹیریا میں، فلسطین میں، ہندوستان میں، کشمیر میں اور پاکستان میں بھی مسلمان ہی مر رہے ہیں بدکار تو موج کر رہے ہیں۔ کیا یہ جسے ہم مسلمان کہتے ہیں کہیں ایسا تو نہیں اس نے

اپنے پروردگار کی اطاعت چھوڑ کر ظالموں، جابروں، متکبروں کی اطاعت اختیار کر لی ہے۔ اگر ایسا ہے تو اسے مرنا تو پڑے گا چونکہ یہ لعنت کا راستہ ہے رحمت سے محرومی کا راستہ ہے بیزاری کا راستہ ہے پھر مرنا تو پڑے گا۔ مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ہم نے تو مسلمانوں کو بڑے دور تک دیکھا ہے یہ ایسی شریف قوم ہے کہ رمضان میں روزے رکھتے ہیں تو افطاری کے لیے بیئر (شراب) کی بوتلیں ٹھنڈی کر کے ساتھ مسجد میں لے جاتے ہیں۔ مغرب میں پھر کے دیکھو بے تکلفی سے خنزیر کھاتے ہیں اور امریکہ میں جو تھوک شراب کی تجارت ہے اس کا اکثر و بیشتر حصہ مسلمانوں کے پاس ہے۔ بہت بڑے بڑے کروڑوں کے جو ڈیل کرتے ہیں وہ مسلمان ہیں اب ان کی تجارت کافروں جیسی ہوگئی ہے۔ ان کی ساری سوچ کافروں کی اطاعت پہ لگ گئی۔ مثلاً یہی کتنی بڑی بات ہے کہ اللہ نے فرمایا۔ کہ جو سود سے باز نہیں آتا اس نے میرے اور میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ بڑی سیدھی سی بات ہے قرآن حکیم میں کہ کوئی بھی شخص جو سود کے حرام ہونے کے بعد سودی کاروبار سے یا سود لینے دینے سے رکتا نہیں ہے تو اس نے اعلان جنگ کیا ہوا ہے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہم قومی سطح پر کہتے ہیں کہ سود چھوڑ دیں تو ہم زندہ ہی نہیں رہ سکتے خدا کی مرضی اس سے جو بگڑتا ہے بگاڑ لے ہم سود نہیں چھوڑیں گے۔ پھر شکوہ کس بات کا ہے کہ ہم رسوا ہیں۔ ہم قتل ہوتے ہیں۔ ہمیں تکلیف ہوتی ہے اور قوم کا ایسا دماغ خراب ہوا ہے کہ قتل ہوتے ہیں تو قاتل کے پاؤں پکڑتے ہیں یعنی جو انہیں قتل کرتے ہیں انہی کے غلام ہیں انہی کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

میر بھی کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

یعنی وہ کافرانہ نظام وہ کافر اقوام جو مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلتی ہیں جو ان کی عزت لوٹتی ہیں جو اجتماعی آبرو ریزی کرتی ہیں ان کو خوش کرنے کے لیے ساری مسلمان حکومتیں بھی کمربستہ ہیں ان کی منت کرتے ہیں کہ ہم پر مہربانی کرو لیکن ان کے مقابلے میں اللہ پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں۔

تو میرے بھائی دس دفعہ انتخاب ہوں اور پچاس حکومتیں آئیں جائیں۔ میرے خیال میں اس قوم کو ذلت اور رسوائی سے نکلنے کا راستہ نہیں ملے گا۔ جب تک یہ خود اس ذلت کے گڑھے سے نکلنے کی جدوجہد نہیں کرتی جب تک اللہ پر اعتماد اور کفر کے مقابلے میں کھڑی نہیں ہو جاتی جب تک کافر کے ساتھ یا کفر کے ساتھ سمجھوتہ ہوگا تب تک یہ ذلت اس قوم کا مقدر رہے گی نہ اسے کوئی پیر نکال سکتا ہے نہ کوئی عالم نہ کوئی سیاست دان۔ قہر خداوندی سے کون نکالے ہاں تو پیر عالم اور سیاست دان خود قہر الٰہی کا سبب بن رہے ہیں پیر کہتا ہے قرآن کا ترجمہ ہی نہ پڑھو گمراہ ہو جاؤ گے ارے کسی انگریزی کتاب سے تو نے نہیں روکا کسی بُرے سے بُرے ناول اور بُری سے بُری فحش کتاب سے نہیں روکا جن سے معاشرے میں زہر پھیل رہا ہے۔ علماء کا یہ حال ہے ماسوائے چند اللہ کے نیک بندوں کے کہ اگر عام آدمی کو عربی پڑھانا شروع کر دیں تو علماء مخالفت کرتے ہیں کہ یہ سارے خود سمجھ جائیں گے ہماری کیا وقعت رہ جائے

گی۔ علماء میں پیروں میں ایسا طبقہ آ گیا سیاست دان پہلے ہی لیٹرے تھے الا ماشاء اللہ تو یہ ہو گیا کیا۔ اور جب تک ہم میں سے ہر بندہ ''مکلف'' ہے صرف پیر، مولوی اور سیاستدان ''مکلف'' نہیں تو جو ہمارے بس میں ہے اس میں کیا ہم سچ بتاتے ہیں۔ ہم سچ پر قائم ہیں ہم اپنی رائے صحیح دیتے ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ جو ہم میں نایہ بھی گئے یہ بھی بک گئے کوئی پیروں کے ہاتھ اور انہوں نے پیروں کو پروردگار سمجھ لیا وہ سمجھتے ہیں ہمارا مرنا جینا اٹھنا بیٹھنا یہ پیروں ہی کے ہاتھ میں ہے۔ بس پیر راضی رہے باقی دیکھی جائے گی۔ نماز روزے سے بھی چھٹی ہے۔ انہیں حلال حرام کی بھی پرواہ نہیں۔ ایک بندے کی پرستش کر رہے ہیں اور وہ بندہ جسے ممکن ہے خود کلمہ بھی نہ آتا ہو اس کا تصور صرف اتنا ہے کہ وہ کسی پیر کے گھر میں پیدا ہو گیا۔

ع زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

جہاں کبھی بڑے بڑے اہل اللہ ہوتے تھے وہاں اس گدی نشینی سسٹم میں پیر کا بیٹا پیر ہو گیا۔ بیٹے کی اور کوئی کوالیفکیشن نہیں میں تو پیروں کے خلاف نہیں ہوں۔ میں پیری کے نام پر جو کاروبار ہو رہا ہے اس کی بات کر رہا ہوں۔ خود مجھے لوگ پیر کہتے ہیں اور میں پیر کہلوانا چاہتا ہوں اس لیے کہ کوئی پیر کی ''ڈیفینیشن'' بنے کہ پیر ایسا ہوتا ہے اگر ہم یہ کہیں کہ ہم تو پیر ہی نہیں ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ پیری تو انہی کے پاس رہی ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ پیر کی یہ ''ڈیفینیشن'' بھی ہو کہ پیر زندہ انسان ہوتا ہے کھاتا پیتا ہے مزدوری کرتا ہے، محنت کرتا ہے، کام کرتا ہے ''مکلف'' ہوتا ہے نماز روزے کا بھی حلال حرام کا بھی مار کھانے اور مارنے کا مکلف وہ بھی ہے۔ جہاد اس پر بھی فرض ہے ایک پیر کو پیشاب آ جائے پانچ بندے ساتھ ہوتے ہیں۔ ایک نے چھتری لگا رکھی ہے ایک نے لوٹا پکڑا ہوا ہے تین نے ڈھیمیں (مٹی کے ڈھیلے) اٹھائی ہیں۔ پیر ہے یا مصیبت ہے پیر بھی ایک انسان ہوتا ہے اور صرف یہ کہ He is a Spiritual Teacher ایک دینوی استاد ہوتا ہے ایک دینی استاد ہوتا ہے تو پیر کو آپ روحانی استاد کہہ لیں پیر چیول ٹیچر کہہ لیں Just a Teacher But he is a Spiritual Teacher ایک استاد ہے۔ میں فیصل آباد گیا۔ ایک سڑک سے گذر ہوا جس پر ایک بہت اونچا مقبرہ تھا پتہ چلا کہ انہوں نے اس لیے بنایا ہے اس میں ایک سو بیس سیڑھیاں جہاں تک مٹی بھری ہوئی ہے کہ پیر صاحب لوگوں کے مکانوں سے نیچے دفن نہ ہوں اوپر دفن کئے گئے ہیں ایک سو بیس سیڑھیاں چڑھنے تک نیچے کمرہ کوئی نہیں مٹی بھری ہوئی ہے عمارت بنا کر اس کے اوپر قبر بنائی گئی ہے۔ عجیب بات لگی شوق ہوا بھئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آرام فرما ہوں فرش خاک ہی میں یہ بندہ کہاں سے آ گیا نام پڑھا لکھا ہوا تھا امام جلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اب یہ دوسری حیرت ہوئی کہ میں نے تو آج تک امام جلوی نام کا کوئی امام سنا نہیں تھا نہ فقہ کا نہ حدیث کا نہ تفسیر کا نہ کسی شعبے کا میں نے سوچا کوئی ضروری تو نہیں کہ میں سب کو جانتا ہوں شاید امام جلوی صحابہؓ کے عہد کا کوئی بندہ ہو تو میں نے جلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پوچھا تعارف کرانے والے ساتھ کہنے لگے یہاں جلوانا ایک گاؤں ہے وہاں یہ نماز پڑھاتے تھے مسجد کے امام تھے جلوانا گاؤں کی نسبت سے امام جلوی ہو گئے اور اوپر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چپکا دیا تیسری عجیب بات یہ بتائی کہ آٹھ کلو خالص سونے کی پھول پتیاں اس مقبرے کے اندر لگی ہوئی

ہیں۔ میں نے کہا یا اللہ شرفا تو بزدل ہو ہی گئے تھے ہمارے زمانے کے تو چور بھی بے غیرت ہو گئے کہ آٹھ کلو سونا دیواروں پہ ابھی تک لگا ہوا کھڑا ہے دوسرے دن صبح میں نے ساتھیوں سے یہ کہا بھائی چلو زیارت تو کریں پھر مزید پرسش احوال ہوئی کہ یہ کیسے ہوا تو پتہ چلا کہ یہ امام مسجد ہوتے تھے جلوانے میں تو جہلاء میں پیری چل نکلی اور زیادہ بڑا مرید کوئی سردار صاحب تھے خالصہ، تو رہا بھی خالصہ۔ لیکن اتفاق سے امریکہ چلا گیا اور اس نے یہ سمجھا کہ یہ پیری کی برکت ہے امریکہ میں میں نے دیکھا ہے جتنا فٹ کام ہے مثلاً بھاری ٹرک چلانا خالصے کرتے ہیں اور بڑا پیسہ کماتے ہیں تو اس نے بے شمار پیسہ دیا اور جب دولت آئی تو پیری اور چمکی پھر انہوں نے شہر میں ایک نوجوان عورت سے شادی کر لی پنڈ والی بیوی ذرا دیہاتی قسم کی تھی نئی بیوی کے لیے شہر میں کوٹھی بنالی تو ہوا یہ کہ وہ گاؤں میں تھے اور موت آ گئی آٹھ دس سال تو گزارا چلتا رہا کہ گاؤں والے مقبرے پہ رونق رہی اور شہر والے کو وہ خالصہ پیسے بھیج دیتا تھا بالآخر اس شہر والے نے سوچا کہ زیادہ پیسے تو گاؤں والے لے جاتے ہیں لہٰذا 1964ء میں اس نے اعلان کیا کہ مجھے امام صاحب خواب میں آئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ زندگی میں میں نے ہجرت نہیں کی اس لیے مجھے اب ہجرت کرا دو یعنی مرنے کے بعد وہ پھر ''مکلف'' ہو گئے ہجرت کرنے کے اور ہجرت ہوتی ہے دارالکفر سے دارالسلام کو یہ اپنے گاؤں سے شہر آنے کو ہجرت کہہ رہے ہیں اب جب اس نے یہ شوشہ چھوڑا تو گاؤں والے لٹھ لے کر قبر پر بیٹھ گئے کہ ادھر ہو جاؤ گے اس کا سر کھول دیں گے ہم مردہ نہیں نکالنے دیں گے تو شہر والے نے لوہے کا ایک تابوت بنوالیا جسے رات کو ٹرک میں رکھ کر لے گیا اور واپس گھما پھرا کر لے آیا اور کہہ دیا کہ حضرت کو میں لے آیا ہوں اب اس لوہے کے تابوت کے لیے ایک سو بیس سیڑھیوں کا ایک تھڑا بنایا گیا جس کے اوپر مقبرہ بنا اس پر پوری ساگوان کی لکڑی لگی ہوئی ہے جس کے اوپر ساگوان کا پورا شیڈ بنا ہوا ہے سنہری سا بہت بڑا بادشاہ کے تخت کی طرح لاکھوں روپے کی لکڑی ہی ہے لاہور سے ورق کوٹنے والوں کو لاتے تھے اور وہ وہیں اندر بیٹھ کر خالص سونے کے ورق کوٹ کوٹ کر اس پر چسپاں کرتے رہتے تھے اس طرح اس میں پھول پتیاں بنی ہوئی ہیں خالص سونے کی، آٹھ کلو سونا لگا ہوا ہے اور جتنے لوگ جاتے ہیں وہ نیچے والی سیڑھی سے ہاتھ باندھ لیتے ہیں اور بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ جا کر کوئی بابے کو سلام کرتے ہیں تو بغیر بابے کے وہ تابوت ایک پوری مخلوق کا ماؤی و ملجا ہے آپ اندازہ کر لیں کہ چور بھی ڈرتے ہیں لوہے کے تابوت سے، وہ چوری کرنے وہاں نہیں جاتے۔ ایسا انحطاط کا دور آیا ہے پچھلے دنوں حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک مرید کی بات پتہ چلی حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ سلطان باہو صاحب کے ساتھ ہمارا قومی رشتہ بھی ہے ہمارے اعوان بھائی ہیں اور وہ عشق الٰہی میں بہت ڈوبی ہوئی شخصیت تھے بہت بے نظیر انسان۔ عشق الٰہی میں سمبل ہیں پھر چونکہ ایک ہی سفر کے راہی ہیں ملاقات تو رہتی ہی تھی اور رہتی بھی ہے الحمد اللہ۔ فرماتے تھے میری ایک خادمہ کی اولاد گدی نشین بن بیٹھی مجھے تو زندگی بھر شادی کی فرصت ہی نہیں ملی۔ تو میرے دل میں یہ بات تو تھی کہ انہوں نے باہر مقابر بنا رکھے ہیں تو یہ کیسے؟ مرید کہنے لگا جی دو دفعہ آپ کی ہجرت ہوئی ہے میں نے کہا آپ کے تو شیخ ہیں کیا قبر کھودی گئی اور وجود مبارک سلامت تھا یا نہیں تھا کسی نے زیارت کی یا نہیں کہنے لگا جی نہیں اس طرح نہیں کھودی گئی وہ تو ان کا

حکم تھا کہ رات کو وہاں لوہے کا صندوق رکھ دینا تو صبح جب اٹھاؤ گے تو بھاری ہوگا تو اسے دوسری جگہ دفن کر دینا تب مجھے پتہ چلا کہ انہوں نے بھی یہی فراڈ کیا ہے اور جلوی والا طریقہ آزمایا ہے۔

اب آپ دیکھیں تو لاکھوں مرد عورتیں بغیر کسی شرعی جواز کے نماز کوئی نہیں پڑھتا حلال حرام کی تمیز نہیں عورتیں غیر ہیں مرد غیر ہیں ٹرک میں جانوروں کی طرح ٹھونسے ہوئے ہیں کہاں جا رہے ہو کہ سلطان باہو صاحب جا رہے ہیں آپ کبھی جاتے ہوئے قافلے دیکھیں تو مرد عورتیں بھیڑ بکریوں کی طرح ٹرکوں میں بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

تو یہ حال ہے ہماری عقیدت کا پیروں کے ساتھ سیاست دانوں کے ساتھ جو ہمارا حال ہے جو رشتہ ہے وہ بھی معلوم ہے۔ ہم میں سے ہر ایک دنیا کے لالچ میں اقتدار کے رعب میں آ کر اور اس میں اللہ کے احکام کی پرواہ نہ حکمران کر رہا ہے نہ پیر کر رہا ہے نہ ہم کر رہے ہیں تو میرے بھائی اس کے نتائج سے ہم کیسے بچ سکتے ہیں کبھی نہیں، جب تک ہم واپس نہیں آتے اور یہ بھی یاد رہے کہ میں بھی اور آپ بھی ہم میں سے ہر ایک "مکلف" ہے کہ ہم اگر دوسرے کو نہیں سمجھا سکتے تو کم از کم اپنے وجود کو اس دلدل سے واپس لائیں اس ایک وجود کی اصلاح تو کریں اس کا معاملہ تو رب کے ساتھ کھرا کریں۔ اسے تو سود سے بچائیں جھوٹ بولنے سے بچائیں یہ ایک ووٹ تو اس بنیاد پر دیا جائے کہ اگر کوئی دیندار نہیں ہے تو جو تین چار نمائندے ہیں ان سب میں سے کم برا کون ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر دو برائیاں سامنے آ جائیں تو کم از کم بڑی برائی کو چھوڑ کر اس کے مقابلے میں جھوٹی برائی کے راستے پر تو ہو جاؤ تو اگر سب لوگ حصہ دار بنیں اور کوئی بھی نیک امیدوار نہیں ہے تو بڑے ظالم بدکاروں کی نسبت چھوٹے بدکار تو آ سکتے ہیں نا کچھ تو کمی ہو گی ظلم میں اور اگر سارے دیانت دار ووٹ دینا چاہیں تو امیدوار بھی شرفاء آ جائیں گے بلکہ امیدواروں کو دوڑ ہی کھڑا کیا کرتے ہیں۔

تو ان دو آیات مبارکہ نے انسانی رویہ کی وضاحت کر دی کہ انسانی کردار اس کے عقیدے کا مظہر ہوتا ہے اور اس کا عقیدہ نتائج کی بنیاد بنتا ہے تو اگر کوئی قوم احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتی ہے ظالموں اور کافروں کا اتباع کرتی ہے تو وہ دنیا میں بھی رسوا ہوتی ہے اور اخروی رسوائی بھی اس کے گلے پڑ جاتی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں ہمارا کیا حال ہے ایک آدمی کے والدین نہ صرف مسلمان بلکہ نیک ہوتے ہیں بیٹا کوئی نیا عقیدہ گھڑ لیتا ہے مسلمان کے گھر کافر پیدا ہو رہے ہیں کیوں اسی وجہ سے یہی بہت بڑی سزا ہے کہ کسی کا ایمان ہی چھن جائے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائے تو اللہ کریم ہمیں نیکی کی توفیق عطا فرمائیں۔ ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائیں اور ہمیں صحیح قوت فیصلہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

☆ ☆ ☆

ایمانیات

سبق نمبر۵:

سورۃ ھود۔ آیات ۸۲تا۸۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا جَعَلۡنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا

پس جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے اس (بستی) کو (الٹ کر) اوپر کا نیچے (اور نیچے کا اوپر)

عَلَیۡهَا حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ۙ مَّنۡضُوۡدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً

کر دیا اور ان پر کھنگر کے پتھر برسائے (جو) لگاتار (گر رہے تھے)۔ جن پر آپ کے

عِنۡدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ بِبَعِیۡدٍ ﴿۸۳﴾

پروردگار کا خاص نشان بھی تھا اور یہ (بستی) ان ظالموں سے کچھ دور بھی نہیں۔

جس طرح قرآن حکیم میں پہلے بیان ہوتا چلا آرہا ہے کہ انسانی کردار جب ایک خاص نہج پر پہنچتا ہے تو پھر اس کے بڑے ثمرات روکنے کے لیے انسان کے پاس کوئی تدبیر نہیں ہوتی نہ انسانی تدبیریں کام آتی ہیں۔ اللہ کریم بہت زیادہ تحمل فرماتے ہیں بہت زیادہ شفقت فرماتے ہیں انسان کو بہت زیادہ مہلت دی جاتی ہے لیکن ایک حد تک اور عموماً جس قدر یہ قومیں تباہ ہوئیں اور ان پر جتنی وعید کا تذکرہ ملتا ہے اس میں آپ کو ایک بات بہت واضح ملے گی کہ جب تک کفر کرتے رہے تب تک انہیں مہلت بھی ملتی رہی لیکن جب انہوں نے اللہ کی مخلوق پر کفر کے ساتھ ظلم کو جمع کر لیا تو ظالم کی رسی دراز نہ ہوئی یا پھر جب نبی مبعوث ہوتا ہے تو نہ ماننا ایک الگ بات ہے جو کفر ہے جیسا لوگ نبی کی بعثت سے پہلے کر رہے تھے۔ لیکن ارشادات نبوی یا تعلیمات نبوی کو روکنے کے لیے مقابلے میں آجانا یہ اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس پر مہلت بہت کم ملتی ہے اس کے لیے کھلی چھٹی نہیں دی جاتی۔

سورۃ ہود کی آیات میں دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں ایک تو یہ کہ جب ان مظالم میں لوگ گرفتار ہوئے تو ہمیشہ جتنی قوموں کا ذکر ملتا ہے اس کا نتیجہ ایک ہی رہا کہ ان پر تباہی آگئی دوسری بات یہ کہ کوئی انسانی تدبیر یا کوئی انسانی وسیلہ دولت، فوج، طاقت یا کوئی تجویز اللہ کے عذاب کو نہیں ٹال سکی۔ اس میں پہلے لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے جو بڑی سرکش قوم تھی اور انہوں نے نہ صرف یہ کہ برائی کو اعلانیہ اپنا لیا بلکہ اپنے نبی علیہ اسلام کی مخالفت اس حد تک کی کہ جب فرشتے نوجوان بچوں کی

شکل میں ان کے گھر آئے تو انہوں نے واقعی یہ سمجھا کہ یہ جوان بچے ہیں تو ان کے لیے بھی جھپٹ پڑے اور حضرت لوط علیہ السلام کی آبرو کی یا ان کی عظمت کی پرواہ تو کیا کرتے ان کے روکنے اور منت سماجت کرنے سے بھی باز نہ آئے۔ حتی کہ ان کی دعا ملتی ہے قرآن کریم میں کہ۔

"اَوْ اٰوِیْ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ○" (ھود:۸۰) کاش آج کچھ لوگ میرے ساتھ بھی ہوتے تو میں طاقت کے ذریعے تمہیں روکتا چونکہ ساری قوم ایک طرف تھی اور محض چند افراد ان کے ساتھ تھے وہ چاہتے یہ تھے کہ جہاد کر کے میں اس برائی کو روکتا تو اللہ کریم نے اپنی طرف سے گرفت بھیج دی اور انہیں حکم دے دیا کہ آپ صبح سے پہلے یہ بستی خالی کر دیں تو وہ صبح سے پہلے بستی سے اپنے ان چند لوگوں کو جو ان کا اتباع کرتے تھے لے کر باہر تشریف لے گئے۔

"فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا"۔ ایک کام تو ان کے ساتھ یہ ہوا کہ بستیاں الٹ دی گئیں۔ مفسرین نے ان کے بارے جو واقعات لکھے ہیں کہ ان کے چار بہت بڑے شہر تھے اور ایک وسیع رقبے پر ایک ایک شہر پھیلا ہوا تھا تو جب ان پر عذاب آیا تو جبرائیل امین علیہ السلام نے زمین کے نیچے تک وہ پورا خطہ جس پر ان کی قوم آباد تھی اُٹھایا اور آسمان دنیا کے اتنے قریب لے گئے جتنے سے مرغ کی اذان یا جانور کے بولنے کی آواز سنائی دیتی وہاں سے اسے جا کر الٹ دیا۔

"جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا"۔ ان کی جو اوپر کی تہہ تھی وہ سب سے نیچے والی تہہ بنا دی گئی۔ اور اس پر بس نہیں کیا گیا بلکہ اظہار غضب کے لیے جب کہ ساری آبادی تباہ ہو چکی تھی اور وہ سینکڑوں فٹ نیچے دفن ہو چکے تھے اس کے باوجود اس مٹی پر بھی آسمان سے پتھر برسائے گئے۔

"وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ مَّنْضُوْدٍ مُّسَوَّمَةً"۔ وہ خاص پتھر تھے جو ایک خاص شکل کے بنے ہوئے تھے اور جن پر ان کی شناخت تھی جیسے مہر لگی ہوتی ہے "عِنْدَ رَبِّكَ" اللہ کریم کے پاس پہلے سے تیار رکھے تھے کہ وہ عالم الغیب ہے اسے پتہ ہوتا ہے کہ کون کہاں تک جائے گا اور اس کا کیا علاج ہے قدرت باری کو اس وقت تدارک کی تجویز نہیں کرنا پڑتی کہ جب کوئی واقعہ ہوتا ہے تو پھر اللہ کے علم میں آتا ہے اور پھر اللہ اس کے لیے کوئی چیزیں بناتا ہے ایسا نہیں ہوتا بلکہ سارا نظام اپنی تخلیق سے پہلے بھی اللہ کریم کے علم میں موجود تھا موجود ہے اور جو چیز اس جہاں میں رہے یا نہ رہے علم الٰہی میں وہ باقی ہے جیسے اس کی ذات ازلی وابدی ہے ایسے ہی اس کا علم بھی ازلی وابدی ہے یہاں سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ان کی تقدیر میں تو پتھر کھانا تھا اور پہلے سے وہ چھاپہ شدہ آسمان پر پڑے تھے اور وہ بچ نہیں سکتے تھے مراد یہ نہیں کہ حکماً انہیں مجبور کر کے اس ظلم تک لے جایا گیا بلکہ یہاں علم الٰہی وسعت بتانا مقصود ہے کہ اس قوم کے پیدا ہونے سے پہلے رب کریم کو پتہ تھا کہ یہاں تک جائیں گے اور انہیں یہ سزا دی جائے گی تو وہ سزا دینے کے لیے وہ خاص پتھر بھی پہلے سے تیار رکھے ہوئے تھے یہاں یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ جو اطاعت کرتا ہے اسے بھی ناامید نہیں ہونا چاہیے کہ کوئی دیر ہو گی بلکہ اطاعت کے انعامات بھی

اسی طرح علم الٰہی میں ہو جود ہوتے ہیں اور اللہ کریم کے بارے میں اہل تشیع کے ہاں ایک عقیدہ ایجاد کیا گیا ہے اور وہ یہ عقیدہ ہے کہ جب کوئی چیز وقوع پذیر ہوتی ہے تو تب اللہ کریم کو پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ خلاف توقع ہو گیا۔ یہ عقیدہ انہوں نے کیوں ایجاد کرنا پڑا کہ جب انہوں نے خلافت راشدہ کی حقانیت کو ماننے سے انکار کیا اور دین اسلام میں نیا پن پیدا کرنے کی کوشش کی تو مجبوری ان کی یہ تھی کہ قرآن حکیم میں بھی اور قرآن سے پہلی کتابوں میں بھی ''ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ'' (الفتح:۲۹)۔ اب ان کے فضائل ان کا مقبول الی اللہ ہونا ان کا جنتی ہونا ان کا مثالی مسلمان ہونا یہ چیزیں تو قرآن میں نزول کے وقت پہلے سے موجود تھیں اور پھر پہلی کتابوں میں بھی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے پہلے قرآن تو مکمل ہو گیا خلافت بعد میں آئی تو اب اس کا انکار کیسے کیا جائے۔ اس کے لیے اہل تشیع کو یہ عقیدہ ایجاد کرنا پڑا کہ اس وقت اللہ کریم کا اندازہ ایسا ہی تھا کہ یہ ایسے لوگ ہیں لیکن بعد میں بدل گیا اس لیے اللہ نے کوئی آیت نازل نہیں کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا۔

تو یہ آیات مبارکہ اس باطل عقیدے کی بھی بڑی شدت سے تردید کرتی ہیں اور یہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے کہ اللہ کی ذات جیسے ازلی اور قدیم ہے اس کی ساری صفات ویسے ہی قدیم ہیں کوئی صفت اللہ کی ایسی نہیں ہے کہ کسی زمانے میں اس کے ساتھ نہیں تھی اور پھر اسے کہیں سے مل گئی تو اس نے وہ اختیار کر لی ایسی نہیں ہے بلکہ جیسے اس کی ذات ازلی وابدی ہے ایسے ہی اس کی صفات بھی ازلی وابدی ہیں ان آیات مبارکہ میں یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان علم الٰہی پر ہی نہ جائے۔

تو مشو مغرور بر حلم خدا دیر گیرد سخت گیرد مرترا

کہ اللہ کے حکم پر دلیر ہو کر عدم اطاعت یا کفر یا بالخصوص نبی علیہ السلام کی مخالفت میں نہیں اڑنا چاہیے۔ یہ ایسا عظیم جرم ہے کہ آپ جتنی قوموں کو دیکھیں وہ بڑے بڑے گناہ کرتی رہیں کفر میں مبتلا رہیں لیکن کوئی نہ کوئی نبی علیہ السلام مبعوث ہونے تک انہیں برداشت کیا گیا جب اللہ کا نبی آیا اور وہ اس کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوئے تو پھر انہیں مہلت نہیں دی گئی یہاں انہوں نے بھی یہی جرم کیا کہ نہ صرف اپنے نبی علیہ السلام کی توہین کی بلکہ ان کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ اور اللہ ایسا قادر ہے کہ وہ چیزوں کے اثرات کو لوگوں کے کردار کے مطابق تبدیل فرما دیتا ہے۔ کہ وہی فرشتے جو ابرہیم علیہ السلام کو خوشخبری دینے آئے وہاں سے فارغ ہو کر اگلی قوم پر عذاب نازل کرنے کا سبب بنے یعنی من جانب اللہ ایک بارش ایک جگہ پھول بھی اگا سکتی ہے اور دوسری جگہ کو غرق بھی کر سکتی ہے۔ من جانب اللہ ایک ہوا چلتی ہے اس میں کچھ لوگوں کے لیے حیات بھی ہے اور کچھ دوسروں کے لیے تباہی بھی ہے۔

تو اس کائنات کا ہر ذرہ اس کا مطیع اور اس کے دست قدرت میں ہے مخلوق سے امیدیں وابستہ کرنا صحیح نہیں بلکہ اسلام اس بات کی طرف دعوت دیتا ہے کہ بندہ اپنی امیدیں رب العالمین سے وابستہ کرے وہ قادر ہے کہ جو چیز دوسرے کو

نقصان پہنچا رہی ہے آپ کے نفع کا سبب بن جائے بجائے اس کے کہ آپ کسی غیر اللہ کی دوسری طاقت کے پیچھے بھاگیں یا دنیوی اسباب سے اس قدر بندہ وابستہ ہو جائے کہ اللہ ہی کو بھول جائے کہ سارے اسباب اس کے دست قدرت میں ہیں اور ظالموں سے اس کی گرفت کبھی دور نہیں ہوتی۔

☆ ☆ ☆

سبق نمبر ۶: سورۃ ھود

آیات ۱۰۱ تا ۱۰۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَلٰكِنۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَمَاۤ اَغۡنَتۡ عَنۡهُمۡ

اور ہم نے ان کے ساتھ زیادتی نہیں کی لیکن انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا جب آپ کے پروردگار کا حکم

اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیۡ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ

(عذاب) آپہنچا تو ان کے وہ معبود جن کو وہ اللہ کو چھوڑ کر پوجتے تھے ان کو کچھ

لَّمَّا جَآءَ اَمۡرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوۡهُمۡ غَیۡرَ تَتۡبِیۡبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَ

فائدہ نہ پہنچا سکے اور الٹا ان کو نقصان ہی پہنچایا اور آپ کے پروردگار کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے۔ جب

كَذٰلِكَ اَخۡذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الۡقُرٰی وَهِیَ ظَالِمَةٌ ؕ

بستیوں کو پکڑتا ہے اور جبکہ وہ ظلم کرتے ہوں۔ بے شک اس کی

اِنَّ اَخۡذَهٗۤ اَلِیۡمٌ شَدِیۡدٌ ﴿۱۰۲﴾

گرفت بڑی دکھ دینے والی بڑی سخت ہے۔

ان آیات مبارکہ میں بھی یہی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ"۔ یہاں قوم فرعون کا تذکرہ پیچھے سے آرہا ہے کہ ایک بہت بڑی سلطنت، اس کا ایک بہت بڑا لشکر، اس کے اتنے بڑے بادشاہ سمیت آناً فاناً پانی میں ڈبو دی گئی اور تباہ کر دی گئی اور کوئی اس کا نشان باقی نہ بچایہ کوئی معمولی حادثہ تو نہیں تھا ایک بہت بڑی قوم جو صدیوں سے حکمران تھی اور ایک خطہ زمین پر اس تسلط کے ساتھ جمی ہوئی تھی کہ ان کا حکمران خود کو خدا کہتا تھا اور دوسروں سے منواتا تھا اتنی بڑی قوم، اتنی بڑی فوجی طاقت، اتنی بڑی سلطنت کو یوں لمحوں میں تباہ کر دینا کیا نظام قدرت کی طرف سے بھی زیادتی نہیں ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں۔ کہ یہ زیادتی ہے لیکن میری یا میرے نظام کی زیادتی نہیں ہے زیادتی ضرور ہے کہ اتنا بڑا نظام، اتنی بڑی سلطنت، اتنا بڑا لشکر، اتنی بڑی فوجی طاقت کو بغیر تاخیر کے بیک آن سب کو تہہ آب پہنچا دیا گیا فرمایا "وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ" ہم نے ان کے ساتھ زیادتی نہیں کی۔

''وَلٰكِنْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ''۔خود انہوں نے اپنے ساتھ زیادتی کی انہوں نے کردار اتنا تباہ کن اپنایا اور برائی کی اس انتہا کو چھولیا کہ سارے مظالم کے باوجود اللہ نے اپنے نبی علیہ السلام سے فرمایا کہ فرعون کے پاس جائیں اور آپ ذرا سخت مزاج بھی ہیں۔وہ متکبر ہے،کافر ہے کفر پر آپ کو اور بھی بیزاری ہوگی اس کے باوجود آپ سختی سے بات نہیں کریں گے۔ ''فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا'' (طٰہٰ:۴۴)۔بڑے خوبصورت انداز میں دعوت دیں''هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى''۔تو اپنی سلطنت بھی رکھ حکومت پہ قائم بھی رہ،اپنا مال و دولت بھی رکھ،اپنا لاؤلشکر بھی رکھ لیکن ایک بات بتا۔کیا تو اپنے دل کو اپنے باطن کو پاک کرنا چاہتا ہے کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں تجھے واقعی انسان بنا دوں کیا میں تیرا تزکیہ کر دوں اور اس درجے کا تزکیہ کروں ''وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ'' تجھے میں اللہ کے روبرو کر دوں تجھے میں پروردگار عالم کے ساتھ وابستہ کر دوں۔ ''فَتَخْشٰى(النزعت:۱۹،۱۸)''اور تو اتنا اللہ کے قریب ہو جائے کہ ہر بات میں تجھے منشاباری کا خیال ہونے لگے تجھے یہ احساس ستانے لگے کہ کہیں اللہ مجھ سے خفا نہ ہو جائے یعنی تیرا اتنا قریبی تعلق ہو جائے اللہ سے کہ تو کام کرتے وقت بات کرتے وقت اللہ کو اپنے روبرو پائے اور تو اس کی مرضی کے خلاف نہ کرنا چاہے تو اپنی حکومت بھی رکھ اپنی سلطنت پر بھی قائم رہ اپنا رعب و دبدبہ بھی رکھ تیری حکومت کا زوال میرا مقصد نہیں ہے۔تمہیں تباہ کرنے کے لیے میں مبعوث نہیں ہوا ہوں میرا مقصد ہے کہ جو فاصلہ تم میں اور تمہارے خالق میں تمہارے ظلم تمہاری بدکرداری تمہارے کفر اور تمہارے تکبر کی وجہ سے آ گیا ہے میں اس سارے کو ختم کر ڈالوں۔فیصلہ تمہارا ہے خواہش تمہاری ہوگی۔یعنی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام جو تزکیہ فرماتے ہیں تو ان کی برکات تب دل میں آتی ہیں کہ جو طالب ہیں وہ بھی صمیم قلب سے اطاعت الٰہی کا فیصلہ کر لے''يُهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ'' (الشوریٰ:۱۳)جس میں انابت آ جائے اسے فائدہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے بھی ہوتا ہے جن کا بنیادی کام یہ ہوتا ہے کہ تزکیہ قلب تزکیہ باطن کر دیں اور بندہ اس قابل ہو جائے کہ وہ اللہ کے احکام کی اطاعت کرنے پہ خوش ہو اور نافرمانی اسے کڑوی لگنے لگے اسی تزکیے کا تصوف ترجمہ کر دیا گیا چونکہ عربی میں تزکیہ تھا پاکیزگی اور فارسی میں دل کی صفائی کے عمل کا نام تصوف کر دیا گیا اب ہمارے زمانے تک پہنچتے پہنچتے مصیبت یہ ہوگئی کہ تصوف کے جو دعوے دار تھے انہوں نے رسومات کا نام تصوف رکھ کے اور دنیا کمانے کے ڈھنگ کو یا لوگوں پر اپنے آپ کو مسلط کرنے کے ڈھنگ کو تمام طرح کی شعبدہ بازیوں کو تصوف کہہ دیا اور حق یہ تھا کہ انکار اس انداز سے کرتے کہ یہ طرز عمل تو تصوف نہیں ہے تصوف کا کام تو صفائے باطن ہے اور یہ کام خلاف شریعت ہے اس میں صفائے باطن تو نہیں ہوتی انہوں نے سرے سے تصوف کے شعبے ہی کا انکار کر دیا یہ انکار بھی زیادتی ہے اور تصوف کی حمایت اس کو بیچ کر کھانے والوں نے اس سے بڑا ظلم کیا کہ اس کے انکار کا سبب بن گئے تو یہاں یہ بھی بات واضح ہوگئی کہ تصوف کیا ہے۔وہی دعوت جو سب انبیاء علیہ السلام نے دی اور جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض نبوت میں سے تھا۔ ''يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ'' (الجمعہ:۲) تزکیے کے بعد تعلیم کتاب و

حکمت کی باری آئی کہ دل میں وہ استعداد پیدا ہو جائے کہ اللہ کی بات کو سمجھ تو سکے وہ شعور تو آئے اس لیے فرمایا کہ اتنی بڑی سلطنت کو بیک آن تباہ کر دینا واقعی بہت بڑا ظلم ہے لیکن فرمایا نہ میں نے کیا نہ میرے نظام نے کیا یہ ظلم انہوں نے خود اپنے اوپر کیا کہ اپنے آپ کو اس حد پر لے گئے جہاں پھل ہی تباہی کا لگنا تھا اور پھر جن کو انہوں نے خدا بنا رکھا تھا۔

''فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ''فرمایا جب اللہ کی گرفت آئی تو باطل خداان کے رتی برابر کام نہ آ سکے اتنی گنجائش بھی نہ دے سکے کہ ڈوبنے میں کچھ تاخیر ہی ہو جاتی ''مَآ اَغْنَتْ ''کوئی ذرہ برابر ان کے لیے کوئی رعایت یا کوئی سہولت کا سبب نہ بن سکے۔ ذات باری کو چھوڑ کر جن دروازوں پہ وہ جبہ سائی کرتے تھے اور جن طاقتوں کے ساتھ انہوں نے اپنی امیدیں وابستہ کر لی تھیں اور جن کے بھروسے پہ اللہ کے احکام اور اللہ کے نبی علیہ السلام کے مقابلے میں اکڑتے تھے۔ جب اللہ کی گرفت آئی تو وہ طاقتیں ان کے کچھ بھی کام نہ آئیں ''وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ''O بلکہ وہ طاقتیں ان پر مزید تباہی لانے کا سبب بنیں انہیں کوئی آرام نہ پہنچا سکیں۔

''وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِيَ ظَالِمَةٌ ''فرمایا تیرے پروردگار کی گرفت ایسی ہے جب کسی آبادی کو پکڑتا ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ گرفت آتی ان لوگوں کے ظلم کی وجہ سے ہے ''وَ هِيَ ظَالِمَةٌ ''وہ خود ظلم میں جب مبتلا ہوتے ہیں اور ظلم عربی میں کہتے ہیں ''وضع الشیء فی غیر محلہ ''کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اس کی اپنی جگہ نہیں ہے تو عقیدے سے لے کر عمل تک اور اخلاق سے لے کر کردار تک ہر چیز میں جو کام ایسا کیا جائے گا جیسا کرنے کی اجازت نہیں ہے تو وہ ظلم ہوگا چھوٹا ظلم ہے یا کوئی بڑا لیکن ہر گناہ۔ ہر نافرمانی ایک ظلم ہوتا ہے۔

اسی طرح جب کبائر کی فہرست گنی جاتی ہے کہ فلاں فلاں گناہ کبیرہ ہے تو اس کے بعد فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ گناہ کے لیے یہ لکھنا کہ صرف یہی کبیرہ ہے صحیح نہیں ہے دراصل ہر گناہ ہی کبیرہ بن جاتا ہے اگر اسے آپ مسلسل کرتے رہیں پھر اس کی مثال دی گئی ہے کہ کسی بھی کشتی میں آپ چھوٹا چھوٹا ایک کنکر پھینکنا شروع کر دیں جس کی کوئی حیثیت نہیں لیکن اگر وہ پھینکتے ہی چلے جائیں تو ایک دن اس کے غرق کرنے کا سبب ان کنکروں کا بوجھ ہی بن جائے گا۔ تو بظاہر وہ چھوٹے ہوں گے لیکن ایک دن وہی ایک پہاڑ بن جائیں گے جو اس کی تباہی اور غرق کا سبب بن جائیں گے تو اصرار علی الذنب جو ہے یعنی گناہ کو مسلسل کیے رکھنا اور اسے اختیار کر لینا یہ صغیرے کو بھی کبیرہ بنا دیتا ہے چھوٹے گناہ کو بھی بڑا کر دیتا ہے اور فرمایا'' اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ''اللہ کی گرفت بڑی دردناک بھی ہوتی ہے اور بہت زیادہ سخت بھی۔

☆ ☆ ☆

سبق نمبر ۷: سورۃ یوسف

آیات ۱ تا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝١ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا

الر۔ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی میں

عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝٢ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ

نازل فرمایا تاکہ تم سمجھ سکو۔ ہم نے جو یہ قرآن آپ کے پاس

اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ

بھیجا ہے اس کے ذریعے ہم آپ کو ایک بہت اچھا قصہ سناتے ہیں

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝٣

اور آپ کو پہلے اس کی خبر نہ تھی۔

اس سورہ مبارکہ کی پہلی آیت قرآن حکیم کی عظمت کا ایک رخ بیان فرماتی ہے "تلک ایت الکتب المبین"

○ کتاب مبین ایسی کتاب جو انسانی ضرورت کے ہر مسئلے پر روشنی ڈال کر اسے واضح کر دیتی ہے دنیا میں انسانی ضرورتوں پر انسانی ضرورتوں کو مختلف خانوں میں بانٹ کر ان پر بہت کچھ لکھا گیا ہے ہر زمانے میں ہر قوم میں ہر عہد میں ہر پڑھے لکھے شخص نے یہ کوشش کی ہے۔ بنیادی طور پر انسان کے وجود کی ضروریات اس کی روح اور روحانیات پھر اس کے نظریات اس کی سوچ اخلاقیات۔ معاملات۔ سیاسیات۔ اقتدار۔ نظم و نسق۔ خرید و فروخت پھر آگے مختلف شعبے انسانی سوچ کے بنائے گئے کہیں اس کا کوئی سائی کولاجیکل تجزیہ کیا گیا کہیں اس کے افکار کو کسی اور زاویے سے دیکھا گیا یہ بے شمار موضوع ہیں ایک ایک موضوع اپنی بہت بڑی بڑی لائبریریاں رکھتا ہے جس میں بے شمار سائنسی ایجادات اور سائنسی آلات کی مدد سے تحقیقات کی گئی لیکن اس کے باوجود کوئی بڑی سے بڑی لائبریری یہ دعویٰ نہیں رکھتی کہ اس کی رائے حتمی اور آخری ہے اس لیے کہ انسان جب مزید کرید کرتا ہے تو کوئی نئی چیز سامنے آجاتی ہے پھر آنے والے زمانے کا انسان کچھ تلاش کرتا ہے اور چند نئی چیزیں سامنے آجاتی ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ انسان ان موضوعات پر آج تک جو کچھ کرتا رہا ایسے ہی آئندہ بھی جو کچھ کرتا رہے گا لیکن کوئی رائے حتمی

اور آخری نہیں ہوگی۔ سوائے اس ایک کتاب کے کہ یہ حجم میں چھوٹی سی کتاب انسانی ضرورت کے تمام معاملات خواہ وہ عقائد سے تعلق رکھتے ہوں خواہ وہ انسان کی بدنی ضروریات سے تعلق رکھتے ہوں معاشیات ہوں، معاملات ہوں، اخلاقیات ہوں، سیاسیات ہوں زندگی کا کوئی پہلو ہو اس کی اصولی باتیں ارشاد فرما دیتی ہے اور وہ باتیں حتمی اور آخری ہیں آج تک کوئی جدید انسانی تحقیق ان کو غلط ثابت نہیں کر سکی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ الہیات کے متعلق جو موضوع ہے یا روحانیات کی جو بات ہے اس پر تو انسانی تحقیق کیا ہوگی انسان تو نزول قرآن کے چودہ سو سال بعد ساری محنت کر کے بمشکل عقلی اعتبار سے اب اس مقام پر پہنچا ہے کہ ''سائنٹیفیکلی'' وہ ماننے لگ گیا ہے کہ روح بھی کوئی شے ہے اس کا نام اگر روح بھی نہ رکھیں تو کوئی چیز انسانی جسم کے علاوہ بھی انسان میں ہے اور یہ بھی آج جب اعضاء کی پیوند کاری شروع ہوئی مثلاً ایک مرنے والے کی آنکھ کو جب کسی دوسرے زندہ انسان کے ساتھ لگایا جاتا ہے تو وہ کام کرنا شروع کر دیتی ہے جب کہ جس کی لی گئی وہ مر چکا تھا وہاں یہ کام نہیں کر رہی تھی اس کا مطلب ہے کہ مرنے والے اور زندہ میں کسی چیز کا کوئی فرق ہے کوئی ایسی چیز ہے جو سائنس کی گرفت میں نہیں آتی لیکن ہے ضرور کہ مرنے والے سے وہ چلی گئی اور زندہ میں وہ موجود ہے کہ وہی عضو جو وہاں کام چھوڑ گیا تھا وہ یہاں کام کرنے لگ گیا یعنی اس دلیل سے یہاں تک پہنچے ہیں کہ کوئی ایسی طاقت ہے جسے روح کہا جائے یا کچھ اور کہا جائے۔ لیکن قرآن حکیم نے روح کی تخلیق سے لیکر روحانیات۔ روحانی زندگی۔ موت مابعد الموت اور ابدالاباد تک کے موضوع پر اتنی واضح روشنی ڈالی ہے کہ ایک عام مسلمان موت مابعد الموت اور قیامت تک کے حالات بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ تو موضوع ہی اس کتاب کا تھا اور اس موضوع پر ہمیشہ بات ہی انبیاء علیہم السلام نے کی فلاسفہ یا سائنس دانوں کی گرفت میں یہ موضوع نہ آسکا جو موضوع سائنس دانوں کی گرفت میں تھا بھی مثلاً انسانی جسم کے متعلق جو باتیں قرآن حکیم نے کہیں چودہ سو سال بعد آج کی جدید تحقیق ان کے پیچھے ہی چل سکی اور بمشکل اگر پہنچی تو کسی نہ کسی بات کی تصدیق پر ہی پہنچی کہ یہ درست ہے کسی بات کو غلط ثابت نہ کر سکی انسانی وجود کی بناوٹ ہی کو دیکھ لیں کہ چالیس دن خون کا لوتھڑا رہتا ہے پھر وہ خون کی پھٹکی سے گوشت بنتا ہے پھر اس میں ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں وجود بنتا ہے تو جو آج سے چودہ سو سال پیشتر انسانی بدن کی تعمیر کے مدارج قرآن حکیم نے بتائے آج کی جدید سائنس بمشکل ان کی تصدیق پر پہنچی کہ ایسا ہی ہوتا ہے یہ اس بات پر دلیل ہے کہ باقی بھی جتنے موضوعات پر قرآن حکیم نے بات کی۔ ایمان تو الگ بات ہے جن لوگوں کو ایمان نصیب نہیں ہوا وہ بھی اس کی تردید نہیں کر سکتے اتنے شواہد موجود ہیں۔

تو فرمایا ''تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ''۔ یہ ایک ایسی کتاب کی آیات ہیں جو ہر موضوع پر روشنی ڈالتی ہے اسے واضح کر دیتی ہے اور ہم نے اسے عربی زبان میں نازل فرمایا مقصد یہ تھا۔ ''لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ'' O تاکہ تم زندگی کا شعور پا سکو زندگی کیا ہے زندگی کا مقصد کیا ہے اس کا مصرف کیا ہے اسے کس انداز سے گزارنا ہے اور اس کا نتیجہ کیا ہوگا یہ سمجھنا قرآن کے

نزول کا مقصد ہے جہاں تک برکات کا تعلق ہوتا ہے وہ بے شمار ہیں قرآن حکیم کو دیکھنا باعث برکت ہے قرآن حکیم کو پڑھنا سننا یہ ساری چیزیں اپنی اپنی برکت الگ رکھتی ہیں لیکن مقصد نزول یہ ہے کہ اسے سمجھا جائے اور اس انداز سے سمجھا جائے جو اس کی حیثیت ہے کہ کیسا موضوع ہر ہمارے بھی سامنے کوئی سوال پیدا ہوتا ہے تو ہم اس کو قرآن کی روشنی میں حل کریں تعلقات کا ہے یا معاملات کا سیاسیات کا ہے یا اقتدار و وقار کا یا دنیا کے کسی شعبہ زندگی کا تو قرآن کا نزول کا مقصد یہ ہے کہ ہر قرآن کو ماننے والے کے پاس ایک حتمی اور صحیح اور یقینی فیصلہ موجود ہو کہ اسے اس طرح سے کرنا ہے۔

اب ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ مسلمانوں نے دنیا بھر کے علوم تو پڑھے لیکن قرآن حکیم کو سمجھنے کی فرصت نہ پائی اور وہ طبقہ جس نے قرآن حکیم کو پڑھا یا پڑھایا وہ بڑی حد تک یکسو ہو کر اسی شعبے میں لگ گیا پھر انہوں نے عملی زندگی میں آ کر قرآنی زندگی اور قرآنی رویوں کا اظہار کرنا چھوڑ دیا جب کہ اسلام میں دینی قیادت بھی انہی لوگوں کے پاس ہوتی تھی جن کے پاس دنیوی قیادت ہوتی یا دنیوی قیادت ان کو دی جاتی تھی جن کے پاس دینی قیادت ہوتی تھی سیدنا ابوبکر صدیق کی سب سے پہلی خلافت کا انعقاد جب ہوا تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین نے یہی دلیل بنیاد بنائی تھی کہ اپنے وصال سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو اپنی جگہ جائے نماز پر کھڑا کیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ساری امت کی امامت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کی تو اب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے تو کوئی ایسی ہستی نہیں ہے کہ جو آپؓ کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت سے روک دے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو وہاں کھڑا کیا تو اب کوئی دوسرا نہیں جو دینی قیادت سے آپؓ کو روک دے اب جبکہ دینی قیادت آپؓ کے پاس ہوگی پھر دنیوی قیادت کی اس کے مقابلے میں کیا حیثیت ہے لہٰذا آپؓ کو پوری امت کی دنیوی قیادت بھی کرنا ہوگی پھر اسلامی زندگی یہ تھی کہ لاہور پشاور کراچی، کوئٹہ کے خطیب وہاں کے گورنر ہوتے اسلام آباد کا خطیب صدر پاکستان ہوتا یہ اسلامی طرز عمل تھا کہ دنیوی قیادت بھی اس کے پاس ہوتی جو دینی قیادت کا اہل ہوتا جو قرآن حکیم کو سمجھتا جو سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھتا جو سلف صالحین کے راستے سے واقف ہوتا ان کے فیصلوں سے آگاہ ہوتا اور ان کے نقوش پا پر خود بھی چلتا اور قوم کو، اس ملک کو بھی چلاتا تو اب ہمارے ہاں دینی قیادت ایک بڑی ادنی درجے کی ملازمت رہ گئی ہے جو کوئی قابل احترام ملازمت نہیں ہے بلکہ ہماری فوج میں بھی ضیاء الحق مرحوم نے ائمہ مسجد کو جے سی او کا رینک دیا اس سے پہلے نائی دھوبی کی طرح مسجد کا امام بھی ہوتا تھا۔ جسے دال روٹی لنگر سے مل جاتی تھی تھوڑا سا احترام اسے ضیاء الحق کے زمانے میں دیا گیا۔ یہی حال ہماری شہری یا دیہاتی زندگی کا ہے کہ ہم گاؤں میں محلے میں امام کو بطور کمین کے رکھتے ہیں جس طرح باقی کمین گاؤں اور محلے کے بڑوں کے تابع یا ان کے غلام کی حیثیت سے رہتے ہیں اسی طرح ایک امام مسجد بھی رہتا ہے۔

تو یہ ائمہ کا یا دین دار لوگوں کا زوال نہ تھا بلکہ من حیث القوم مسلمان قوم کا زوال ہے کسی بھی قوم کی قیادت جب رسوا

ہوتی ہے تو وہ قوم کبھی عزت نہیں پاتی کیونکہ قومی حیات قیادت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے برطانیہ میں ہم ایک دن ان کے پارلیمنٹ ہاؤس کے پاس سے گزر رہے تھے تو میں کچھ دیر رک گیا اور مجھے خیال آیا کہ یہ چھوٹا سا ملک ہے تھوڑے سے لوگ ہیں وہی ملک آج بھی ہے اس میں وہ قوم بھی ہے لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان مٹھی بھر لوگوں نے روئے زمین پر برطانوی حکومت قائم کر دی۔ کینیڈا سے لیکر افریقہ تک اور ہانگ کانگ اور چائنہ تک یعنی دنیا میں انہوں نے اتنی وسیع حکومت قائم کی کہ کہا یہ جاتا تھا کہ برطانوی حکومت پر کبھی سورج غروب نہیں ہوتا کسی نہ کسی جگہ دن ہوتا ہے۔

آج وہی ملک، وہی قوم موجود ہے لیکن خود اس جزیرے پر امن قائم رکھنا بھی ان کے بس میں نہیں رہا۔ روزانہ آئرش آرمی ایک مصیبت کھڑی کئے رکھتی ہے کبھی یہاں دھماکہ، کبھی وہاں دھماکہ، کبھی ریلوے اسٹیشن اڑ گیا کبھی یہ ہوا کبھی وہ ہوا۔ آپ نارتھ میں جائیں تو ان کا اپنا الگ سکہ ہے وہ ساؤتھ والوں کی بات نہیں سنتے بلکہ اتنی نفرت کرتے ہیں کہ نارتھ میں میں نے ایئر پورٹ والوں سے برٹش ایئر لائن کا پوچھ لیا تو انہوں نے اتنی حقارت سے اس کی بات کی کہ جیسے میں نے انہیں گالی دے دی ہو اس قدر وہ ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں ساتھ کہنے لگے کیوں رک گئے میں نے وجہ بتائی تو ایک ساتھی کہنے لگا جی بات ملک کی یا کسی خاص مکان کی یا موسم کی نہیں بات قیادت کی ہے تب ان کے پاس قیادت اچھی تھی اور اب وہ قیادت نہ رہی اور یہ بات مجھے بڑی پسند آئی کہ واقعی قوموں کا عروج وزوال ان کی قیادت کے عروج وزوال کے ساتھ منسلک ہوتا ہے اگر قیادت اسے اچھی نصیب ہو تو پوری قوم بہت اچھے حالات دیکھتی ہے اگر قیادت ہی اچھی نہ رہے۔ تو ذلت کا اندھیرا!!

جیسا کہ عالم اسلام پر نگاہ ڈالیں تو ہمارے پاس ہر فن، ہر شعبے کے لوگ ہیں لیکن دینی اعتبار سے سارے قائد آپ کو بالکل کورے ہی نظر آئیں گے اکثریت کو نماز اور وضو کا طریقہ نہیں آتا ہوگا اب جو آدمی دین سے اس قدر بیگانہ ہے وہ قوم کی قیادت بحیثیت مسلمان قائد کے نہیں کر سکتا تو جو قوم اپنی نظریاتی زندگی کھو دیتی ہے اس کے پاس دنیوی اقتدار بھی نہیں رہتا اس کا نظریہ حق ہونا یا باطل ہونا یہ دوسری بات ہے اگر نظریہ باطل بھی ہو تو نظریے پر جان دینے والے لوگ دنیوی اقتدار سنبھالے رکھتے ہیں۔ جس طرح برطانوی قوم کا نظریہ حق نہیں تھا نظریہ تو باطل تھا لیکن اس پر انہوں نے پوری وفاداری سے عمل کیا اور پوری دنیا کو اپنے زیر نگیں کر لیا۔ اب باطل نظریہ کے اخروی یا دائمی نتائج باطل ہوں گے وہاں ان کو بجائے قدر منزلت کے سزا ہوگی اور لوگوں کے ساتھ جو ان کا سلوک تھا اس کی جواب طلبی ہوگی۔

کل میں ایک فلم رپورٹ دیکھ رہا تھا جس میں ۱۸۰۳ء-۱۸۰۴ء کا زمانہ دکھایا گیا تھا جب یہ لوگ افریقہ سے انسانوں کو شکار کر کے اور انہیں زنجیروں میں باندھ کے لاتے اور یہاں کھڑے ہو کر عورتوں۔ بچوں اور بوڑھوں کی بولیاں دیتے اور لوگ انہیں گائے بھینسوں کی طرح خریدتے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس قوم کا اخلاق آج بھی یہی ہے کہ ایسا ظلم انسانیت پر جو سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ انسانوں کو شکار کیا جائے پھر انہیں رسیوں سے جکڑا جائے اور دور دراز جہازوں میں لاد کر لے جایا

جائے اور جانوروں کی طرح انہیں نیلام کیا جائے اور خریدنے والا جس طرح گدھا، گھوڑا، گائے خرید کر اس سے کام لیتا ہے اسی طرح انسان کو استعمال کرے۔ اس سب کے باوجود یہ قوم مہذب بھی کہلائے اور ان کا طرز زندگی اپنانے پر ہم اصرار بھی کریں یعنی حیرت کی بات ہے کہ ایسی ظالم ایسی بدکردار بلکہ وحشی قوم کو اہم اپنا پیشوا ہی نہ مانیں بلکہ خود کو ان جیسا ثابت کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں تو بحیثیت مسلمان ہم کس عزت کے مستحق رہ جاتے ہیں۔ یہی وہ ذلت ہے جو قومی اعتبار سے ہمارے گلے کا ہار بنی ہوئی ہے حالانکہ ہم وہ خوش نصیب قوم ہیں جن کے پاس یہ کتاب مبین یعنی ہر مسئلے کی وضاحت کرنے والی کتاب موجود ہے۔

اور اس کے نزول کا مقصد یہ ہے لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ تاکہ تم اپنی عقل کو اپنے شعور کو اپنی سوچ کو صحیح راستے سے صحیح فیصلے سے آگاہ کر سکو۔ تم خود سوچ سکو تم سمجھ سکو تم بات کو جان سکو۔ اب ہم نے محض دم درود کی یا ایک منتر کی یا قسم اٹھانے کی یا گھر میں غلاف میں رکھ کر برکت حاصل کرنے کی طرح کی چیزیں اس کتاب کے ساتھ وابستہ کر لیں جو اس کا مقصد نزول تھا اسے ہم بھول گئے۔ آج ہماری بخشیں قومی کردار میں۔ قانون سازی میں۔ اقتدار میں۔ سیاسیات میں مغربی جمہوریت کی بقا سے وابستہ ہیں جب کہ جمہوریت ایجاد کرنے والوں کا نظریہ یہ ہے کہ جمہوریت ایک ایسا دھوکا ہے جس میں مبتلا کر کے عام آدمی پر حکومت کی جاتی ہے اور اسے جھوٹا تصور دیا جاتا ہے کہ تم حکومت کے امور میں شریک ہو جیسے گھوڑے پر بیٹھا ہوا آدمی اسے کہہ دے کہ سواری تمہارا بھی حق ہے تمہاری منشا کے مطابق سوار سواری کرے گا۔ تم نہیں چاہو گے تو نہیں کر سکتا بیٹھا اوپر ہی رہے بھگاتا اسی کو رہے اور اسے یہ تصور بھی دیتا رہے کہ میں تمہاری اجازت سے ہی کر رہا ہوں حیرت مجھے اس بات پہ ہوتی ہے کہ اگر ہمارا جمہوریت کے ساتھ اتنا اتفاق ہے تو سوشلزم نے ہمارا کیا بگاڑا ہے ایک کافر کا فلسفہ جمہوریت ہے دوسرے کافر کا فلسفہ سوشلزم ہے دونوں کافروں کے طرز معاشرت ہی کی مختلف قسمیں ہیں سوشلزم میں تو جمہوریت سے زیادہ بھلائی کے آثار ہیں کہ جو اوپر آ جاتا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اتفاق سے کوئی بھلا آدمی بھی آ سکتا ہے وہ بھلے کام بھی کر سکتا ہے۔

تو اسلام میں کسی دوسرے نظریہ حیات کی ضرورت نہیں چونکہ سارے باطل ہیں انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں اور خود بنانے والے ان میں وقتاً فوقتاً مختلف تبدیلیاں کرتے رہتے ہیں اس کے باوجود وہ حتمی اور آخری اور صحیح نہیں ہوتے۔ لیکن قرآن حکیم کے جو قوانین اور اصول ہیں یہ حتمی اور آخری ہیں یہ ہر ایک کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے خواتین۔ بچے۔ غریب۔ امیر۔ طاقتور۔ کمزور ہر ایک کے حقوق کی حد متعین کر دیتا ہے ہر ایک کو اپنی حد کے اندر رکھ کر ایک پورا نظام حیات مرتب کرتا ہے اسی سورہ میں یوسف علیہ السلام کا پورا واقعہ تفصیل سے بیان ہوا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خوبصورت قصہ علم الٰہی سے بذریعہ وحی سناتے ہیں۔

وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ O نزول وحی سے پہلے اس سارے قصے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً بے خبر تھے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قصہ گو کے پاس بیٹھے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کہانی یا ناول پڑھے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سکول میں گئے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ادیب کی مجلس میں حاضری دی نہ کسی عالم یا کسی پڑھے لکھے بندے سے کچھ سیکھا تو جو بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں نہیں تھی بغیر کسی دوسرے کی مدد کے اسے جاننا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونے کی روشن دلیل ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اسی طرح روشن اور واضح ہے جس طرح اللہ کی کتاب واضح اور روشن دلیل ہے اور جس طرح قرآن حکیم احکام الٰہی بیان کرتا ہے ذات نبوی علی الصاحبہ الصلوۃ والسلام نے ایک ایک لفظ پر عمل کر کے عملی زندگی میں قرآن کی تعبیر فرمائی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانے میں جب روئے زمین پر کوئی اللہ کے نام سے واقف نہیں تھا نہ صرف مسلمان قوم تیار کی بلکہ زندگی کے تمام شعبے مرتب کر کے ایک اسلامی سلطنت قائم کر دی جسے کفر سے اتنے خطرات تھے جو اس کے بعد کسی نوزائیدہ سلطنت کو پیش نہیں آئے آپ اندازہ کریں کہ صرف مدینہ منورہ ہی میں اسلامی حکومت تھی اور اس سے باہر جزیرہ نمائے عرب سے لے کر پوری دنیا کی ہر طاقت اس کے خلاف تھی لیکن اسلامی حیات کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز حکومت کی برکت یہ تھی کہ کفر ٹوٹتا گیا اور اسلام پھیلتا چلا گیا۔

آج ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم اس طرز عمل کو چھوڑ کر کافرانہ طرز حیات اختیار کرنے پر مصر ہیں اس لیے کہ دنیا میں کفر بہت ہے اتنا کفر آج نہیں ہے جتنا اس وقت تھا آج روئے زمین پر مسلمانوں کے قبضہ میں جتنا خطہ ہے کسی ایک قوم کے قبضے میں نہیں ہے آپ صرف اسلامی ریاستوں کی ایک یونائیٹڈ سٹیٹ بنا دیں تو دنیا میں سب سے بڑی حکومتی طاقت یہی بن جائے گی۔ آپ دیکھیں کہ کہاں سے کہاں تک یہ بچپن چھپن ریاستیں پھیلی ہوئی ہیں اور دنیا کی ساری دولت ان کے پاس ہے، دنیا کے سارے غذا کے ذخائر ان کے پاس ہیں، دنیا کے بہترین خطہ زمین ان کے پاس ہے، افرادی طاقت ان کے پاس ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ علوم جدیدہ کے ماہرین بھی ہر شعبے میں مسلمان کافروں کی نسبت زیادہ ہیں اس لیے کہ ایمان کے ساتھ عقل میں زیادہ قوت آ جاتی ہے کافر وہ بات اس حد تک نہیں سیکھ سکتا جس درجے سے مسلمان سیکھ جاتا ہے تو پھر مسلمان رسوا کیوں ہے صرف ایک وجہ سے کہ ہم قرآن اور قرآنی طرز حیات، قرآنی فیصلوں کو چھوڑ کر اپنے آپ کو کفر میں ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ کوئی ایسی صورت ہو کہ ہمارا گذارا وہاں ہو جائے تو میرے بھائی جب تک ہم واپس اس کتاب مبین کی طرف نہیں آتے نظریاتی اعتبار سے بھی، کردار کے اعتبار سے بھی، اور سیاسی اعتبار سے بھی، تب تک کفر کے پنجہ استبداد سے ہمارا نکلنا کسی صورت ممکن نظر نہیں آتا۔

کفر خواہ کیسا بھی ہو وہ اسلام کا دشمن ہے ہم ایک طرح کے کفر سے نفرت کرنے لگتے ہیں دوسری طرح کے کفر سے دوستی کرنے لگتے ہیں، عجیب طرز عمل ہے پاکستان کی تاریخ میں روس سے بڑی نفرت ہے اتنا پروپیگنڈا کیا گیا کہ ہر ۱۰۰ روس

سے نفرت کرتا ہے کیونکہ یہ سوشلسٹ ہے بے دین ہے لیکن ہر پاکستانی کو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ چین ہمارا بڑا دوست ہے اور چین والے کہتے ہیں کہ اصل سوشلسٹ ہم ہیں اصل کافر ہم ہیں روس کمزور قسم کا کافر ہے۔ اس کا سوشلزم نقلی ہے یعنی ان کا کفر بھی نقلی ہے وہ کہتے ہیں اصلی کفر ہمارا ہے اور ہمارا بحیثیت پاکستانی قوم رویہ یہ ہے کہ ہم سوشلزم کی وجہ سے روس سے نفرت کرتے ہیں اور سوشلسٹ چین سے محبت کرتے ہیں اسے طلاو مادی سمجھتے ہیں کہ ہماری ہر مصیبت میں وہ کام آئے گا۔ عجیب منطق ہے اسلام کی نظر میں جیسا روس ہے ویسا ہی چین ہے تو ایک کافر سے ناراض ہو کر دوسرے کافر کی گود میں بیٹھ جانا اور جائے پناہ تلاش کرنا اپنی اسلامی بقا کو تلاش کرنے کا کوئی صحیح عمل نہیں ہے بلکہ مسلمان کو تو سارے قسم کے کفر سے آزاد ہو کر اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق چلنا ہوگا تب وہ اپنی اصل بات پہ قائم ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر قبائل کے ساتھ بھی معاہدے کئے کافروں کے ساتھ جس حد تک تعاون ممکن ہے اس کا انداز بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا صلح اور جنگ کے سارے اصول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے اگر کافروں کے ساتھ ہمیں سکھایا ہے کہ بحیثیت مسلمان ہماری اپنی حیثیت بھی قائم رہے اور جس حد تک تعلقات کی اجازت ہے اس حد تک تعلقات درست بھی رہیں اور اگر درست نہ رہ سکیں تو ہم میں وہ ہمت بھی ہو کہ ہم بحیثیت مسلمان زندہ رہ سکیں یا اسلام پر اپنی جان تو دے سکیں۔

اب تو ہمارا یہ حال ہے کہ ہم مرتے بھی ہیں تو مشکوک حالت میں اب آپ ہی سوچیے میری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آئی کہ دنیا کی چودہراہٹ کا امریکہ نے ٹھیکہ لے لیا دنیا میں جہاں جو کچھ ہوان معاملات کو سیٹل کرنا یہ امریکہ کی ذمہ داری ہے وہ پوری انسانیت کا پولیس مین بن گیا۔ جس کا کردار یہ ہے کہ ساری دنیا کو اس نے فساد میں مبتلا کر دیا ہر جگہ قتل و غارت جاری ہے افریقہ کی ایک ریاست میں عیسائی بھی لڑ رہے ہیں لیکن ایک مسلمان جرنیل نے بھی جرات کی اور اپنا ایک علیحدہ گروپ بنا لیا اور وہ ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اب اس مسلمان جرنیل کے خلاف پاکستان کی فوج جا کر بھڑ گئی وہ نیک نہ سہی لیکن ایک مسلمان کافروں کے خلاف لڑ تو رہا ہے اپنے سارے حکومتی نظام میں اپنے مسلمانوں کو دیکھیں کتنے مسلمان ہیں یہ اتنا مسلمان تو وہ بھی ہوگا کم از کم عیسائی دنیا کے خلاف برسر پیکار تو ہے آپ نے یہاں سے فوج بھیج دی انہوں نے جا کر اس کے ساتھ ٹکر لی جو مر گئے وہ شہید ہو گئے جو اس کے مرے وہ کیا ہوئے جو پاکستانی یہاں سے جا کر دنیا کے دوسرے سرے پر ایک مسلمان سے لڑ گئے اس لیے کہ امریکہ خوش ہونا چاہیے آپ نے فوج بھیجنی تھی تو بوسنیا میں بھیجتے جہاں مسلمانوں کو عیسائی قتل کر رہے ہیں۔ رات دن ذبح کر رہے ہیں آپ فوج وہاں بھیجتے ہیں اور عیسائیوں کو کہتے کہ افریقہ جا کر تم لڑو تو یہ جو شہادت ہے اس کی میری سمجھ میں بات نہیں آئی کہ یہ کیسے شہید ہیں یعنی اب جو ہمارا رویہ ہے اس نے زندگی تو در کنار ہماری موت بھی مشکوک قرار دے دی۔ جیسے جرنیل سنگھ کو کسی نے شہید کہا تھا یہی شہادت اب ہماری بھی ہوگئی کہ ہم مسلمانوں کے خلاف بلا وجہ بلا جواز کوئی ہمیں ان کی تکلیف نہیں ہے کوئی اس علاقے کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہے ہم ان کے ثالث نہیں ہیں کہ کون زیادتی کر رہا ہے کون نہیں

بلاوجہ جا کر لڑ گئے اور مارے گئے اور لڑ رہے ہیں اور مر رہے ہیں۔

تو یہ طرز عمل جو ہمارا قومی وطیرہ بن چکا ہے یا پھر مساجد کو ہم نے منڈیاں بنا لیا ہے اپنی چودہراہٹ قائم کرنے کی چندہ اکٹھا کرنے کی میں کل خبر پڑھ رہا تھا کہ ڈنمارک کی ایک مسجد میں لڑائی ہوئی چودہ بندے اتنے شدید زخمی ہیں کہ مرنے کے قریب ہیں اور انہیں گولیاں لگیں اسلحہ استعمال کیا گیا مسجد قبضے کے لیے ایک پارٹی کہتی ہے ہماری ہے دوسری کہتی ہے ہماری ہے قرآن نے تو پہلے دن سے کہا تھا۔

اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ مسجدیں اللہ کی ہیں کسی انسان کی نہیں ہیں کوئی ان کا مالک نہیں ہے اللہ کے گھر ہیں۔ ''فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا'' (الجن:۱۸) اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی بندگی یا پرستش یہاں نہیں ہوگی اگر کوئی اللہ کے علاوہ کوئی بت پوجنا چاہتا ہے یا کوئی غیر اسلامی رسم ادا کرتا ہے تو اسے روک دیا جائے گا اس لیے کہ مسجد اللہ کی ہے کسی پارٹی یا کسی جماعت کی نہیں ہے کہ ایک جماعت کہے کہ میں یہاں نماز پڑھوں گا دوسرا نہ پڑھے وہی نماز میں پڑھوں گا یہ نہیں پڑھ سکتا اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔

ہمارا یہ جو طرز عمل ہمیں قومی زندگی میں تباہی کی طرف لے جا رہا ہے اب ہمارا اگلا رویہ یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ جب ساری قوم ہی اس طرح ہوگئی تو ہم کیا کر سکتے ہیں ہماری اس میں کیا حیثیت ہے۔

ہم سب کچھ کرنے کے ''مکلف'' ہیں ہم اگر کچھ بھی نہیں کر سکتے تو اس ایک وجود کو انسانی خباثتوں سے نکال کر اتباع شریعت پر تو لا سکتے ہیں ہر آدمی کم از کم اتنا تو کر سکتا ہے کہ اپنی ایک ذات کو قرآن حکیم کے بتائے ہوئے طرز عمل کے اندر لے آئے یہ تو ہر آدمی کر سکتا ہے اپنے وجود کا تو وہ خود حکمران ہے اگر ہم یہ بھی نہیں کر سکتے تو میرے خیال میں اس قوم کی تباہی کی جو علامات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ لوگ دوسروں کو تلقین کریں گے خود عمل نہیں کریں گے آج ہمارا رویہ بھی یہی ہے کہ ہم ہر دوسرے بندے کو نصیحت کرتے ہیں اپنی باری آتی ہے تو اس نصیحت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کوشش یہ کیجئے کہ کم از کم اپنی ذات کو اپنے ایک وجود کو اس راستے پر لے آئیں کہ جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے جو دین کا راستہ ہے۔

تو جب تک ہم اپنے آپ کو اپنی پوری قومی زندگی کو قرآن کریم کے لائحہ عمل کے اندر نہیں لاتے ہمارے لئے جائے پناہ کوئی نہیں ہے اس لیے کوشش یہ کیجئے کہ دین کو محض رسم نہ بنائیے کہ ہم نے دارالعرفان میں چلہ لگایا ہم بہشتی ہو گئے ہیں اللہ کرے آپ ہی ہو جائیں لیکن ہماری عملی زندگی میں وہ کردار بھی آنا چاہیے جو اہل جنت کا ہے اور اہل جنت یہاں بھی سکون سے جیتے ہیں اگرچہ ہوتے دنیا میں ہیں لیکن ان کی زندگی کا انداز وہی جنتیوں جیسا یہاں بھی ہو جاتا ہے اور اہل جہنم بھی اس زمین میں بستے ہیں لیکن تڑپتے ''جہنمیوں'' کی طرح ہی رہتے ہیں جلتے ویسے ہی رہتے ہیں تو ہم میں سے ہر ایک اس بات کا

''مکلف'' ہے کہ ہم اس کتاب کی عظمت کو سمجھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت جو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے اسے سمجھیں اور اپنے آپ کو اس دائرہ کار کے اندر لے جائیں جو قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے متعین فرمایا ہے پھر دنیا کی کوئی بڑے سے بڑی طاقت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ لیکن اگر ہم اپنی اصل ہی چھوڑ گئے پہلے بھی اگر اپنی جگہ سے ٹل جائے تو ریزے ریزے ہو جاتا ہے کوئی بھی چیز جو اپنی جگہ چھوڑ دیتی ہے اس کی بقا ممکن نہیں رہتی۔

اللہ کریم ہمیں توفیق دے کہ اہم اس دنیا پہ اسلام کو نافذ کر سکیں اگر کچھ بھی نہ ہو تو کم از کم ہمارا یہ وجود جب بارگاہ الوہیت میں پیش ہو تو ہم یہ تو کہہ سکیں کہ اللہ تیرے اس ایک بندے پر ہم نے تیرا قانون نافذ کر دیا تھا اور اس ایک کو ہم نے اسلامی عقائد۔ اسلامی اخلاق۔ اسلامی کردار اور اسلام ہی کے فیصلوں کو حتمی فیصلہ ماننے کے قابل کر دیا تھا۔ اللہ ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے۔ آمین۔

☆ ☆ ☆

سبق نمبر ۸: سورۃ الفرقان

آیات ۱۷ تا ۱۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَیَوۡمَ یَحۡشُرُہُمۡ وَمَا یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَیَقُوۡلُ ءَاَنۡتُمۡ

اور جس روز اللہ ان کو اور جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے تھے (سب کو) جمع فرمائیں گے۔ پھر (ان سے جن کو یہ پوجتے تھے)

اَضۡلَلۡتُمۡ عِبَادِیۡ ہٰۤؤُلَآءِ اَمۡ ہُمۡ ضَلُّوا السَّبِیۡلَ ﴿۱۷﴾

فرمائیں گے، کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ (خود ہی) گمراہ ہو گئے تھے؟

قَالُوۡا سُبۡحٰنَکَ مَا کَانَ یَنۡۢبَغِیۡ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَّخِذَ

وہ عرض کریں گے آپ کی ذات پاک ہے ہماری کیا مجال تھی کہ ہم آپ کے سوا اور کارسازوں کو

مِنۡ دُوۡنِکَ مِنۡ اَوۡلِیَآءَ وَلٰکِنۡ مَّتَّعۡتَہُمۡ وَ اٰبَآءَہُمۡ

تجویز کرتے لیکن آپ نے ان کو اور ان کے بڑوں کو (خوب) نعمتیں دیں یہاں تک کہ

حَتّٰی نَسُوا الذِّکۡرَ ۚ وَ کَانُوۡا قَوۡمًۢا بُوۡرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدۡ کَذَّبُوۡکُمۡ

وہ (آپ کی) یاد (ذکر) بھول گئے اور یہ ہلاک ہونے والے تھے۔ (تو ارشاد ہوگا) تمہارے ان معبودوں

بِمَا تَقُوۡلُوۡنَ ۙ فَمَا تَسۡتَطِیۡعُوۡنَ صَرۡفًا وَّ لَا نَصۡرًا ۚ

نے تو یقیناً تمہاری باتوں کو جھوٹا ٹھہرا دیا سو اب تم نہ تو خود (عذاب کو) ٹال سکتے ہو اور نہ (کسی دوسرے کی) مدد حاصل

وَمَنۡ یَّظۡلِمۡ مِّنۡکُمۡ نُذِقۡہُ عَذَابًا کَبِیۡرًا ﴿۱۹﴾

کر سکتے ہو اور جو شخص تم میں سے ظلم (شرک) کرے گا ہم اس کو بڑے عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے۔

ان آیات مبارکہ نے اس کردار کے نتائج پہ روشنی ڈالی ہے جو عملی زندگی میں ہمیں یا کسی بھی بندے کو اس راستے پر لے جائیں جہاں اس کی امیدیں اللہ کے علاوہ کسی دوسرے سے وابستہ ہوں بے شک وہ نام سے خود مسلمان کہتا ہو یا وہ اسلام

کا انکار کرتا ہو لیکن حقیقتاً اس کی امیدیں اللہ کے علاوہ کسی اور سے وابستہ ہوں تو فرمایا کہ ایک دن آ رہا ہے حساب کا دن پڑتال کا دن زندگی بھر کے لمحات کے محاسبے اور شمار کا دن تو اس دن صرف انہی کی جواب طلبی نہیں ہوگی جو اللہ کے علاوہ کسی اور سے خود کو وابستہ کئے ہوئے ہیں اور اپنی امیدیں دوسروں سے وابستہ کئے ہوئے ہیں اور اللہ کے مقابلے میں دوسروں کی اطاعت کرتے ہیں بلکہ جن کی وہ اللہ کے مقابلے میں عبادت یا اطاعت یا پوجا کرتے ہیں ان کو بھی وہاں حاضر کیا جائے گا۔

دنیا میں سوائے اہل اللہ کے ہر بندے کو اللہ کی تقسیم پر شکوہ ہوتا ہے اور جسے اللہ کی تقسیم پر شکوہ نہ رہے اس کے ولی ہونے میں کوئی شبہ نہیں بڑی سادہ سی بات ہے ہر آدمی اپنی پہچان کو دیکھ سکتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ کچھ لوگ وہ شکوہ زبان پے لے آتے ہیں اور دوسرے ساری زندگی زبان پہ نہیں لاتے لیکن ان کے دل میں ہوتا ہے کہ میرے ساتھ یہ کیوں ہوا وہ کیوں ہوا مجھے وہ نعمت کیوں نہیں ملی مجھے یہ چیز کیوں نہیں ملی مجھے وہ مقام کیوں نہیں ملا۔ یہ شکایت رب کریم سے ہر اس بندے کو ہوتی ہے جسے اللہ مرضیات میں فنا نصیب نہ ہو جائے اگر کسی کو فنا نصیب ہو جائے تو فنا کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ اب اسے ذات باری کے سامنے لب کھولنے کی ضرورت نہیں ہے جو ہوتا ہے ہوتا رہے وہ تو ہے ہی نہیں فنا ہو گیا ہے پھر اس کا اعتراض کیا ہے اس کا وجود، اس کی رائے، اس کی سوچ اس کا کچھ ہے ہی نہیں وہ سرے سے ختم ہو گیا اعتراض کون کرے گا۔ ورنہ ہر ایک کو اللہ کریم کی عطا پہ شکوہ ہے اگرچہ اس کی نعمتیں اتنی ہیں اور بغیر کسی کے استحقاق کے۔ بغیر کسی مانگے کے دی ہیں اور مفت دی ہیں اور اپنے پاس سے دی ہیں اتنی دی ہیں کہ بندہ گن نہیں سکتا مرنے کی بات یہ ہے کہ آخرت میں یہ شکوہ کا فر کو کرنے کا موقع بھی نہیں ملے گا اگر کوئی جہنم بھی چلا گیا تو وہ یہ نہیں کہہ سکے گا کہ میرے ساتھ زیادتی ہو گئی وہ یہ کہتا رہے گا کہ میں نے زیادتی کی تھی میں بھگت رہا ہوں اس لیے کہ یہاں ہر چیز مفت دے دی گئی کسی نے شمار نہیں کیا وہاں ایک ایک لمحے کا شمار ہو گا اور بندے کو کہا جائے گا کہ ثابت کر کہ تو کس چیز کا مستحق ہے تجھے کیا دیا جائے یا جو تجھے نہیں مل رہا اس کے لینے کی تیرے پاس کیا دلیل ہے کہ تجھے وہ دیا جائے کس طرح تو اس کا مستحق بنتا ہے یا کسی کو اگر سزا ہو گی تو وہ سزا دینے سے پہلے ثابت کیا جائے گا کہ تو اس سزا کا مستحق ہے اس سے منوایا جائے گا جتنے اعتراض اسے ہوں گے اگر وہ اس کے خلاف کوئی ثبوت لانا چاہتا ہے کہ کوئی شہادت کوئی جواب دینا چاہتا ہے تو اس کو کھلی چھٹی ہو گی کہ بات کرو جو کچھ زندگی بھر تم سوچتے رہے جو کچھ تم کرتے رہے جو کچھ تم دیکھتے رہے وہ یہ لکھا ہوا جس جس سے ملے جو جو تم نے چاہا جو جو خواہش کی جو آرزو کی وہ یہ لکھا ہوا ہے جو احسانات اللہ کے تم پر تھے وہ یہ ہیں جو کچھ تم نے کیا وہ یہ ہے اب بتاؤ تمہیں کیا ملنا چاہیے کیا نہیں ملنا چاہیے۔ تو اس کی منظر کشی کی گئی ہے کہ اور تو اور اللہ کے مقابلے میں جن کی اطاعت کی جاتی ہے یا جن کی پوجا کی جاتی ہے یا جن کی عبادت کی جاتی ہے اصل ہوتا یہی ہے کہ انسان اپنی امیدیں جس ہستی سے وابستہ کر لے کہ مجھے اسی سے فائدہ ہو گا یا جس سے اس طرح ڈرنے لگے کہ یہ میرا نقصان کرے گا تو اللہ کو چھوڑ دے اور اس کی اطاعت نہ چھوڑے تو یہی غیر اللہ کی پرستش ہوتی ہے۔ فرمایا اس میدان میں ہم جہاں لوگوں کو اکٹھا

کریں گے وہاں اس سب کو بھی ہر اس بندے کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا جن کی وہ پوجا کرتا تھا اور اس بات کا فیصلہ بھی ہو جائے گا ان پر سوال کیا جائے گا جن کی لوگ پوجا کرتے تھے خواہ وہ جن ہوں یا انسان ہو۔ پتھر ہوں یا فرشتے یا انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ہوں جیسے ہمارے زمانے کے عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں یا یہودی عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں تو اسی طرح اُ رَوٹی نبی علیہ السلام کی پوجا بھی کرتا ہے تو نبی کی ذات بھی وہاں موجود ہوگی ان سے بھی پوچھ لیا جائے گا کہ یہ جو کچھ کرتے ہیں کیا آپ اس کی ذمہ داری لیتے ہیں کہ آپ نے انہیں کہا کہ ایسا کرو۔

تو فرمایا ان سے جو پوچھا جائے گا۔ ''ءَ اَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰٓؤُلَآءِ '' میرے ان بندوں کو جو مجھے چھوڑ کر تم سے امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھے تم لوگوں نے انہیں یہ راہ دکھائی تم لوگوں نے انہیں دعوت دی کہ اللہ کی ضرورت نہیں ہے تم ہمیں راضی رکھو ہم اگلا کام سنبھال لیں گے۔ ''اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ ''O یا یہ گمراہی ان کی اپنی اختیار کردہ ہے فرمایا وہ سارے ایک زبان سے کہیں گے۔

''قَالُوْا سُبْحٰنَکَ ''۔ اے اللہ تو پاک ہے یعنی تو خود جانتا ہے تو اس بات سے پاک ہے کہ کسی بات کی خبر تیرے علم میں نہ ہو یا ہمارے بتانے سے ہو جائے گا۔ تو تو پاک ہے تو خود جانتا ہے سب کچھ۔

''مَا کَانَ یَنْۢبَغِیْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِکَ مِنْ اَوْلِیَآءَ ''ہمیں تو یہ زیب ہی نہیں دیتا تھا کہ ہم اپنی جائے پناہ بھی تیرے علاوہ کسی جگہ تلاش کرتے چہ جائیکہ کہ ہم دوسروں کے لیے جائے پناہ بن جاتے یہ تو بات ہی بہت دور کی ہے۔

ہمیں تو یہ بھی زیب نہیں دیتا تھا کہ ہم اپنی امیدوں کا مرکز تیری ذات کے علاوہ کسی اور کو اختیار کرتے یا اپنی جائے پناہ تیری ذات والا صفات کے علاوہ کہیں اور تلاش کرتے ہماری تو اپنی ساری امیدیں تیری ذات سے وابستہ ہیں ہم تیرے بندے۔ تیری مخلوق۔ تیرے بنائے ہوئے ہیں۔ ہمارا علم، ہماری عقل و شعور، ہمارا ورع و تقویٰ، ہمارا وجود تیرے ہی عطا کردہ ہیں اور ہم تو تیرے بندے ہیں ہمیں تو یہ بھی زیب نہیں دیتا کہ تیرے علاوہ کہیں اور اظہار بندگی کریں چہ جائیکہ ہم کسی دوسرے کو یہ کہیں کہ تو ہماری پوجا شروع کر دے معاذ اللہ یہ تو ممکن ہی نہیں۔ وہ عرض کریں گے ولکن۔ لیکن بات یہ ہے رب کریم کہ تیرے کرم نے۔ تیری رعایتوں نے۔ تیری مہربانیوں نے۔ تیری شفقتوں نے انہیں یہ جرات دے دی ''وَلٰکِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ ''تو انہیں بھی مال و دولت، رزق، صحت اور بے شمار نعمتیں دیتا رہا جنہیں یہ نسلوں تک ENJOY کرتے رہے ان کے باپ دادا پڑ دادا تیری نعمتیں استعمال کرتے رہے کسی کو تو نے لینڈ لارڈ بنا دیا کسی کو بہت بڑا سلطان بنا دیا کسی کو بہت بڑا پہلوان بنا دیا کسی کو بہت بڑا شاعر اور ادیب بنا دیا بے شمار نعمتیں کھانے کی، پہننے کی، رہنے سہنے کی، استعمال کی انہیں دی اب انہیں انعامات تو تیری طرف سے ملتے رہے اور انہیں سزا کا کوئی خوف نہ رہا نہ انہیں کسی نے پوچھا پھر آپ نے فرما دیا کہ اب جب تک زندگی ہے تمہارے پاس مہلت ہے تو یہ دلیر ہو گئے۔

"حَتّٰی نَسُوا الذِّکْرَ" حتی کہ انہیں تیری یاد ہی بھول گئی اتنا پیٹ بھرا انہوں نے کہ تیری یاد ہی ان کے دلوں سے نکل گئی ان کے دلوں پر غفلت چھا گئی تیرا نام تیری یاد ان کے دل و دماغ میں نہ رہی انہیں یہ خیال ہی نہ رہا کہ یہ ساری نعمتیں جو کر رہے ہیں تو یہ وجود کس کا ہے، یہ ہاتھ پاؤں یہ اعضاء و جوارح کس نے دیے ہیں، ان میں قوت کس نے دی ہے، یہ پیٹ بھرنے کو نعمتیں کون دے رہا ہے یا حکومت و اقتدار کس کی عطا ہے یا طاقت و جوانی کہاں سے آئی، یہ علم و ادب یہ دانش ہمیں کس نے دی ہے۔ تو تیری یاد ہی بھول گئے۔

"وَکَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا" O اور یہی ان کی تباہی کا سبب تھا جو پیشانی تیرے دروازے پہ نہیں جھکی یہ تو قانون فطرت ہے وہ پھر ہر دروازے پہ جھکتی ہے، جس دل میں تیری یاد نہیں آتی دل میں غیر اللہ کا بسیرا ہوتا ہے یہ تو قانون ہے فطرت کا جس طرح فضا اور ماحول خالی نہیں رہتا آپ ایک طرح کی ہوا یا گیس ایک جگہ سے سک کر لیں وہاں دوسری قسم کی آ جائے گی فضا میں خلا نہیں رہے گا۔ کوئی نہ کوئی چیز وہاں موجود رہے گی اسی طرح انسانی قلوب اور انسانی مزاج میں خلا نہیں رہتا یا الٰہی نکال دیں تو شیطان کا بسیرا ہوگا وہاں بری یادیں ہوں گی، بری سوچیں ہوں گی، کفر ہوگا، معصیت ہوگی، تکبر ہوگا، اپنی بڑائی کا وہم ہوگا، خالی تو نہیں رہتا۔

تو فرمایا بار الہا تیری نعمتیں کھا کھا کر یہ لوگ اکڑ گئے تجھ سے انعامات اور دولت حاصل کر کے تجھی کو بھول گئے اور یہی ان کی تباہی کا سبب بن گیا۔ فرماتے ہیں کتنا کرم ہے اللہ کا کہ یہاں زندہ موجود دار عمل میں بیٹھے ہوئے بندے کو وہ واقعات بالتفصیل بتائے جا رہے ہیں جو قیامت کو پیش آئیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندے کو موقع دیا جا رہا ہے کہ یہ اتنا خطرناک راستہ ہے یا اتنے خطرناک کام جو ہیں ان سے بچ کے چل اور خود اپنی تباہی کے پاس نہ جا پھر بندوں سے کہا جائے گا۔

"فَقَدْ کَذَّبُوْکُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ" میاں اب تو جن سے تمہیں امیدیں وابستہ تھیں انہوں نے تمہیں جھوٹا کر دیا۔ اب تو زندگی جن کے لیے تم نے ہار دی زندگی بھر جن کی خوشامدیں کرتے رہے، زندگی بھر اپنے نفع و نقصان کی امیدیں جن پہ رکھی وہی تمہیں جھوٹا کر رہے ہیں کہہ رہے ہیں کہ یہ از خود کرتے رہے ہم نے تو انہیں نہیں کہا تھا کہ ہم تمہارے کسی کام آئیں گے۔

"فَمَا تَسْتَطِیْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا" فرمایا بندہ اتنا بے بس ہو جائے گا کہ اس کے پاس نہ تو کوئی پناہ گاہ ہوگی جو اسے عذاب سے یا اللہ کی گرفت سے بچا سکے اور نہ اس کے پاس کوئی ایسی دلیل ہوگی کہ جس کی مدد سے وہ اپنے آپ سے عذاب کو دور رکھ سکے اب عذاب کو ٹالنے کی کوئی صورت ان کے پاس ہوگی اور نہ ہی کوئی ان کی مدد کرنے کو آئے گا جن سے مدد کی امید تھی اور جس امید پہ زندگی ہار گئے انہوں نے بھی انکار کر دیا۔

ان آیات مبارکہ نے وہ نتائج ارشاد فرمائے اور کتنا خوش نصیب ہے مسلمان کہ سچی خبر، اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات آخری دن تک اس کے پاس موجود رہیں گے اور لحہ بہ لحہ جسے یاد دہانی کرائی جاتی ہے اللہ

کے بندے روئے زمین پر جسے پڑھتے رہتے ہیں، بیان کرتے رہتے ہیں، مسلمانوں کو بتاتے رہتے ہیں، اس کے باوجود اگر ہماری قوم کا قبلہ کفر کی خوشامد ہو اگر ہمارا قومی قبلہ غیر اللہ کی رضامندی ہو اور عجیب بات ہے کہ من حیث القوم ہم دین کو آخرت کو اللہ کی طاقت کو بھولے ہوئے ہیں۔ الا ماشاء اللہ جو اللہ نے کسی کو ذاتی طور پر یا افرادی طور پر اپنی ذات سے وابستہ کر رکھا ہے یہ اس کا احسان ہے قومی اعتبار سے آج بھی ہمارا قبلہ یہ ہے کہ دنیائے کفر کی طاغوتی طاقتیں ہم پر مہربان رہیں باقی ہوتا رہے گا۔ مسلمانی اپنی جگہ ہے ٹھیک ہے دین اپنی جگہ ہے آخرت دیکھی جائے گی حکومت حاصل کرنے کے لیے باری باری لوگ امریکہ کا سفر کرتے ہیں فوجیں وہاں لڑائی جاتی ہیں جہاں امریکہ لڑنے کو کہتا ہے سونا جاگنا اٹھنا بیٹھنا سارا کفر کی رضا مندی کے لیے اور کفر کو راضی کرنے کے لیے ساری محنت ہو رہی ہے۔ نظام سلطنت سے لے کر نظام تعلیم تک علم عام زندگی کے معمولات تک کھانے پینے تک حتی کہ ہماری شکلیں ہمارے حلیے تک بھی اس بات پہ دلالت کرتے رہتے ہیں کہ ہم سے کافر طاقتیں راضی رہیں خوش رہیں یہ ضروری نہیں کہ کوئی مٹی کا بت آگے رکھ کے اس کو پوجا جائے اصل بات یہ ہے کہ کسی بھی طاقت سے خود کو ایسا وابستہ کر لیا جائے کہ اللہ کی نافرمانی ہوتی رہے اور اس کی پرواہ نہ کی جائے لیکن اس طاقت کی خوشامد کی جائے اسے راضی رکھنے کی کوشش کی جائے یہی تو ایمان کے منافی ہے اور یہی سب سے بڑا شرک ہے۔

میدان حشر میں کافر طاقتیں بھی، کافر افراد بھی، شیاطین بھی، پتھر بھی، رشتے بھی، اللہ کے نیک بندے بھی، اللہ کے علاوہ کوئی جس کی پوجا کرتا تھا سب حاضر ہوں گے اور وہاں تو شیطان بھی جب لوگ اس پر الزام دھریں گے۔ کہے گا بارالہا مجھے ان سے بات تو کرنے دے یہ جو بھی آتا ہے کہتا ہے شیطان نے مجھے گمراہ کر دیا میں تو ٹھیک تھا تو اس کے لیے آگ ہی کا منبر بنا دیا جائے گا جس پر کھڑا ہو کر سب سے کہے گا کہ دیکھو تمہارے پاس اللہ کی کتاب، اللہ کا کلام، اللہ کا وعدہ، اللہ کی نبی علیہ الصلوۃ السلام موجود تھے اور وہ تم سے سچ کہتے تھے میں تم سے جھوٹ بولتا تھا اور تمہیں پتہ تھا کہ میں شیطان ہوں اللہ نے مجھے رد کر دیا ہے اور میں تم سے جھوٹ بول رہا ہوں میں تمہارا بھلا نہیں چاہتا میں تمہیں غلط راستے پر لے جا رہا ہوں اب تم وہ لوگ ہو جنہوں نے حق کو چھوڑ کر سچائی کو چھوڑ کر جھوٹ کو اپنایا۔

''فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ'' (ابراہیم:۲۲) مجھے برا نہ کہو ''وَ لُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ'' (ابراہیم:۲۲) اپنے آپ پر ملامت کرو شرم نہیں آتی ——— یعنی شیطان بھی بندے سے روبرو آ کر بات کرے گا کہ میرے ذمے نہ لگا اپنے اعمال کو خود بھگت میں نے تجھے غلط راہ دکھائی لیکن مجھے یہ طاقت نہیں تھی کہ میں تجھے پکڑ کر اس پر لے جاتا دوسری طرف تجھے نبی علیہ السلام بھی تو حق کی طرف بلا رہا تھا یہ فیصلہ تیرا تھا کہ تو نے حق کو چھوڑا اور جھوٹ کو اختیار کیا تو تو مجھ سے بھی برا ہے یہ ہیں وہ نتائج جو میدان حشر میں سامنے آئیں گے۔

پہلی آیات مبارکہ میں ایمان کے وہ اثرات بیان ہوئے جو دار دنیا میں جو عملی زندگی میں پیش آتے ہیں کہ انسان کی

عبادات میں خشوع وخضوع آجاتا ہے اور اللہ کے ساتھ حضوری نصیب ہوتی ہے اور فضولیات سے بچنے کا اہتمام آجاتا ہے اور یہ نتائج جو میدان حشر میں ہوں گے یعنی عدم ایمان جہاں ہوگا تو وہاں بندے کو کوئی راستہ کوئی سبیل اپنی برات کی نہیں ملے گی اور دنیا کی طرح نہیں بلکہ وہاں میدان میں روبرو حساب کر کے ہر چیز تول کر بندے کو اس طرح دیا جائے گا کہ پھر وہ یہ نہیں کہتا پھرے گا کہ مجھے یہ نہیں ملا وہ نہیں ملا۔ ہاں یہ کہے گا کہ میں نے وہ بھی ضائع کر دیا میں نے یہ بھی ضائع کر دیا یہاں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہمیں ملنا چاہیے تھا۔ ہمارے ساتھ بڑی زیادتی ہوگئی۔ میرا باپ مر گیا میرے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی میری اولاد کوئی نہیں ہوئی۔

مجھے پرسوں ایک خط ملا کہ جی میں ساری پونجی لگا بیٹھا ہوں اور میری ابھی تک کوئی اولاد نہیں۔ بھئی تمہیں کیا تکلیف ہے پیدا کرنا اس کا کام ہے اپنے بندے پیدا کرے اس کی مرضی تم کون ہوتے ہو پونجی خرچ کر کے بندے پیدا کرانے والے اولاد دے دے اس کی نعمت ہے نہیں دیتا تو اولاد نہ ہونا کوئی ایسی بیماری تو نہیں کہ بندہ گھر بار بیچ کر اس پر لگا دے یہ تو اس کی اپنی تقسیم ہے اگر مومن ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اس نے مخلوق بنانے سے پہلے فیصلہ کر دیا تھا جسے جب چاہے گا پیدا کرے گا۔

ایران کا حکمران ساری زندگی بیویاں بدلتا رہا اللہ نے اولاد نہیں دی اسے بڑا دکھ تھا میرے پاس بڑی حکومت ہے اور اس کا وارث کوئی نہیں اللہ نے اولاد دے دی اور حکومت لے لی اب ان وارثوں کو رہنے کی جگہ نہیں ملتی۔ اس کا اپنا ایک نظام ہے سلطنت تمہارے باپ کی ہے کہ اس کے وارث تلاش کرتے پھرتے ہو سلطنت اس نے فرمایا میری ہے اور اسی حکمران کو لوگوں نے دیکھا کہ دفن کے لیے دو گز زمین دینے کو کوئی ملک تیار نہیں تھا کہ ہمارے ہاں اسے دفن نہ کیا جائے کہاں گئی وہ سلطنت جس کے وارث تلاش کرتا پھرتا تھا اب وارث دنیا میں دھکے کھاتے پھرتے ہیں سلطنت تو کیا رہنے کے لیے ٹھکانہ بھی ان کے پاس نہیں اس کا اپنا نظام یہ کیا طریقہ ہے کہ آپ نے زمین کو ٹھے پیچ کر اس بات پہ لگا دیا تمہاری اولاد ہوگی تو وہ کوئی نبی پیدا ہو جائے گا یا اس کا آنا ضروری ہے ورنہ دنیا نہیں سنبھلی گی۔ جو دیتا ہے الحمدللہ، جسے نہیں دیتا اس کی مرضی کم از کم خدائی کا حق تو اس کے پاس رہنے دو کہ کسے پیدا کرنا ہے کسے نہیں کرنا کسے صحت دینی ہے کسے بیمار کرنا ہے دعا کا حق بندے کے پاس ہے فیصلے کا حق اس کے پاس ہے مالک وہ ہے یہ تو اس کا کرم ہے کہ جو بھی چاہو مانگنے کی اجازت اس اس نے دے دی ورنہ اگر اس پہ بھی پابندی لگا دیتا کہ تم کون ہوتے ہو مانگنے والے، میں مرضی سے دوں گا تو نہ مانگنا ہی عبادت بن جاتی یہ تو اس کا احسان ہے کہ اس نے مانگنے کی اجازت تو دی کہ ہر چیز مانگو ہر وقت مانگو ہر لمحے مانگتے ہی چلے جاؤ لیکن اس پہ جان لڑا دینا کہ ایسا ہو کر ہی رہے گا۔ تو میں نے انہیں یہی لکھا کہ میاں اتنا شدت سے تم اصرار کر رہے ہو پہلے یہ تو سمجھو کہ تم کون ہو اور بندے پیدا کرنا کس کا کام ہے پھر بات آگے چلے گی۔

تو اللہ کریم نے اپنا احسان فرماتے ہوئے دو طرح کے نتائج سے آگاہ فرما دیا کہ محض دعویٰ کوئی حیثیت نہیں رکھتا ایمان کے دنیا میں عملی زندگی پر یہ اثرات ہوتے ہیں اور نتائج مابعد الموت۔ برزخ میں میدان حشر میں یہ ہوں گے۔ اب اللہ کی دی ہوئی توفیق سے ہمارے پاس فرصت ہے وقت ہے ہم دار عمل میں ہیں تو اللہ کریم ہمیں توفیق دے کہ جو کوتاہی جو کمی ہے اسے دور کریں اور محنت کریں اللہ سے دعا بھی کریں اور اللہ کو یاد بھی کریں اور اللہ کی یاد کو اپنے دل میں بٹھالیں کہ اس کی عظمت کو بھول جانا ہی ساری کوتاہی کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

☆ ☆ ☆

سبق نمبر۹: سورۃ القصص

آیات ۶۳ تا ۶۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

قَالَ الَّذِیۡنَ حَقَّ عَلَیۡہِمُ الۡقَوۡلُ رَبَّنَا ہٰۤؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ

تو جن لوگوں پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو چکا کہیں گے اے ہمارے پروردگار! یہ وہی لوگ ہیں جن کو

اَغۡوَیۡنَا ۚ اَغۡوَیۡنٰہُمۡ کَمَا غَوَیۡنَا ۚ تَبَرَّاۡنَاۤ اِلَیۡکَ ۫

ہم نے گمراہ کیا تھا ہم نے ان کو ویسا ہی گمراہ کیا تھا جیسا ہم خود گمراہ تھے ہم آپ کی طرف متوجہ ہو کر

مَا کَانُوۡۤا اِیَّانَا یَعۡبُدُوۡنَ ﴿۶۳﴾ وَقِیۡلَ ادۡعُوۡا شُرَکَآءَکُمۡ

ان سے بیزار ہوتے ہیں (اور) یہ ہمیں نہیں پوجتے تھے۔ اور ارشاد ہوگا اپنے شریکوں کو بلاؤ

فَدَعَوۡہُمۡ فَلَمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَہُمۡ وَرَاَوُا الۡعَذَابَ ۚ لَوۡ

چنانچہ وہ ان کو پکاریں گے تو وہ ان کو جواب بھی نہ دیں گے اور (اس وقت) یہ لوگ عذاب (اپنی آنکھوں

اَنَّہُمۡ کَانُوۡا یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۶۴﴾ وَیَوۡمَ یُنَادِیۡہِمۡ فَیَقُوۡلُ مَاذَاۤ

سے) دیکھ لیں گے اے کاش! (دنیا میں) یہ لوگ راہ راست پر ہوتے۔ اور جس دن ان (کافروں) سے پکار

اَجَبۡتُمُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۶۵﴾ فَعَمِیَتۡ عَلَیۡہِمُ الۡاَنۡۢبَآءُ یَوۡمَئِذٍ

کر پوچھیں گے تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا؟ تو وہ اس روز تمام مضامین سے اندھے ہو جائیں گے پھر

فَہُمۡ لَا یَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۶۶﴾ فَاَمَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ

وہ آپس میں بھی پوچھ نہ سکیں گے۔ پس جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک کام کیئے

صَالِحًا فَعَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ مِنَ الۡمُفۡلِحِیۡنَ ﴿۶۷﴾

تو امید ہے کہ وہ (آخرت میں) فلاح پانے والوں میں ہوں گے۔

یہ آیات مبارکہ انسان کی اس روش کو دعوت فکر دیتی ہیں جو عموماً ہر معاشرہ اپنا لیتا ہے جیسا کہ آج کل ہمارے اسلامی معاشرے نے اپنا لیا ہوا ہے۔ وہ روش یہ ہے کہ دنیا میں مالدار لوگ یا صاحب اقتدار لوگ جس طرح سے رہتے سہتے ہوں ہر بندہ اس روش کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ بغیر یہ دیکھے ہوئے کہ ان کا رویہ صحیح بھی ہے یا نہیں جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا ہوا ہے وہ درست ہے یا غلط محض بڑے لوگوں جیسا بننے کا شوق ان جیسی صورت بنانے کی فکر اور اپنے آپ کو ان میں شمار کرنے کا جذبہ لیکن حق یہ ہے کہ اتباع ان لوگوں کا کیا جائے جو اہل حق ہوں جو اپنی بات نہ کہتے ہوں بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بتاتے ہوں۔ رب جلیل نے میدان حشر کا حال بیان فرمایا ہے اور مسلمانوں پر اس کا اتنا بڑا احسان ہے کہ عالم امر سے لے کر عالم حشر تک کے واقعات قرآن کریم مسلمانوں پہ کھول دیتا ہے جو رویے ہم آج اپنا رہے ہیں ان کا کیا نتیجہ میدان حشر میں ہوگا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جب قیامت کو لوگ اکٹھے ہوں گے اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کا راستہ چھوڑ دیا اور دوسروں کو خوش کرنے کے لیے زندگی بھر کوشش کرتے رہے یا ان جیسا بننے میں کوشاں رہے تو ان سے کہا جائے گا کہ آج مشکل وقت میں وہ معاشرہ یا وہ لوگ یا وہ افراد جن کی اطاعت تم میرے مقابلے میں کرتے تھے۔ میری بات کو چھوڑ کر جن کی بات تم مانتے تھے وہ کہاں ہیں۔ لاؤ انہیں میدان میں آج مشکل وقت ہے آج وہ تمہاری مدد کریں آج وہ تمہارے رویے کا کوئی جواز ثابت کریں آج وہ تمہارے اعمال پر کوئی دلیل پیش کریں تو وہ لوگ جنہیں عام آدمی اپنا پیشوا بنا لیتا ہے یا ان جیسا بننے کی کوشش کرتا رہتا ہے کہ وہ گمراہ اور کافر تھے تو ان پر تو پہلے عذاب متحقق ہو چکا ہوگا تو وہ کفار بولیں گے یا اللہ ان لوگوں کی آپ بات کر رہے ہیں کہ انہیں ہم نے گمراہ کیا۔

''اَغْوَیْنٰهُمْ كَمَا غَوَیْنَا'' ہم نے انہیں پکڑا نہیں تھا بلکہ جس سمت ہم چل رہے تھے انہوں نے ہمارے پیچھے چلنا شروع کر دیا جیسے ہم راہ بھولے ہوئے تھے ہم غلطی پر تھے ہم نے کفر اپنا رکھا تھا ہم انبیاء علیہم السلام کا اتباع نہیں کرتے تھے ہم تیرے احکام کی پرواہ نہیں کرتے تھے خود گمراہ تھے انہوں نے ہمارے پیچھے چلنا شروع کر دیا تو انہیں گمراہ ہی ہونا تھا اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں بات تو ان سے کی جائے گی جو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا طریقہ چھوڑ کر، ان کا حکم چھوڑ کر، ان کی سنت چھوڑ کر، کافروں جیسا بننا چاہتے ہیں بات تو ان سے ہوگی کہ آج انہیں بلاؤ اگر تو تم نے نبی علیہم السلام کا اتباع کیا ہوتا تو آج تمہاری بات تمہارا نبی علیہ السلام کرتا کہ یا اللہ یہ کام انہوں نے میرے کہنے سے کیا ہے اور میں نے انہیں تیرے حکم کے مطابق یہ کام کرنے کا کہا تھا پھر تو بات صاف ہو جاتی اب تم نے انبیاء علیہ السلام کو چھوڑ کر جن لوگوں کے پیچھے چلنے کی کوشش کی جنہیں میرے برابر اہمیت دی کہ میرا حکم چھوڑ دیا اور ان کا حکم مانا تو اب بلاؤ انہیں۔ تو اللہ فرماتے ہیں کہ پیچھے چلنے والوں سے پہلے وہ کفار پکار اٹھیں گے۔ ''حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ'' جن کا فیصلہ ہو چکا ہوگا وہ کہہ دیں گے یا اللہ آپ ان لوگوں کی بات کرتے ہیں یہ تو گئے گزرے لوگ ہیں انہوں نے تو آنکھیں بند کر کے ہمارے پیچھے چلنا شروع کر دیا ان کی کیا

اہمیت ہے اور جب ہم خود گمراہ تھے یہ بھی گمراہ ہو گئے۔

"تَبَرَّاْنَآ اِلَیْکَ "ہم ہزار مجرم سہی، ہم کافر سہی، ہم بدکار سہی، لیکن ان کے گناہوں کا بوجھ ہم پر مت لاد دیئے ہم ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ تیری بارگاہ میں ہم ان کے ذمہ دار نہیں ہیں ہم نے انہیں نہیں کہا تھا کہ ہمارے پیچھے چلو ہم نے انہیں یہ نہیں کہا تھا کہ تم ہم جیسے ہو جاؤ ہم نے انہیں نہیں کہا تھا کہ جو چیز ہم کھاتے ہیں وہ کھاؤ! حلال حرام کی تمیز نہ کرو، یا سود کھاؤ یہ خود ہمارے پیچھے چلنا ضروری سمجھتے تھے۔" مَا کَانُوْٓا اِیَّانَا یَعْبُدُوْنَ O" یہ ہماری اس طرح عبادت نہیں کرتے تھے کہ ہم نے انہیں کہا ہو کہ ہماری بات مانو بلکہ یہ خود ہم جیسا بننے کی کوشش کرتے تھے۔

"وَ قِیْلَ ادْعُوْا شُرَکَآءَکُمْ "۔اور جو لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے یا اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت کرتے تھے یا کسی سے امیدوار تھے ان سے کہا جائے گا کہ تم خود پکار کر دیکھ لو جن کی بات مانتے رہے اللہ کی بات چھوڑ کر اگر کسی کے کہنے پر آپ نے اللہ کی بات مانی تو وہ بندے کی بات تو نہ ہوئی بات تو رب کریم کی ہوئی، جس طرح نبی علیہ الصلوۃ السلام کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے یا وہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہم تک پہنچاتے ہیں ان کی اطاعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے اور اللہ کی اطاعت ہے لیکن اگر کوئی اپنی بات منواتا ہے تو فرمایا پھر اسے بلاؤ "فَدَعَوْھُمْ "۔تو وہ لوگ پکاریں گے پر جواب دینے والا کوئی نہیں ہوگا "فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَھُمْ "میدان حشر میں ایسا کوئی نہیں ہوگا جو ان کی بات کو قبول کرے "وَ رَاَوُا الْعَذَابَ "اور نتیجہ یہ ہوگا کہ انہیں اپنے سامنے سوائے عذاب کے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ تو ارشاد ہوتا ہے۔"لَوْ اَنَّھُمْ کَانُوْا یَھْتَدُوْنَ O" پھر اس وقت لوگ کہیں گے ہم نے بہت برا کیا۔ کاش ہم زندگی میں سیدھا راستہ اختیار کرتے۔ کاش ہم دنیا میں ہدایت کا راستہ اپناتے کاش ہم اس وقت اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانتے پھر ان سے پوچھا جائے گا رب کریم ان پہ سوال کریں گے۔

"وَ یَوْمَ یُنَادِیْھِمْ "۔اس دن انہیں سے کہا جائے گا "مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِیْنَ O" اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میں نے انبیاء علیہ السلام کو تمہارے پاس بھیجا تم نے کیا جواب دیا سادہ سی بات ہے اس میں کوئی ایچ پیچ نہیں کہ پوچھا یہ جائے گا کہ تمہارے پاس میرا رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہنچا میری کتاب لایا میرے احکام لایا "مَاذَآ اَجَبْتُمْ "تم نے کیا جواب دیا۔

"فَعَمِیَتْ عَلَیْھِمُ الْاَنْبَآءُ "تو اس دن انہیں کوئی ثبت بات نظر نہیں آئے گی۔ میدان حشر میں ایک تماشا اور ہوگا یہاں لفظی ترجمہ "فَعَمِیَتْ "اندھے ہو گئے "عَلَیْھِمُ الْاَنْبَآءُ "خبروں سے۔ اب تجربہ کی جاتی ہے دیکھی تو نہیں جاتی لیکن میدان حشر میں یہ ہوگا کہ باتیں دیکھی جائیں گی ہر عمل کی ایک صورت ہوگی ہر بات کی ایک شکل ہوگی یہاں ہم سنتے ہیں کہ فلاں نے چوری کی لیکن وہاں چوری کی ایک شکل ہوگی یہاں ہم سنتے ہیں کہ فلاں نے شرک کیا ہے لیکن وہاں شرک "منشکل "ہوگا۔ یہاں سنتے ہیں فلاں نے حج کیا لیکن وہاں حج کی ایک شکل ہوگی اس طرح روزے کی ایک صورت ہوگی

یعنی میدان حشر میں ہر نیکی کی بھی صورت ہوگی اور ہر بدی کی بھی صورت ہوگی اور اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں اللہ کریم نے اپنے بندوں کو بھی یہ علم دے دیا ہے ہمارے پاس بے شمار علوم ایسے ہیں مثلاً شارٹ ہینڈ دیکھ لیجئے اس میں کیا ہوتا ہے مختلف لائنز اور ڈاٹس ہوتے ہیں ان سے وہ لفظ ''متشکل'' ہوتے جاتے ہیں اور شارٹ ہینڈ لکھنے والا فور اًلائنیں لگاتا جاتا ہے اور بعد میں ساری عبارت پڑھ لیتا ہے حالانکہ ہوتی ٹیڑھی میڑھی لکیریں ہی ہیں، اس طرح ٹیلی گراف کوڈ کا سسٹم تھا یعنی آوازوں کو متشکل کرنے کی ایک صورت انسانوں کو بھی اللہ نے تعلیم دے دی ہے تو وہاں قدرت باری سے ہر عمل کی ایک صورت بن جائے گی۔ تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی اطاعت نہیں کی اس دن انہیں کوئی بھلی صورت نظر ہی نہیں آئے گی۔ جیسے اندھے کو دنیا میں کچھ نظر نہیں آتا اسی طرح ان کے پورے اعمال میں کوئی دیکھنے کے قابل صورت ہوگی ہی نہیں اور نہ انہیں کوئی سمجھ آئے گی تو پھر اس مشکل ترین صورت حال کا حل کیا ہے قرآن حکیم فرماتا ہے۔

''فَاَمَّا مَنْ تَابَ'' زندگی میں اگر کوئی توبہ کرلے اپنے رویے پہ نظر ثانی کرے آپنے آپ کو دیکھے کہ وہ کیا کر رہا ہے اس کے عقائد کیسے ہیں اس کے اعمال کیسے ہیں اس کا کردار کیا ہے ''وَاٰمَنَ'' اپنے عقیدے کو درست کرے ویسا عقیدہ اختیار کرے جو میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دیا ہے ''وَعَمِلَ صَالِحاً'' اور اعمال میں اصلاح کرے تو بکا یہ مطلب نہیں ہے کہ محض زبان سے توبہ کہہ دے توبہ کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے اپنی کوتاہی کا اقرار کرے اور عقیدہ درست کرے اور اپنے عمل کو شریعت کے مطابق بنائے۔

''فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ O'' تو یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ کامیاب ہو جائے یعنی موت سے پہلے تک کامیابی ہمارے دائرہ امکان میں ہے ہم اسے اختیار کرسکتے ہیں، اپنا سکتے ہیں اس طرف جاسکتے ہیں لیکن جب زندگی کی مہلت ختم ہوگی تو ہر وہ فعل ہر وہ رویہ ہر وہ نظریہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ سے متصادم ہوگا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے ہٹ کر ہوگا وہ تباہی کے کے علاوہ کچھ نہیں دے گا۔ زندگی چند روزہ ہے اور دیکھا یہ گیا ہے کہ ہمیں یہ خواہش ہوتی ہے کہ لوگ، دوست، رشتہ دار، دشمن، اپنے پرائے مجھے بہت بڑا آدمی سمجھیں میری بہت زیادہ اہمیت ہو اس کے لیے ہم مختلف حلیے، مختلف لباس اپناتے ہیں مختلف اخراجات کرتے ہیں، مختلف طریقے سے دعوتیں اڑاتے ہیں شادیوں پہ اسراف ہوتا ہے محض اپنی شہرت اپنے آپ کو منوانے کے لیے حتیٰ کہ شادی تو درکنار اب تو فوتیدگی کی صورت میں بھی نمائش کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا جاتا حالانکہ مرنے والے کو زیادہ ضرورت ہوتی ہے کہ شرعی طریقے سے اس کا سارا کام کیا جائے کہ اس کی نجات کا سبب بنے تو یہ ساری باتیں اسلام سے دور لے جانے والی ہیں اسلام اپنی بے بسی سے آگاہ ہونے اور اللہ کی عظمت کا اقرار کرنے کا نام ہے اپنے آپ کو منوانے کا نہیں بلکہ ایسے کام کرنے کا جن سے اللہ کی عظمت اور اس کی بڑائی ظاہر ہو اور اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلانے کا نام دعوت ہے اپنی طرف بلانے کا نہیں اگر ہم حلیہ بھی بنانا چاہیں تو ہمیں انبیاء علیہم السلام کی نقل

کرنی چاہیے اگر ہم نظریہ اپنانا چاہیے تو وہ ہمیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لینا چاہیے اور اگر ہم عمل کرنا چاہیں تو اس کا بہترین راستہ بھی یہ ہے کہ ویسا کیا جائے جیسا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔ ہمارے ہاں رواج ہو گیا ہے کہ ہم غربی اقوام جیسا یا دنیا کی گمراہ قوموں جیسا بننے میں فخر سمجھتے ہیں تو قرآن حکیم اس پر بروقت متنبہ فرما رہا ہے کہ اللہ قیامت کو ان کفار سے بھی پوچھے گا کہ تمہارا فیصلہ تو ہو گیا کہ جہنم جاؤ گے تو یہ جو لوگ تمہیں پوجتے رہے تمہارے پیچھے چلتے رہے تم جیسا بننے کی کوشش کرتے رہے ان کی بھی کوئی بات تو کرو آخر یہ تم جیسا بننے کے لیے محنت کرتے رہے تو وہ کہیں گے بارالہا ہم ان کے ذمہ دار نہیں ہیں یہ ایسے بدنصیب لوگ ہیں کہ یہ تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کہا چھوڑ کر ہمارے پیچھے چل پڑے ہم تو خود گمراہ تھے تو انہیں ہم سے ہدایت کہاں نصیب ہوتی انہیں بھی گمراہ ہی ہونا تھا اس لیے ان کا بوجھ ہم پر مت ڈال۔

تو یہ اللہ کا احسان ہے کہ قیامت تک کے حالات کو زندگی میں اسوقت مطلع فرما دیتا ہے جب انسان کے پاس توبہ کی فرصت موجود ہے۔ اب سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ہم زندگی میں اس رستے کو اپنا لیں جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے وہی کامیاب انسان ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کر لیا اور جو اس سے محروم رہا ہو ہر حال میں ناکام ہے اگر اس نے دولت کما بھی لی تو چھوڑ جائے گا اگر اس کے پاس حکومت و سلطنت ہے تو بھی چلی جائے گی اور اس کے لیے وبال جان ثابت ہو گی دولت دنیا صرف جائے گی نہیں ایک ایک پائی کا حساب بھی دینا ہو گا دولت تو یہاں رہ جائے گی لیکن دولت کا جو مقدمہ اور اس کے اثرات ہیں وہ ہمارے ساتھ جائیں گے حکومت و سلطنت تو یہاں رہ جائے گی لیکن اس کی جواب طلبی وہاں بھی ہو گی۔ تو جو کام ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں کرتے ہیں وہ باعث انعام ہے وہ کام کیوں نہ کئے جائیں جو یہاں سے ساتھ بھی جائیں گے جو ہماری نجات کے ضامن بھی ہوں گے اور عزت بھی انہی کاموں میں ہے جن میں اللہ کی رضا ہے۔ عزت اللہ کے لیے ہے۔ عزت کا مستحق اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور وہ بندے جو ایمان لاتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

سبق نمبر ۱۰: سورۃ الانفال

آیت ۴۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِیۡتُمۡ فِئَةً فَاثۡبُتُوۡا وَ

اے ایمان والو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور

اذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۚ﴿۴۵﴾

اللہ کا ذکر کثرت سے (بہت زیادہ) کرو تاکہ تم کامیاب رہو۔

ایک فطری عمل ہے کہ کوئی بھی کام کیا جائے تو اس کا ایک ردعمل بھی ہوتا ہے کوئی چیز اس کے مخالف بھی ہوتی ہے اگر آپ روشنی کریں گے تو تاریکی کو بھاگنا ہوگا لیکن تاریکی طاری کرنے والی قوتیں روشنی کو بھگانے کی کوشش بھی کریں اگر آپ کسی جگہ نیکی کی اشاعت کرنا چاہتے ہیں تو برائی سے وابستہ بے شمار لوگوں کو بھی ایک نقصان اٹھانا ہوگا کیونکہ ان کے کچھ معاشی مفادات یا کچھ سیاسی مفادات یا کوئی ذاتی مفادات اس برائی سے وابستہ ہوں گے اور آپ اس طرح سے خیال نہ کریں کہ میں چونکہ نیکی کر رہا ہوں لہٰذا ہر کوئی اسے قبول کرلے گا جو طاقتیں برائی سے وابستہ ہیں ان کا ردعمل بھی بڑا شدید ہوگا آپ برائی کو مٹانا چاہتے ہیں تو تو کچھ لوگ نیکی کے مٹانے کے لیے کھڑے ہو جائیں گے۔ یہ اس فطری عمل اور اس کے ردعمل کا معاملہ ہے۔ اسی طرح جب آپ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں جب آپ زندگی کے سارے ضابطے اور زندگی کے سارے اسالیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیتے ہیں تو بے شمار ادارے، بے شمار حکومتیں، بے شمار ازم، بے شمار تہذیبیں، بے شمار آدمی کے بنائے ہوئے قوانین اتنی ساری قوتیں آرام سے سر نیچے کر کے چلی تو نہیں جائیں گی۔ آپ اگر کسی ویرانے میں ایک شہر بسانا چاہتے ہیں تو آپ یہ امید رکھیں کہ ہر درندہ ہر موذی جانور یہ سمجھے گا کہ یہ اچھا کام کر رہا ہے میں یہاں سے چلا جاؤں نہیں وہ مقابلہ کرے گا وہ وہیں رہنے پر اصرار کرے گا وہ آپ کو ڈسنے کی آپ کو کاٹ کھانے کی آپ کو بھگانے کی کوشش کرے گا۔ پھر اپ کو وہاں ثابت قدمی سے مقابلہ کرنا ہوگا۔

یہ جو اسلام کے لیے ہمارے ہاں ایک تصور پیدا ہو گیا ہے کہ یہ مشکل ہے یہ نہیں ہو سکتا، مشکل کا تصور اسلام میں نہیں ہے اسلام میں ناممکن کا تصور ہے اللہ نے ایک آدمی کو ایک کام کرنے کی استعداد ہی نہیں دی جسمانی یا ذہنی طور پر تو اس کا وہ

''مکلف'' نہیں ہے ایک آدمی کی ٹانگیں ہی نہیں ہیں تو اس کے لیے نماز میں کھڑا ہونا فرض نہیں ہے وہ اس کا ''مکلف'' نہیں ہے یا ایک آدمی بیماری کے باعث کھڑا نہیں ہو سکتا تو نماز میں قیام فرض ہے لیکن اس کے لیے فرض نہیں ہے لیکن یہ کہنا کہ بار بار کھڑا ہونے سے تھک جاؤں گا ایک صحت مند آدمی تھکے گا ضرور جب اسے بار بار کھڑا ہونا ہوگا لیکن تھکاوٹ عذر نہیں ہے بیماری عذر ہے، اسی طرح سے کسی امر کا انسان کی دسترس سے باہر ہونا ایک عذر ہے لیکن مشکل ہونا کوئی عذر نہیں۔ ہم جس ماحول میں جی رہے ہیں اس میں ہم نے یہ رویہ اپنا رکھا ہے کہ ہمیں کوئی مشکل نہ پیش آئے کوئی ہم سے ناراض بھی نہ ہو اور اگر اسلام نافذ ہو جائے تو بڑی بات ہے اور اگر کچھ کرنا پڑے تو پھر مشکل ہے اللہ کریم نے ایک اصول ارشاد فرمایا کہ جب کبھی بدی کی جگہ نیکی، کفر کی جگہ دین، بگڑے ہوئے معاشرے کی جگہ ایک خوبصورت ماحول اور لوگوں کے تراشے ہوئے قوانین کی جگہ اللہ کا قانون روئے زمین پر کہیں بھی لاؤ گے تو کافر طاقتیں تم پر امڈ پڑیں گی۔

دیکھیے اگر نیکی کا کوئی تصور اللہ کی کائنات میں ہے اور اس سارے تصور کو مجسم کیا جائے تو وہ ذات اقدس ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور پر معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو مٹانے کے لیے سارا کفر بھڑک اٹھتا ہے تو پھر میں اور آپ کس کھیت کی مولی ہیں کہ ہم یہ امید رکھیں کہ ہم تو دین کی بات کر رہے ہیں نیکی کی بات کر رہے ہیں کوئی ہم پہ خفا نہیں ہوگا ہم زیادہ نیک آ گئے ہیں تو یہ ایک فطری قانون ہے کہ نیکی بے شمار برائیوں کو مٹاتی ہے نیکی تو ہمیشہ ایک ہے کہ آپ جہاں بھی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کریں گے نیکی ہوگی اور برائی کے لیے بے شمار طاقتیں ہیں جنہوں نے اپنا اپنا ایک اسلوب اپنا رکھا ہے وہ ساری آپ کے خلاف آ جائیں گی اس لیے فرمایا۔

''اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً'' جب تمہارا مقابلہ کسی جماعت سے ہو جائے کسی گروہ سے ہو جائے یعنی تمہارے مخالف ایک نہیں بہت سی طاقتیں ہوں گی سود کھانے والے بھی، بتوں کو پوجنے والے بھی بدکاری کرنے والے بھی، جنس آزادی کے متوالے بھی، بے راہ روی اور آوارگی کے دلدادہ بھی، شراب پینے والے اور نشہ باز بھی مخالف ہوں گے، بے شمار برائیاں ہیں کسی میں کوئی ہوگی کسی میں کوئی ہوگی لیکن آپ کے خلاف سارے ہوں گے تو تم بھاگ نہ کھڑے ہونا۔

''فَاثْبُتُوْا'' پھر جم جاؤ۔ اگر تم نے طے کر لیا کہ ہمیں نیکی کو اپنانا ہے فیصلہ کر ہی لیا تو پھر اس نیکی پر جم جاؤ۔ پھر بھاگنا اور میدان چھوڑنا کیا معنی رکھتا ہے چونکہ تمہیں کوئی اپنی بات تو منوانا نہیں۔ مومن اپنی خواہش تو مسلط نہیں کرنا چاہتا اب کافر مر گیا اسے شکست ہوتی ہے اس لیے کہ جو بات وہ منوانا چاہتا تھا اگر وہ اس کے بعد غالب بھی آ گئی اس نے تو پھلتی پھولتی نہ دیکھی اسے تو شکست ہی ہوئی اس کی تو موت بھی شکست ہے کافر یا بے دین طاقت کا لڑتا ہوا سپاہی یا افسر جو مارا گیا تو اگر اس کی حکومت یا نظام حیات غالب بھی آ گیا تو اس نے تو نہ دیکھا مومن اگر مارا گیا تو مومن اپنی بات منوانا ہی نہیں چاہتا اس کا کیا

بگڑا۔ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ جو اللہ چاہتا ہے وہ ہو جائے تو ہو تو کم از کم اس کے خلاف ہوتا ہوا تو نہ دیکھیں ہم تو اپنی جان دے دیں تو مومن مر کر بھی جیت گیا اس نے کفر کے غلبے کو تو نہ دیکھا یعنی مومن کا جو مر جانا ہے وہ بھی فتح ہے جبکہ کافر کے لیے موت بد ترین شکست ہے کہ وہ تو اپنی رائے اپنی آرزو کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتا ہے وہ تو ختم ہو گئی تو فرمایا پھر تمہیں بھاگنے کی کیا ضرورت جب موت میں بھی تمہاری فتح ہے تو بھاگنے کی تو کوئی تک نہیں بنتی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم اپنی بات منوانا ہی نہیں چاہتے تم بات ہی اللہ کی منوانا چاہتے ہو اور اگر نہ مانی جائے تو تمہارے لیے پھر زندہ رہنا ویسے ہی کوئی مقصد نہیں رہتا پھر تو مومن کو مر جانا چاہیے اس کا راستہ ہی ایک ہے بے دین ماحول اور سود خور معاشرے کے ساتھ جو ہم نے سمجھوتہ کر رکھا ہے یہ ایمان کے منافی ہے میں بھی اس میں شامل ہوں آپ بھی اس میں شامل ہیں جب تک عملاً اس سے بائیکاٹ نہیں کرتے عملاً ہم اس کے خلاف جہاد نہیں کرتے جب تک ہم زندگی کا رسک نہیں لیتے ایمان مکمل نہیں ہوتا تو بے فکر نہ رہیے کہ ہم دوسرے پر فتوے لگاتے رہیں اور ہم سارے بڑے مزے سے جنت میں چلے جائیں گے جنت کی زیادہ قیمت نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ ہمیں ہماری اپنی آلائشوں نے چھوڑا تو ضرور جائیں گے جن زنجیروں میں ہم نے خود کو جکڑ رکھا ہے مصلحتوں کی زنجیریں مصالحت کی زنجیریں اور دین سے کمزور اور معمولی سا تعلق۔

عجیب بات ہے کہ مسلمانوں میں سے کتنے فیصد لوگ ہیں جو سود نہیں لیتے حتیٰ کہ کئی لوگ جو سود کے خلاف ایجی ٹیشن کر رہے ہوتے ہیں جلسے کرتے اور دھواں دھار تقریریں کرتے ہیں ان کے اپنے اکاؤنٹ سود پر ہیں یہ تو مسلمانی نہیں ہے اور ہم لوگ قومی مسلمان ہیں عقیدے کے مسلمان بہت کم ہیں جیسے مختلف قوموں میں انسانیت بٹ گئی ہے اس طرح ایک قوم جس کا نام مسلمان ہے اس کی مردم شماری میں ہمارا بھی شمار ہو گیا۔ تو فرمایا اگر تم اسلام پر رہو گے تو تصادم ناگزیر ہے اس لیے اسلام میں جہاد فرض ہوا اور پھر کبھی اسے ختم نہیں کیا گیا وہ جہاد تا قیام قیامت مسلمان پر فرض ہے اور طاغوتی اور غیر اسلامی قوتوں نے جو سب سے زیادہ زور لگایا وہ مسلمانوں کو جہاد سے غافل کرنے پر اور جہاد کا جذبہ سرد کرنے پر لگایا اور یہی وجہ ہے کہ جہاد سے محروم ہو کر مسلمان ایسے ہو گئے جیسے ایمونیشن کے بغیر وپن (weapon) ہو بڑا ہیبت ناک وپن ہے لیکن اس میں ایمونیشن نہیں ہے کچھ من لوہا ٹھونک کر رکھ دیا گیا کسی کام کا نہیں سوائے اس کے کہ اس نے جگہ گھیری ہوئی ہے یہ حال مسلمان قوم کا ہے کہ ہم نے روئے زمین کا بے شمار رقبہ گھیر رکھا ہے اس رقبے سے بھی جو وسائل پیدا ہوتے ہیں فائدہ اس سے کافر اٹھاتے ہیں تیل مشرقِ وسطیٰ میں نکلا تقدیر امریکہ اور کینیڈا کی بدل گئی۔

جنگِ عظیم دوم اور اس کے بعد بھی ۱۹۵۰ء کی دہائی میں بھی کینیڈا اور امریکہ میں لوہے اور لکڑی کے پہیوں والی گدھا اور گھوڑا گاڑیاں تھیں اور یہی ان کا بہت بڑا سامان تھا۔ جیسے مشرقِ وسطیٰ میں تیل نکلا ان ملکوں کی تقدیر بدل گئی سب کہتے ہیں وہاں چھ چھ لین والی بڑی بڑی سڑکیں ہیں یہ سڑکیں کن وسائل سے بنیں کہاں سے آئی یہ دولت وہاں تو کچھ بھی نئی چیز پیدا

نہیں ہوئی نہ سونا دریافت ہوا نہ سکہ نکلا کیا امریکہ، کینڈا، برطانیہ یا یورپ میں کوئی نئی دریافت ہوئی جس سے ان کے وسائل بڑھ گئے کچھ بھی نہیں سارے وسائل رب نے مسلمانوں کو دیئے ان کے پاس ایمونیشن تھا نہیں، لوہے کی ٹھوکی ہوئی گنیں پڑی ہیں جو آتا ہے وہاں سے اٹھا کے لے جاتا ہے اور موج کرتا ہے۔

تو کتنی عبرت ناک داستان ہے مسلمان کی کہ وسائل اس کے پاس ہیں استفادہ کافر کر رہے ہیں یہ پھر ان سے امداد لیتا ہے جو تمہارے کھانے سے بچ گیا ہے وہ مجھے خیرات کر دو۔ کیسی عجیب بات ہے کہ کامیاب حکومت وہ ہے جو پراپیگنڈہ کرتی ہے کہ ہم نے اتنی ایڈ منظور کرائی کہ کفار کا اتنا پس خوردہ ہم نے جمع کر لیا اس لیے ہم بہت اچھے ہیں۔

تو کفر کے ساتھ تصادم ناگزیر ہے یہ جو پولا پولا اسلام ہے خیر سلا والا یہ کوئی شے نہیں اسلام ایک ٹھوس حقیقت ہے اور اپنی حیثیت منوا کر رہتا ہے سمجھوتہ اسلام کے مزاج میں نہیں ہے اس لیے کہ سمجھوتہ ہوتا ہے برابر کی طاقتوں میں اللہ اور بندے کی طاقت برابر نہیں ہے نہ اللہ اور بندے کی حیثیت برابر ہے کہ اسلام اور غیر اسلام میں سمجھوتہ ہو تو اگر آپ کی کوشش ہے کہ آپ اسلامی طرز حیات کو اپنائیں آج یا کل آپ کو بھی تماشا دیکھنا پڑے گا ورنہ ابھی سے واپسی آسان ہے کیونکہ یہ راستہ بھی ایسا ہی ہے اس میں کوئی نہیں بچ سکتا یا دین رکھے گا یا سمجھوتے والا اور نرم نرم اسلام رکھے گا جو دنیا داری کا اسلام ہے اللہ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ تو فرمایا جب تم دین پہ قائم ہو جاؤ تو تمہارا تصادم ہوگا غیر اسلامی طاقتوں کے ساتھ۔ طاغوتی طاقتوں کے ساتھ۔ کافرانہ معاشرے کو پسند کرنے والی طاقتوں کے ساتھ تو بھاگنا نہیں اس لئے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے اور اللہ کو زیب نہیں دیتا کہ بھاگتے ہوؤں کے ساتھ بھاگتا پھرے یہ اللہ کی شان کے خلاف ہے کہ تم میدان چھوڑ کر بھاگو اور اللہ تمہارے ساتھ بھاگے اللہ تمہارے ساتھ ہے اس لئے تمہیں اللہ کے پاس ہی واپس جانا ہے اور اگر وہاں فتح نہیں تو اللہ کا وصال تو ہے جیت نہیں ہے تو ہار بھی نہیں ہے تم اپنی منزل پالو گے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ منافقین نے دھوکا کیا اور کہا کہ ہم بہت سے قبائل کے نمائندے ہیں اور ہم سب اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کچھ حضرات ہمارے ہمراہ کر دیجئے جو ہمیں دین سکھائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اچھے صحابہؓ ہمراہ کر دیئے تو انہوں نے راستے میں اپنے قبیلے کے لوگوں کو گھات میں بٹھا رکھا تھا وہ چاہتے یہ تھے کہ نامور صحابہؓ کو گرفتار کر لیں اور بدر کے مقتولین کے بدلے اہل مکہ کے ہاتھ بیچ دیں اور اس طرح سے پیسہ کمائیں انہوں نے پکڑنا چاہا مقابلہ ہوا تو حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پکڑے گئے باقی سارے لڑ کر شہید ہو گئے بلکہ ایک صحابی کی دعا ملتی ہے جن کے بارے کفار کا خیال تھا کہ ان کی تو لاش بھی بیچ سکیں گے کہ اے اللہ میری لاش بھی کافروں کو مت دینا تو شہادت کے بعد اللہ نے ان پر کوئی بھڑوں یا شہد کی مکھیوں کا غول بھیج دیا جس نے دور دور تک حلقہ قائم کر لیا اور کوئی ان کی لاش نہ لے سکا اور پھر قدرت باری سے زمین نے اس کو سمو لیا کوئی مدد کرنے والا تو وہاں نہیں تھا لیکن وہ لاش کافروں کے ہاتھ نہ آئی۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

انہوں نے بیچا جو کہ میں شہید کئے گئے۔ اسی تصادم میں ایک صحابیؓ کو کافر کا نیزہ لگا جوان کا سینہ توڑتا ہوا پشت سے نکل گیا تو آخری لفظ جوان کے منہ سے نکلا وہ یہ تھا۔ ''فزت ورب الکعبہ''۔ رب کعبہ کی قسم میں جیت گیا۔ اب عربوں میں جہاں کفر وشرک تھا وہاں بہت سی خصوصیات اور بہت سی اعلیٰ عادتیں تھیں مثلاً وہ جھوٹی قسم نہیں کھاتے تھے۔ مرتے وقت کوئی شخص جو بات کہتا، وہ سوچتے بھی نہیں تھے کہ اس نے جھوٹ کہا ہوگا۔ قاتل کے دل کو بھی یہ بات کھا گئی کہ رب کعبہ کی قسم مرتے وقت کھائے تو یہ غلط بات نہیں کہتا یہ جیت کیسے گیا۔ میں نے نیزہ مارا اس کے سینے سے لگ کر پشت سے نکل گیا اس نے دم توڑ دیا میں سمجھتا ہوں میں جیت گیا۔ وہ رب کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہے میں جیت گیا غلط تو وہ نہیں کہتا وہ جیت کیسے گیا مجھے یہ سمجھ نہیں آتی جب وہ فارغ ہو گئے اور صحابہؓ شہید ہو گئے تو قاتل نے اپنے ساتھیوں سے کہا یار یہ جو مرنے والا ہے اس نے مجھے اپنا اسیر بنا لیا اس کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تم سمجھا دو میرے خیال میں اب اس کا حل یہ ہے کہ میں وہاں جاؤں جہاں سے یہ آیا ہے اس شہر میں اس نبی علیہ السلام کی خدمت میں جاؤں اور ان سے پوچھوں کہ اس کو کیا سکھایا ہے، وہ کیا فلسفہ حیات ہے کہ بندہ مر بھی جائے اور جیت جائے۔ ساتھ والوں نے کہا وہاں جاؤ گے تو قتل کر دیئے جاؤ گے کیونکہ جو کچھ ہم نے کیا تمہارے سامنے ہے اس نے کہا میں اس بات کے دل میں کھٹکتے رہنے سے بہتر سمجھتا ہوں کہ میں مر جاؤں چنانچہ وہ مدینہ منورہ آیا اور اس نے اپنا سوال پیش کیا اسے بھی اللہ نے ایمان قبول کرنے کی توفیق عطا کر دی۔ اسے فلسفہ سمجھ آ گیا کہ آدمی مر کر بھی جیت جاتا ہے۔

اکہ بعض شکست وہ بھی ہوتی ہے جس میں فتح ہوتی ہے لیکن اتنے مشکل حالات میں جبکہ خون بہہ رہا ہو، آگ برس رہی ہو، تلواریں چل رہی ہوں، گردنیں کٹ رہی ہوں کھڑا رہنا آسان کیسے ہے آدمی خاک کا پتلا ہے اس کے حواس اور احساسات ہیں اس کے دائیں بائیں لاشے گر گر تڑپ رہے ہوں جسموں کے پرخچے اڑ رہے ہوں، آسمان سے آگ برس رہی ہو، گولہ باری ہو رہی ہو تو کیسے کھڑا رہے گا بھاگے گا نہیں تو فرمایا اس کا بھی ایک علاج ہے۔

''وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا''۔ اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو اللہ کے نام کی تکرار کرتے رہو۔ وہ عمل جسے جہاد کہا گیا اور جس میں آدمی جان کا نذرانہ لے کر حاضر ہو جاتا ہے عملاً بہت اعلیٰ درجے کا ذکر الٰہی ہے سجدے سے، نماز سے، خیرات سے، یا باقی نیکی کے کاموں میں سب سے اعلیٰ جہاد ہے اور شہادت اتنا بڑا مقام ہے کہ آدمی سوچ ہی نہیں سکتا۔

ہم ایک ٹریننگ سکول میں تھے ہمارے پرنسپل صاحب بڑے صاحب قسم کے دراز قد ویسٹرن سٹائل کے بندے تھے۔ ایک دن اچانک مارننگ اسمبلی میں آ گئے جہاں روزانہ کورس کرنے والے نیچرز میں سے ایک کی ڈیوٹی کچھ دینی باتیں بیان کرنا ہوتی تھیں چنانچہ اس وقت ایک صاحب جنت کے بارے احادیث پڑھ کر ترجمہ سنا رہے تھے۔ جب انہوں نے ختم کی تو پرنسپل صاحب فرمانے لگے کہ اگر کوئی دنیا کا ایسا خطہ یا ایسی آبادی ہو کہ ان لوگوں میں ابھی تک پیسے کا تصور ہی نہ پہنچا ہو۔ اور انہیں آپ سمجھانا چاہیں کہ ریل کا ایئر کنڈیشن ڈبہ کیسا ہوتا ہے تو جتنا بھی آپ سمجھاتے رہیں وہ سوچتے رہیں گے لیکن ریل

کے ڈبے کا تصور نہیں کر سکتے کہ حقیقتاً کیا ہے اس طرح یہ جو جنت کی بات کر رہے ہو یہ اللہ نے ہم نادانوں کو اس طرح کی مثال دی ہے دنیا کی نعمتوں کے ساتھ ہم اپنی استعداد کے مطابق اندازہ کرتے رہیں گے لیکن جنت ہماری سمجھ سے بہت اعلیٰ ہے شاید اس کی حقیقتوں کو وہاں گئے بغیر کوئی نہیں پا سکتا ان کی بات مجھے ابھی تک یاد ہے۔

اسی طرح شہادت بہت اعلیٰ رتبہ ہے اور اسے یقیناً وہی سمجھ سکیں گے جنہیں اللہ نصیب کرے باقی اندازے اور مثالیں بیان کی جا سکتی ہیں کہ اس میں کیا لذت ہے۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہید سے اللہ کریم پوچھیں گے کہ مانگ کیا چاہتا ہے کہے گا ایک بار دنیا میں پھر بھیج دے اور شہادت کی لذت ایک بار پھر عطا کر دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنیا و مافیہا سے اللہ کے نزدیک شہید کے خون کا ایک قطرہ زیادہ قیمتی ہے جو زمین پہ گرتا ہے، دنیا و مافیہا سے اللہ کے نزدیک زیادہ محترم اور زیادہ قیمتی اور پسندیدہ ہے۔ تو اس منصب پہ کھڑا ہوا جان حاضر کر کے اسلام کے حق میں کفر کے خلاف لڑ رہا ہے تو یہ بھی تو ذکر الٰہی ہے اور بڑے اعلیٰ درجے کا۔ لیکن دائمی طور پر اللہ کے نام کی تکرار یہ بندے سے مطلوب ہے کہ بندے کا رب کے ساتھ رشتہ ہی ذاکر اور مذکور کا ہے اور کوئی نسبت ہی نہیں جب ذکر ٹوٹا جتنا عرصہ بندہ غافل رہا "وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ" (الکہف:۲۴)۔ جتنی دیر بھولا رہا اللہ کے ذکر سے محروم رہا جیسے یاد آیا ذکر شروع کر دے اللہ اللہ کرنا شروع کر دے ذکر الٰہی کی یہ تاویلیں کہ نماز پڑھ لیتے ہیں ذکر ادا ہو گیا، تسبیح پڑھ لی ذکر ادا ہو گیا، تلاوت کر لی ادا ہو گیا، جہاد کر لیا ادا ہو گیا، یہ صحیح نہیں ہے ذکر بجائے خود الگ مامور بہ ہے۔ قرآن کریم میں اور ہر مسلمان مرد و عورت پر اللہ کا ذکر واجب اور فرض ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں اسے واجب ہی لکھا ہے اور قرآن کی آیت ہے جس کام کے کرنے کا حکم ہو وہی واجب اور فرض ہوتی ہے اور اسکا سیکھنا اور ساری زندگی کرتے رہنا کرتے ہوئے جینا کرتے ہوئے مرنا اور کرتے ہوئے اٹھنا ہی اسلام ہے لہٰذا فرمایا کی عین اس میدان کارزار میں بھی اللہ کا ذکر کرتے رہو اس سے تمہیں ہر حال میں فتح نصیب ہو گی یا تم جیت جاؤ گے یا تم شہید ہو جاؤ گے تمہیں بھاگنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی کہ جب اس کا ذکر کر رہے ہو گے تو اس کی معیت تمہیں نصیب ہو گی۔

اور وہ ذکر جو میدان جنگ میں بھی کیا جا سکے اور جو اس حال میں بھی کیا جا سکے وہ ذکر۔ ذکر قلبی ہو سکتا ہے وہ ذکر وجود کے ذرات ذاکر ہونے سے ہی نصیب ہوتا ہے۔ جو کیفیت صحابہؓ کی تھی کہ "ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ" (الزمر:۲۳) کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک اس کے بدن کا ہر سیل ذاکر تھا یہ جوامت کے بہترین لوگ ہوئے ہیں Cream of the Nation اگر آپ اس اصطلاح کو Cream of the Muslim Ummah کہیں تو اس میں جو لوگ آئیں گے ان کی الگ خصوصیت صرف یہ ہے۔ نمازیں ان پر بھی پانچ فرض، روزے ان پر بھی تیس ہی فرض، قرآن ان کے پاس بھی تیس ہی پارے، زکوٰۃ کا نظام ان کا بھی وہی، کہ ان کے وجود ان کے بدن اس قدر ذکر الٰہی میں رنگ

گئے کہ جہاں ان کی قبریں ہیں وہاں کے ذرات بھی ذاکر ہو گئے، جو لباس انہوں نے استعمال کئے وہ بھی ذکر کرتے تھے، جہاں قدم رکھ کر گذر گئے وہ زمین کے خطے کو ذاکر کرتے چلے گئے یہی فضیلت آپ کو نظر آئے گی اور ذکر الٰہی کی محافل، ذکر الٰہی کا انعقاد اور بدن اور دل کو ذاکر بنانے کی کوششیں یہ مقصد حیات ہے یہ مسلمان بننے اور اسلام پر قائم رہنے کا واحد راستہ ہے یہ مذاق نہیں ہے یہ محض کوئی ووٹ جمع کرنے یا چندہ جمع کرنے یا دولت جمع کرنے کے وسائل نہیں ہیں یہ بندے کو اللہ کے ساتھ جوڑنے اور اسے پیوند کرنے اور اسے اس کے ساتھ پکا کرنے کا ایک واحد طریقہ ہے جو خود رب کریم نے تجویز فرمایا ہے اور ہر موڑ پر جس کی تلقین فرمائی ہے حتیٰ کہ عین میدان کارزار میں جب سروں کی فصلیں کٹ رہی ہوں بدنوں کے پرخچے اڑ رہے ہوں آگ کی بارش ہو رہی ہو پیاس سے حلق خشک ہوں سر اٹھاؤ تو گولی لگتی ہے آسمان سے بم برستے ہیں زمین سے گولے برستے ہیں جان بچانے کی بھی فکر ہے مخالف پر وار کرنے کی بھی فکر ہے امونیشن بھی سنبھالنا ہے لڑنا بھی ہے فرمایا سارے کام اپنی جگہ لیکن اس کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے رہو اور ذکر کثیر کرو۔

''واذکر اللہ کثیرا''۔ یہ نہیں کہ کبھی اللہ کہہ لیا یہ نہیں یہ سارے کام کرتے ہوئے بھی ذکر کثیر کرو جس کی مثال صرف ذکر قلبی ہو سکتا ہے ذکر لسانی کبھی کثیر ہو ہی نہیں سکتا تو فرمایا ذکر کثیر کرو۔''لعلکم تفلحون'' تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ خواہ جان دے سے کر جیت جاؤ خواہ میدان لے کر جیت جاؤ۔

☆ ☆ ☆

ایمانیات:

سبق نمبر ۱۱: سورۃ الانفال

آیت ۶۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ

اور جہاں تک تم سے ہو سکے ان کے لئے (فوجی) قوت اور پلے ہوئے گھوڑوں

رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

(سامان جنگ) سے تیار رہو کہ جو اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں

وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ

اس سے ان پر رعب جمائے رکھو اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتے ہیں

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ

اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا دیا جائے گا

وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝۶۰

اور تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہوگی۔

یہ آیت مبارکہ دور حاضرہ کی بہت بڑی غلط فہمی کو دور کرتی ہے آج ہم دو حصوں میں بٹ گئے ہیں۔ میں ان لوگوں کی بات کر رہا ہوں جو اپنے آپ کو مسلمان کہلواتے بھی ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ مسلمان دنیا میں غالب ہو کر رہیں ایک حصہ کہتا ہے کہ غلبے کے لیے اپنی بات منوانے کے لیے ہمیں اپنے ذرائع کا صحیح استعمال کرنا ہوگا اور جدید ترین ٹیکنالوجی اپنانا ہوگی لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہمارا سارا وقت تو ان مولویوں نے ضائع کر دیا کہ اب وضو کرو اب نماز پڑھو ابھی گھر پہنچ نہیں پاتے کہ یہ پھر اذان شروع کر دیتے ہیں اور ان کا کوئی کام ہی نہیں یہ وقت کا ضیاع ہے اور ہمیں پوری طرح جدید علوم پڑھنے چاہئیں اور جدید

ٹیکنیک اپنانی چاہئے اور جو جدید ہتھیار اور اسلحہ ہے اسے سمجھنا اور حاصل کرنا چاہیے اور اپنی مالی حالت مستحکم کرنی چاہیے اور اس پہ ساری توجہ کر کے ہم اقوام عالم میں مقابلہ کر کے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اب دوسرا کتب فکر کہتا ہے بھئی یہ تو کافروں کی باتیں ہیں۔

کافر ہے جو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

ہمیں تو ذکر اذکار کرنے چاہیں مساجد آباد کرنی چاہیں اور اللہ کے نام پر جلسے منعقد کرنے چاہیں، تقریریں کرنی چاہیں، مدرسے بنائیں، دیگیں پکائیں اور غرباء میں بانٹیں کھائیں کھلائیں اور دعا کریں تو سارا کام ہوتا رہے گا۔ یہ دونوں فلسفے عملی زندگی کے خلاف ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی قیادت خصوصاً فکری قیادت جنھیں ہم دانشور کہتے ہیں ان لوگوں کی سمجھ میں ایک بات کیوں نہیں آتی کہ جو قوم بھی ماڈرن ٹیکنالوجی اپنائے ہوئے ہے اور ترقی کر رہی ہے اس کے پاس صرف مالی وسائل اور جدید ٹیکنالوجی نہیں بلکہ اس کے پاس بنیادی طور پر ایک نظریہ بھی ہے یعنی ہر قوم خواہ وہ سوشلسٹ ہیں یا جمہوریت والے، شہنشاہیت والے ہیں یا کسی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں پہلے یہود ہیں یا نصاریٰ ان کے پاس سب سے پہلے ایک نظریہ ہے ہر یہودی پہلے یہودی ہوتا ہے پھر وہ تاجر، سائنس دان یا ڈاکٹر بنتا ہے۔ ہر نصرانی پہلے نصرانی ہے اور آج جو پوری نصرانی دنیا کا پوپ ہے وہ بھی ایسی حرکات کر رہا ہوتا ہے جسے دیکھ کر ہنسی آتی ہے کہ یہ کیا بچوں کا کھیل بنایا ہوا ہے ایک لاٹھی پکڑ رکھی ہے سر پر کاغذ کی ٹوپی ہے اور عجیب وغریب قسم کے چغے پہن رکھے ہیں آگے پیچھے موم بتیاں جلا رکھی ہیں تو ایک ایسے بندے کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ کسی زمانے کا بے وقوفوں والا الف لیلیٰ کا ڈرامہ ہے لیکن وہ اس رسم کے کرنے سے گھبراتے تو نہیں۔ کبھی کسی مغربی ملک نے کہا ہے کہ یہ قدامت پسندی ہے یا یہ پرانی باتیں ہیں ان کی ضرورت نہیں اس لیے نہیں کہتے کہ وہ عیسائی پہلے ہیں۔ مالی وسائل اور ٹیکنالوجی ان کے لیے ثانوی ہے۔ ہمارے دانشوروں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی آدھے ہمیں مسجد میں کھینچتے ہیں، آدھے ہمیں فیلڈ میں کھینچتے ہیں یہ کوئی نہیں کہتا کہ مسلمان ہونا پہلی ضرورت ہے اور جدید ٹیکنالوجی اپنانا اس کے ساتھ دوسری ضرورت ہے ان دونوں کو جدا نہیں کیا جا سکتا یہ دونوں حقیقتیں ہیں ہم قرآن سے نہیں سیکھتے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سیکھتے حالانکہ سیکھنا ہمیں وہاں سے چاہیے بلکہ ہر چیز ہم مغرب سے سیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں تو مغرب سے ہی یہ فلسفہ سیکھ لو کہ پہلے Idealogy یعنی نظریہ ہوتا ہے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے روس نے کابل پر قبضہ کر لیا اب روس بھی کوئی پچہ تو نہیں تھا ایک بڑی سلطنت تھی جس کے پاس بے شمار وسائل ذرائع اور دانشور تھے وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ان افغانوں کو اپنے نظریہ میں ڈھالنا آسان نہیں یہ ہم سے لڑیں گے بھی لیکن انہوں نے آتے ہی پرائمری مدرسے سے اپنے سوشل نظام کا نصاب جاری کر دیا تا کہ آئندہ نسل سوشلسٹ بن جائے یہ کب تک لڑیں گے۔ اللہ کی شان کہ ان بوڑھوں کا درد دل کام آیا اور انہوں نے اسے مار بھگایا روس تو یہ نہیں سوچتا تھا کہ یہ ہمیں مار بھگائیں گے چلو ایک نسل لڑیں گے دو نسل لڑیں

گے آئندہ آنے والے تو نظریاتی طور پر ہمارے ساتھی ہو جائیں گے۔ نام کے مسلمان رہنے دو۔ ہمارا تماشہ یہ ہے کہ ملک کو آزاد ہوئے نصف صدی بیت گئی ابھی تک یہاں کسی نے نظریات کو تعلیم کے نصاب میں جگہ ہی نہیں دی میرے سامنے قرآن حکیم ہے اور میں منبر پر باوضو بیٹھا ہوں میری سمجھ میں آج تک یہ بات نہیں آئی کہ اس ملک کے ساتھ کون مخلص تھا جن کے ہم نے مزار بنائے جن کی فوٹو ہم نوٹوں پہ چھاپتے ہیں ان میں کتنا خلوص تھا۔ 29-1928ء میں مسلم لیگ کی بنیاد پڑتی ہے 1940ء میں قرارداد پاکستان بنتی ہے۔ 1947ء میں پاکستان آزاد ہوتا ہے۔ 1948ء میں قائداعظم صاحب کی وفات ہوتی ہے۔ 1928ء سے 1948ء تک قائداعظم صاحب نے مسلم لیگ کا یا اس ملک کا دستور کیوں نہیں دیا کوئی جواز اس کا ہے جو بھی کوئی سیاسی پارٹی بنتی ہے پہلے منشور چھاپتی ہے کہ ہمیں اقتدار مل گیا تو یہ کریں گے کہاں ہے مسلم لیگ کا منشور حتیٰ کہ ملک تقسیم ہو گیا حکومت کر کے مر گئے لیکن وہی انگریزی قانون اس میں This کی جگہ That اور for کی جگہ it لگا کر اسے مسلمان کر لیا۔ اس قوم کی قیادت محمد علی جناح سے لے کر نواز شریف تک مجھے اسلام سے مخلص نظر نہیں آتی وہ چلے گئے یہ موجود ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس میں خلوص تھا ضیاء الحق مرحوم بہت نیک، بہت شریف النفس اور اگر دنیا کے حکمرانوں میں اسے تولا جائے تو مثالی انسان نظر آئے گا اس کے باوجود بھی میں پورے یقین سے یہ جانتا ہوں کہ اپنا اقتدار ان کے لیے بھی مقدم تھا اور اسلام کی حیثیت ثانوی تھی اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ جتنے حکمران کم از کم اس ملک میں گذرے ہیں ان میں ایک مثالی حکمران تھا اور میں ان کی بہت قدر کرتا ہوں اس کی ایک ہی بات دیکھ لیجئے کہ مرنے کے بعد مخالف سیاسی قوت اقتدار میں آئی جب تک رہی پڑتال کرتی رہی ایک پائی ثابت نہ کر سکی کہ وہاں سے اس کو پکڑا جائے اس کی زندگی میں اس کا بیٹا اس کا بھائی۔ اس کا کوئی رشتہ دار اس کا نام ہے کہ کہیں پر کوئی حکومت نہیں کر سکا ساری مسلمانی اور یہ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن ذاتی اقتدار کو اسلام کے لیے داؤ پر لگانے کو وہ بھی تیار نہیں تھے اور اس سے پہلے اور اس سے بعد والوں کی تو سمجھ ہی نہیں آتی کہ ہم کہاں پھنس گئے ہمیں تو قائداعظم صاحب کا کوئی مشرق۔ مغرب پتہ نہیں لگتا تھا اور کسی کی کیا سمجھ آئے گی 1956ء میں جا کر پاکستان کا پہلا آئین بنتا ہے جسے 1958ء میں ایک مارشل لاء والا ٹھڈا مار کر توڑ دیتا ہے۔

اگر یہ آئین 30-1929ء سے مسلم لیگ کے منشور میں ہوتا یا 1942ء میں جب قرارداد پاکستان پاس ہوئی تھی یہ منشور مسلم لیگ کے پاس ہوتا اور 1947ء میں محمد علی جناح اس منشور کو آئین کی صورت دیتا تو کوئی مارشل لاء والا اسے توڑ کر دکھاتا۔ آئین ہی جعلی بنائے پاکستان کس نے بنایا، آئین کس نے بنایا، کہاں کی اینٹ کہاں کا روڑا اور آج تک یہ قوم بغیر آئین بغیر قانون کے ہے اب ملک میں کئی آئین چل رہے ہیں وہ پرانا برطانیہ کا آئین بھی ہے اس میں جدید تعزیرات پاکستان بھی ہے ایک شرعی عدالت بھی ہے کوئی ایک عدالت سے نکلے تو اسے ذلیل کرنے کے لیے دوسری کورٹ میں بھیج دیتے ہیں وہاں سے بچ کر آئے تو کسی اور طرف بھیج دیتے ہیں کوئی کسی کا پرسان حال نہیں تو یہ دونوں گروہ زیادتی کر رہے ہیں تو م

کے ساتھ عام مسلمان کے ساتھ ایک اسے مسجد کی طرف کھینچتا ہے دوسرا اسے میدان کی طرف کھینچتا ہے ایک کہتا ہے وہاں گئے تو تم دنیا سے گئے تمہیں کچھ نہیں ملے گا دوسرا کہتا ہے وہاں گئے تو جہنم میں جاؤ گے ایک عام آدمی کو کچھ سمجھ نہیں آتی وہ کیا کرے۔

دین نام ہے سب سے پہلے مسلمان ہونے کا، اسلام کو سمجھنے کا، جو بندہ سمجھتا، جانتا نہیں مانتا کیسے ہے۔ ماننے کے لیے تو جاننا ضروری ہے مسلمان ہونے کے لیے اسلام کے عقائد۔ ضروریات کا علم جاننا ضروری ہے پھر مانتے ہو تو اپنے آپ کو بندہ سمجھیں اور اللہ کے نظام کے خلاف نہ جائیں اللہ کریم کا ایک نظام ہے کہ آپ گندم لیتے ہیں اسے پیستے ہیں چھانتے ہیں آٹا گوندھتے ہیں پکاتے ہیں کھانا بن جاتا ہے اب آپ کہیں میں تو مسلمان ہوں مجھے کھانا بنانے کے لیے گندم پیسنے کی، آٹا گوندھنے کی، چولھا جلانے کی کیا ضرورت ہے بس میں دانے پھانکتا ہوں اور یہ وہ مزے دار غذا بن جائے گی۔ تمہارے مسلمان ہونے سے کیا اللہ کا نظام کائنات بدل جائے گا تم جو بیجو گے اس پہ گندم ہو جائے گی کہ تم مسلمان ہو۔ یہی ایک نظام ہے فطرت کا، مسلمان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تم دوسروں سے زیادہ فطرت کے قریب ہو جاؤ۔ مسلمان ہونے کا مفہوم یہ نہیں کہ تمہارا اور فطرت کا تصادم ہو جائے تمہارے پاس اس کی باتیں ہیں، جو فطرت کا بھی صانع ہے، حیات کا صانع ہے، نظام کائنات کا خالق ہے اسی نے ایک اصول دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بندے تیار کئے ایک ہی بندہ واعظ بھی ہے مبلغ بھی ہے، ذاکر بھی ہے، مراقبے بھی کرتا ہے، مجاہد بھی ہے، سپاہی اور جرنیل بھی ہے، ڈاکٹر اور طبیب بھی ہے، امام بھی وہی ہے، مسجد میں جاؤ تو نماز بھی پڑھا دیتا ہے، کوئی مرجائے تو اس کا جنازہ بھی پڑھ لیتا ہے، اس بندے کو زندگی کے ہر میدان میں آگے سب سے آگے کھڑا ہوا پائیں گے۔ دنیا کی کوئی ایسی قوم ہے جس کی تاریخ میں یہ ہو کہ عین میدان جنگ میں خالد جیسے نامور جرنیل کو ہٹا کر ایک سپاہی کو قیادت سونپ دی جائے اور وہ جرنیل سپاہی کی جگہ لڑنے لگے اور سپاہی لشکر کی قیادت کرنے لگے اور وہ لشکر پھر بھی کامیاب ہو اور وہ سپاہی بھی کامیاب جرنیل ثابت ہو۔ محمد الرسول اللہ نے ہر فرد کی تربیت ہی ایسے کر دی تھی کہ جرنیل بنا دو تو جرنیل فٹ ہے، سپاہی بنا دو تو سپاہی بھی فٹ ہے، اسے نماز پڑھانی پڑ جائے تو مولوی بھی فٹ اور اسے سبق پڑھانا پڑ جائے تو وہ مدرس بھی فٹ ہے، وہ خاوند بھی ہے، بھائی بھی ہے، بیٹا بھی ہے، باپ بھی ہے، دوست بھی ہے اور وہ بہترین دشمن بھی ہے اسلام اس کا نام ہے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ تم تو مسلمان ہو اور تم اللہ اور اللہ کے قوانین کو زیادہ سمجھتے ہو تمہیں پتہ ہے کہ دنیا میں مقابلے کے لیے دنیا کے اسباب چاہیں اس لیے فرمایا "وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ" جو بھی ممکن ہو اپنا سارا زور صرف کر دو سب سے زیادہ طاقت جو تمہارے پاس ہو وہ کفر سے دفاع کے لیے ہو "وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ" گھوڑوں کے اصطبل بناؤ۔ جدید ٹیکنالوجی حاصل کرو، ایمونیشن کے کارخانے لگاؤ، ہوائی جہازوں کے توپوں کے بڑے بڑے کارخانے لگاؤ، جنگ کی اتنی تیاری کرو کہ جنگ کا خطرہ ہی نہ رہے کوئی تم سے لڑنے کی جرات ہی نہ کرے "تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ" اس حالت میں رہو کہ اللہ کے دشمن لرزتے رہیں "وَ عَدُوَّكُمْ" اور تمہارا بھی وہی دشمن ہے جو

تمہارے دین کا اور اللہ کا دشمن ہے اور اس پر تمہاری ہیبت طاری ہو جائے کافر سے مانگ کے کھانے والا بھی، مسلمان ہوتا ہے۔ آپ کو کبھی گدا گر سے بھی ڈر لگا ہے آپ کے دروازے پر آ کر دست سوال دراز کرنے والے سے کبھی آپ پر کپکپی طاری ہوئی کہ یہ میرا کچھ بگاڑ دے گا تو جب ہم مانگ کر کافروں سے کھاتے ہیں تو ہمارا رعب کس پر ہوگا۔ اللہ کے بندو دین کو سمجھو، اسلام کو سمجھو، اسلام کے نام پر ہم تو ایک کلنگ کا ٹیکہ بن گئے، ہم نے اسلام کو رسوا کر دیا، اسلام کو بدنام کر دیا حالانکہ رسوائی اور بدنامی کے قابل ہم ہیں ہمارا تو کوئی تعارف ہی نہیں ہماری کوئی حیثیت ہی نہیں۔ تعارف ہوتا ہے ہمارے اس وسیلے سے اسلام کا تو لوگ ہمیں دیکھ کر کہتے ہیں اسلام بھی کوئی مذہب ہے۔ بھئی اسلام یہ ہے کہ اپنے سارے وسائل جمع کر لو مسلمانوں کو جدید علوم سکھاؤ، جدید ٹیکنالوجی سکھاؤ، اسلحہ بناؤ، ایٹم بم بناؤ، بڑے سے بڑی چیز ایجاد کرو اور اسے ظلم پر استعمال نہیں کرو بلکہ ظلم کو روکنے کے لیے اپنی تیاری کرو کہ ظالم پر لرزہ طاری ہو جائے اور ظلم کا وقوع ممکن نہ رہے اور جو دشمن اللہ کے اور تمہارے ہیں کانپ انھیں ان کو تو تم دیکھو جو سامنے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے ان پر تمہاری ہیبت میں طاری کر دوں گا میں جانتا ہوں جو چھپے دشمن ہیں تمہارے ''لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ'' تم سے کوئی نہیں چھپ سکتا کیونکہ تمہارا اللہ ان چھپنے والوں کو بھی جانتا ہے تمہارے خلاف کسی کی جاسوسی کامیاب نہیں ہو سکتی تمہیں کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا بات صرف یہ ہے کہ تمہارا اپنا معاملہ صحیح ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کا فلسفہ ہمیں کیا دیا تھا مجھ سے ایک مسلمان نے یہ سوال بھی کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ کا قافلہ روکنے کی کیا ضرورت تھی جنگ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھیڑی مکے والوں نے تو نہیں چھیڑی۔ بدر کا واقعہ جو ظہور پذیر ہوا تو اس صورت میں ہوا کہ مسلمانوں نے چڑھائی کی مکے والوں کے اس تجارتی قافلہ پر جو شام سے واپس آ رہا تھا مکے والے تو قافلہ بچانے کے لیے نکلے اور لڑائی ہو گئی یہ بندہ بھی اپنے مسلمان ہونے کا مدعی تھا۔ میں نے کہا آپ نے پورا واقعہ پڑھا ہی نہیں۔ وہ قافلہ گیا کیوں تھا۔ اہل مکہ میں ایک تحریک چلی تھی کہ مسلمانوں نے مدینہ میں جا کر الگ ریاست کی بنیاد رکھ دی ہے اور اسے ایسے ختم کیا جائے کہ نہ کوئی شہر کا نشان رہے اور نہ شہر میں رہنے والوں کا، اسلام کا نام لینے والا کوئی نہ ہو انہوں نے کہا اس کے لیے وسائل چاہئیں اس کے لیے فوج چاہیے اسلحہ چاہیے۔ سواری کے گھوڑے چاہئیں، سپاہیوں کی خوراک چاہیے، اونٹ چاہئیں، یہ کہاں سے آئیں گے تو پورے مکے کے مشترک و کافر قبائل نے مل کر چندہ جمع کیا حتی کہ بچیوں کی بالیاں اتار کر بھی بعض لوگوں نے اس میں دیں۔ اس سے تجارتی قافلہ ترتیب دیا گیا جس کی واپسی پر اصل زر لوگوں کو واپس کر دی جانی تھی اور جتنا منافع تھا اسے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں استعمال ہونا تھا۔ یہ وہ تجارتی قافلہ تھا جو شام سے مدینہ منورہ کو مٹانے کے لیے دولت کما کر واپس لا رہا تھا اور اس کو روکنا مسلمانوں پر فرض تھا اب یہ اللہ کی مرضی کہ اس نے قافلہ کی بجائے مکے کی ساری شوکت ان کے قدموں میں ڈال دی ورنہ مسلمان تو اس طاقت کو روکنے کے لیے نکلے تھے جس سے ان پر حملہ کرنے کی منصوبہ بندی ہو رہی تھی۔ اللہ نے ہمارے مکے کے جگر گوشے نکال کر ان کے قدموں میں ڈال دیئے یہ اللہ کی اپنی مرضی ہے۔ خیر یہ تو

ایک ضمنی سوال تھا ہمارے دانشور اس طرح کے سوال کرتے رہتے ہیں بات تھی دعا کے فلسفہ کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی وہ یہ ہے کہ جب ضرورت پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مادی وسائل نہیں تھے۔ زرہیں ہی نہیں تھیں، نیزے نہیں تھے، تلواریں نہیں تھیں، سواری کے گھوڑے نہیں تھے، پورا لباس نہیں تھا، ساتھ لے جانے کے لیے غذا نہیں تھی لیکن آپ نے اپنے تین سو تیرہ جانثاروں کو جس میں بچے، بوڑھے، ضعیف، کمزور سب شامل تھے ساتھ لیا ڈیڑھ سو کلومیٹر مدینہ منورہ سے سفر فرمایا۔ میدان بدر میں، جہاد کے لیے بہترین سمت منتخب کی، اپنے جانثاروں کی صف بندی کی، ان کی ذمہ داریاں بانٹیں، تیر کون پھینکے گا، نیزے سے کون لڑے گا، تلوار کون چلائے گا، کون کب لڑنے گا، کون افسر ہے، کون ماتحت ہے، ان کے جھنڈے بنائے یہ سارا کچھ کرنے کے بعد بدر میں جو جھونپڑی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنائی گئی تھی کھجور کے پتوں کی جسے عریش بدر کہتے ہیں اس میں جا کر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔ بار الہا! میں یہی کر سکتا تھا اب انہیں کامیاب کرنا یہ تیرا کام ہے ان کے پاس ظاہراً تو کچھ بھی نہیں نہ اسلحہ، نہ سواری، نہ ان کے پاس کھانے کو کچھ ہے لیکن بات یہ ہے کہ سارے کا سارا اسلام میں نے تیری خدمت میں حاضر کر دیا اگر آج یہ کھیت رہے تو پھر زمین پر بنی آدم میں تیرا نام لینے والا کوئی نہیں ہوگا۔ یہ بیج ہے اسلام کا اسی سے ساری انسانیت میں اسلام آئے گا اسی لیے تو خلاف اسلام شیعہ تحریک سب سے زیادہ وار انہی پہ کرتی ہے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا بیج قرار دیا کہ اگر یہ کھیت رہے تو قیامت تک کوئی تیری بارگاہ میں سجدہ نہیں کرے گا یعنی جو وسائل ممکن ہوں وہ مسلمان ضرور اختیار کرے اور پھر اللہ سے دعا کرے اب اپنے وسائل ہم جھونک دیں جنگ کی تیاری میں، اپنے ذہن کو ٹیکنالوجی سیکھنے پہ لگا دیں اپنا سرمایہ ادھر لگا دیں، دنیا میں تو لوگ عیش وعشرت پہ لگا رہے ہیں فرمایا تم بھی فکر نہ کرو تمہارا بھی عیش ہی پہ لگ رہا ہے تمہاری عیش دائمی ہوگی ضائع نہیں ہوگی'' وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ ''جو پائی پیسہ جو علم جو سوچ جو محنت جو مشقت تم اللہ کی راہ میں کرو گے، جدید علوم سیکھنے کے لیے جاؤ گے، کسی کو سکھاؤ گے، سرمائے سے کس کی مدد کرو گے یا قوم کے لیے سرمائے سے اسلحہ حاصل کرو گے یا دفاع کی کوئی صورت ہوگی، جان دو گے یا مال دو گے یا وقت دو گے یا استعداد دو گے تو جو شے بھی اللہ کی راہ میں دو گے ''یُوَفَّ اِلَیْکُمْ '' اللہ تمہیں اس کا بدلہ بہت بڑھا چڑھا کر لوٹا دے گا یہ ضائع نہیں ہو رہی وہ تمہارا بینک بیلنس بن رہا ہے تمہارے لیے جمع ہو رہی ہے ہر ایک جو خرچ کرے گا اس کی انوسٹمنٹ منافع سمیت اسی کو لوٹائی جائے گی ''وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ '' اللہ تم سے زیادتی نہیں کرے گا اس لیے مت بھاگو کہ میرا بیٹا کیوں جہاد پر جائے میں کیوں دنیا کا سرمایہ اس پہ لگاؤں اور میں کیوں جدید ٹیکنالوجی سیکھوں مجھے تو دنیا میں موج کرنی ہے فرمایا دنیا موج کرنے کے لیے نہیں ہے موج کرنے کی زندگی میں تمہارا یہ سب سرمایہ جمع ہو کر تمہیں لوٹا دیا جائے گا لہٰذا مساجد میں جانا ہماری بنیادی ضرورت ہے کہ ہم پہلے مسلمان بنیں اور میدان عمل میں جانا اس لیے ضروری ہے کہ ہم قدرت کے زیادہ قریب ہو کر قدرتی وسائل کو حاصل کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قوم تیار کی تھی وہ دنیا کے مانے ہوئے عابد و زاہد دنیا کے بانے

ہوئے واعظ و مقرر، دنیا کے مانے ہوئے حفاظ و قاری، دنیا کے مانے ہوئے مفسر، محدث اور فقیہ، دنیا کے مانے ہوئے جرنیل دنیا کے مانے ہوئے سائنس دان اور فلاسفر، دنیا کے مانے ہوئے حکیم اور طبیب اور ہر شعبہ حیات میں ایک ایک بندہ صف اول کا انسان تھا لہٰذا مسلمان کی مثالی حیثیت وہی ہے جو مسلمان قرآن کے اولین مخاطب تھے جو مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے زمین پر بنا کر دکھائے آج بھی مسلمان قوم کی من حیثیت القوم یہ ذمہ داری ہے۔ والد کی ذمہ داری ہے کہ اولاد کو دین بھی سکھائے اور علوم جدیدہ سے بھی آراستہ کرے اور اسے مقصد حیات بھی سمجھائے۔ مساجد میں بیٹھے ہوئے حضرات کی ذمہ داری ہے کہ میدان عمل کے تقاضوں کو سمجھیں اور میدان عمل میں کام کرنے والے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ مساجد میں بیٹھنے والے حضرات سے تلاوت، قرات، دین کا، حلال حرام، جائز ناجائز کا علم حاصل کریں بجائے اس کے کہ ایک دوسرے پر پتھر پھینکتے رہیں دونوں کے پاس جو جو کچھ ہے وہ ایک دوسرے کے ساتھ تبدیل کریں۔

☆ ☆ ☆

عبادات:

سبق نمبر۱۲: سورۃ ھود

آیت ۱۱۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّہَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ ؕ

اور نماز کی پابندی رکھیں دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں۔

اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡہِبۡنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِکَ ذِکۡرٰی

بے شک نیک کام برے کاموں کو مٹا دیتے ہیں یہ بات نصیحت ماننے والوں کے لئے

لِلذّٰکِرِیۡنَ ﴿۱۱۴﴾

ایک نصیحت ہے۔

سورۃ ہود کی یہ آیت مبارکہ عبادات کے فلسفے پر اور اس کی ضرورت اور نتیجے پر بحث کرتی ہے آج کا مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ شاید اس پر عبادات کا بوجھ لاد دیا گیا ہے اور اس کی مصروفیات میں سے عبادات کے لیے بہت سا وقت لے لیا گیا ہے۔

اس عہد کے مسلمان کو مادیت پرستی کی دوڑ نے اور روحانی کیفیات سے دوری نے ایسے مقام پر لا کھڑا کیا ہے جہاں اسے عبادات بوجھ نظر آتی ہیں بلکہ میں نے ایک پڑھے لکھے مسلمان کے بارے سنا جو غالباً پاکستان میں اپنی دنیوی کوالیفیکیشن کے اعتبار سے اکیلا بندہ ہے وہ کہہ رہا تھا کہ لمحہ بہ لمحہ اللہ کریم نے اپنی مداخلت ہمارے اوقات میں گھسیڑ رکھی ہے، نماز پڑھو پھر اذان ہوگئی پھر نماز پڑھو۔ وہ اس بات سے ناراض ہو رہا تھا کہ ہماری جو مصروفیات ہیں ہمارا جو بہت سا کاروبار یا بزنس ہے جسے ہمیں بین الاقوامی سطح پر نبھانا ہوتا ہے اور ہر دو گھنٹے بعد اللہ کریم کی طرف سے حکم ہے کہ نماز پڑھو۔ بھئی اتنا وقت کہاں سے لائیں؟ اللہ کو کیا ضرورت پڑ گئی کہ اس نے ہمارے سارے دن بھر کے پروگرام ڈسٹرب کر دیئے اب ہر پروگرام میں نماز

کی (Provision) کہاں سے آئے۔ تو یہ سوچ کسی ایک آدمی کی نہیں بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس آدمی نے بات کرنے کی جرأت کی۔ یہ سوچ بہت سے مسلمانوں کی ہے ایک نادانی سے اس بات کے منفی نتائج یا اس میں جو نفرت ہے اس کی پروانہ کرتے ہوئے بات زبان پر لے آیا۔ یہ مسئلہ بہت سے لوگوں کا ہے، مردوں کا بھی خواتین کا بھی کہ یہ بڑی مصیبت ہے کہ ہر دو تین گھنٹے بعد پھر اذان ہو جاتی ہے پھر باقاعدہ وضو کرو پھر نماز پڑھو اور سارا اہتمام کرو تو آدمی کیا کرے۔ اس آیت مبارکہ میں رب کریم نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ پروردگار عالم کو تمہاری نمازوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر سارے بندے سجدہ نہ کریں تو اس کی شان میں کمی نہیں آجاتی اگر ساری مخلوق سر بسجود ہو جائے تو اسکی شان بڑھ نہیں جاتی۔ سجدہ کرنے سے سجدہ کرنے والے کو اس کی بارگاہ سے کچھ بھی نہ ملے تو جو ایک نماز سے دوسری نماز کے درمیان کوتاہیاں کر چکا ہے وہ ایسا کریم ہے کہ کم از کم وہ ضرور معاف کر دیتا ہے۔ ادائے شکر میں کمی تو بڑے بڑے اکابر سے ہو جاتی ہے (سوائے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جو معصوم عن الخطا ہیں) جو بہت بڑا جرم بن جاتی ہے۔ اب مادو شاسے تو بے شمار خطائیں ہوتی ہیں۔ ہم ایسی بات کہہ جاتے ہیں جو نامناسب ہے۔ ایسے کام کر جاتے ہیں، غیر شعوری طور پر جو ہمیں نہیں کرنا چاہئیں اور شعوری طور پر بھی اور جانتے بوجھتے ہوئے بھی بے شمار خطائیں ہم سے ہو جاتی ہیں۔ تو فرمایا:

وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ اپنے دن کے شروع اور آخر کو صلوٰۃ سے مزین کرو۔ قیام صلوٰۃ کا اہتمام کرو۔ اپنا دن اللہ کے نام سے اللہ کی عبادت سے اللہ کے سجدوں سے شروع کرو اور اپنا دن اللہ کے سجدوں پر ختم کرو۔ اس میں نماز کے اوقات ارشاد نہیں فرمائے گئے بلکہ اس میں اس کی وہ فلاسفی ارشاد فرمائی گئی ہے کہ رات جو سونے کے لیے ہے اس کا بڑا حصہ بھی تمہاری دنیاوی مصروفیات اور منصوبہ بندیوں کی نذر ہو جاتا ہے، مجالس میں بیٹھے گزر جاتا ہے، کسی کی سناتے گزر جاتا ہے تو:

زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ رات کا کچھ حصہ بھی جب گزر چکے اور تم سونے کی تیاری کرو تو آخری کام بھی اللہ کی عبادت ہی کرو۔ اس سے یہ ہوگا۔

اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡھِبۡنَ السَّیِّاٰتِ کہ نیکیاں برائیوں کو کھا جاتی ہیں۔ وہ قصور، وہ خطائیں اللہ جل شانہ سے تعلق میں جو کمزوری تمہاری کوتاہی سے یا تمہاری غفلت سے پیدا ہوتی ہے اس کو عبادت دور کر دیتی ہے اور اس کا یہ علاج ہے۔ اللہ سے تعلق کو مضبوط کرنے اللہ کی رحمت کو حاصل کرنے اللہ سے بخشش مانگنے اور اللہ کی اطاعت کا سب سے بہترین طریقہ تو عبادت ہی ہے۔

دوسری بات یہ کہ انسان کی تخلیق کا مقصد ہی معرفت الٰہی ہے۔ وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ (الذریت:۵۶) مفسرین اس کے نیچے لکھتے ہیں یعرفون۔ یعنی کہ وہ مجھے، میری عظمت کو، میری جلالت کو، میری شان کو، میرے انعامات کو پہچانے، مجھے جانے اور میرے سامنے سربسجود ہو تو وہ تخلیق انسانی کا مقصد ہے اس کے حصول کا ذریعہ بھی اللہ کی عبادت ہے اور عبادت میں سب سے مقدم فرائض ہیں اور نماز فرض ہے۔ ان سب کے علاوہ کم از کم جو فائدہ

عبادت گزار کو ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے دن عبادت سے شروع کیا تو اللہ کریم اسے نیکی کی توفیق عطا کر دیتے ہیں۔اب کام کاج کرتے اس سے خطا ہوتی ہے، کوتاہی ہوتی ہے تو واپس پھر بارگاہ الوہیت میں جاتا ہے، وضو کرتا ہے، اپنے آداب و شرائط کے ساتھ سر بسجود ہوتا ہے، اللہ سے اپنی نیاز مندی کا اظہار کرتا ہے تو اللہ کریم ہے کہ وہ پہلے سجدے سے لیکر اب تک جو اس سے خطائیں ہوگئیں وہ معاف فرما دیتا ہے۔ پھر وہ میدان عمل میں چلا جاتا ہے۔کام کاج کرتا ہے۔ایک تو اسے توفیق یہ نصیب ہو جاتی ہے کہ اسے گناہ سے یا برائی سے بچنے کی ایک طاقت ایک احساس ایک شعور حاصل ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی انسان ہے انسانی معاشرے میں کسی کوتاہی کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر واپس جب سجدہ کرنے کے لئے آتا ہے تو رحمت الٰہی ان دو سجدوں کے درمیان کی کوتاہی اسے پھر معاف کر دیتی ہے۔تو یہ انسان کی ضرورت ہے کہ وہ بار بار بارگاہ الوہیت میں سر نیاز جھکاتا رہے۔سر بسجود ہوتا رہے۔اس کی عظمت اور اپنی کمزوری کا اعتراف کرتا رہے تاکہ جو کمی اور کوتاہی ہوتی ہے اس کا ازالہ ہوتا رہے اور یہ وہ ایک پہلو ہے جو کم از کم حاصل ہوتا ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص رات کی عشاء کی نماز باجماعت ادا کرتا ہے اور پھر سو جاتا ہے اور فجر اُٹھ کر پھر باجماعت ادا کر لیتا ہے تو اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں ملائکہ کو کہ اس کی ساری رات عبادت میں شمار کی جائے اسی طرح فجر سے جب وہ فارغ ہو کر ظہر کا انتظام کرتا ہے اور ظہر کی نماز میں شامل ہوتا ہے تو فجر سے ظہر تک اسے نمازی شمار کیا جاتا ہے۔ظہر کے بعد پھر وہ عصر کا انتظار کر رہا ہوتا ہے تو من جانب اللہ یہ ارشاد ہوتا ہے کہ جو اگلی نماز کے لئے منتظر ہے اور اس کا اہتمام رکھتا ہے اسے نماز سے فارغ تصور نہ کیا جائے تو یوں دنیاوی کاروبار کرتے ہوئے عملی زندگی میں اپنا حصہ ادا کرتے ہوئے ہمہ وقت سر بسجود بھی رہتا ہے۔

انسانی معاشرے میں دو طاقتیں ہیں۔معاشرہ دنیوی اعتبار سے مادی ہے اور مکلف بذات یہاں وجود ہے مادہ ہے۔مادی زندگی ہے اور اس کے کردار ہیں لیکن یہ سارا مادی نظام روحانیت سے الگ ہو کر چل نہیں سکتا بدن سے روح کو نکال دیا جائے تو بدن کا مادہ بھی منتشر ہو جاتا ہے وہ کسی کا کام نہیں رہتا۔اسلام ایک ایسا معتدل مذہب ہے کہ اس نے یہ نہیں کہا کہ چونکہ روحانیت بہت پاکیزہ بہت اعلیٰ بہت ارفع مقصد ہے لہٰذا مادی زندگی کو تج دو اور سارے روحانیت کے درپے ہو جاؤ۔ اب اگر انسان زندگی کی طرف نہیں جاتا جبکہ مادی زندگی میں عملی طور پر حصہ لینے کا مکلف ہے تو اگر بالکل چھوڑ دے گا تو پھر اسکی بقا کا کیا ہوگا۔اگر اس کے کاموں میں اس کے کردار میں پختگی نہیں ہوگی جو مادے کے ساتھ روحانیت کو بھی برقرار رکھ سکے۔مثلاً بات کرنے میں اگر روحانیت نہیں ہوگی تو پھر سچ اور جھوٹ کی تمیز نہیں کرے گا مادی فوائد کے لیے وہ بات کرے گا خواہ وہ سچ ہے یا جھوٹ لیکن اگر اس کے وجود میں روحانی اقدار بھی ہیں جو جھوٹ سے مجروح ہوں گی تو فی الوقت وہ مادی نقصان برداشت کر لے گا لیکن بات سچی کرے گا کہ اس کی روحانیت تباہ نہ ہو۔تو یوں معاشرے میں ایک معتدل یا ایک خوبصورت کردار تخلیق پائے گا۔مسلمان بہتر انسان کا نام ہے انسانی زندگی میں انسانی کردار میں دوسروں سے جو بہت اچھا ہے

وہ مسلمان ہے اور یہ اچھائی تب ہی پیدا ہوگی کہ وہ زندگی کو متوازن رکھ سکے پھر اللہ کریم کا احسان یہ ہے کہ اگر وہ روحانی اقدار کو ساتھ رکھے گا تو مادی کردار میں اس سے جو کوتاہیاں ہوں گی ان سے بجائے اس کے کہ اس کی روحانیت مجروح ہو اس کی وہ کوتاہیاں معاف کر دی جائیں گی اور اس کی روحانیت ہر سجدے اور ہر عبادت کے ساتھ مزید پختہ ہوتی چلی جائے گی۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب کریم نے شرف معراج سے نوازا تو ان بلندیوں پر یا اپنے قرب کے ان لمحوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے بھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت کے لیے بھی جو انعام عطا فرمایا وہ یہ صلوۃ ہے اسلئے ارشاد باری ہے کہ:

اَلصَّلٰوۃُ مَعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ (روح المعانی) یعنی مومن کے لیے قرب الٰہی کا سب سے اعلیٰ لمحہ وہ جب وہ سر بسجود ہوتا ہے۔ جب وہ اللہ کے لیے دست بستہ باوضو قبلہ رو نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اسے اتنا قرب حاصل ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اِنَّہ یُنَاجِی رَبَّہٗ اَوْ لَمَا قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم (کنز العمال) کہ نمازی اپنے پروردگار سے سرگوشی میں بات کر رہا ہوتا ہے اتنے قریب ہوتا ہے جیسے کسی سے سرگوشی میں بات کی جاتی ہے اسی طرح وہ اپنے دل کا حال اپنی ضرورتیں اپنی کیفیات اور اپنی گزارشات رب جلیل کو پیش کر رہا ہوتا ہے تو اس نظر سے اگر دیکھا جائے تو پانچ بھی کم پڑتی ہیں۔ لیکن اللہ کا یہ احسان ہوا کہ اللہ کریم تو نے پچاس فرض فرمائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست پر کہ شاید اتنا حضوری کا بوجھ عام مسلمان برداشت نہ کر سکے تو رعایت ہوتے ہوتے پانچ مقرر کر دی گئیں لیکن ارشاد باری یہ ہوا کہ یہ پانچ ادا کرنے والا فوائد پچاس کے حاصل کرے گا۔ یعنی بندے کی طرف سے جو محنت تھی اس میں پانچ گنا اپنی طرف سے جو عطا تھی اسے دس گنا ہی رہنے دیا گیا اس میں اللہ کریم نے کمی نہیں فرمائی۔

اب ہمارا ایک عام حال یہ ہے کہ ہم بڑے آرام سے کہہ دیتے ہیں کہ فلاں نمازی غلط کام کرتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ نمازی کو احتیاط کرنی چاہیے کہ وہ غلط نہ کرے لیکن اگر وہ غلط کرتا ہے تو روکنا اس غلطی سے چاہیے کہ بھئی نماز پڑھتے ہو اور نماز کے لوازمات کا اس کے نتائج کا خیال رکھو اور آپ کو زیب نہیں دیتا کہ یہ غلطی کریں یہ غلطی چھوڑ دو ہمارا انداز یہ ہوتا ہے کہ اس سے نماز چھڑوا دیتے ہیں کہ تم ایسا کرتے ہو پھر نمازیں پڑھنے کا کیا فائدہ یعنی برائی سے کوئی منع نہیں کرتا وہ کرتے رہو نماز چھوڑ دو۔ ایک آدمی نے داڑھی رکھی ہوئی ہے جی یہ سودا غلط بیچتا ہے اب اس داڑھی پر طنز ہو رہا ہوگا بھئی جو اچھا کام اس نے کیا ہوا ہے وہ تو اچھا ہے اس کے ساتھ جو کوتاہی کر رہا ہے چاہیے تو یہ کہ وہ کوتاہی اس سے چھڑائی جائے ہمارے ہاں رواج یہ ہو گیا ہے کہ برائی کو نہیں نیکی چھڑانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

دوسری بات کہ اس آیہ کریمہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر کوئی مسلسل برائی کرتا ہے نمازیں بھی پڑھتا ہے تو وہ رسم ادا کر رہا ہے نماز ادا نہیں کر رہا چونکہ نماز کی یا عبادات کی یا نیکی کی خصوصیت یہ ہے کہ جب نیکی کی جاتی ہے تو برائیوں کا گراف کم

ہونے لگتا ہے اور آدمی برائیاں چھوڑنا شروع کر دیتا ہے اب ہمارے پاس کوئی سند نہیں ہے کہ ہم نے جو نماز پڑھی وہ قبول ہوئی ہے یا نہیں جو نیکی کی وہ اللہ پاک کو قبول ہوئی ہے یا نہیں اس کا کوئی سرٹیفکیٹ نہیں چونکہ برائی کی نشان دہی کر دی گئی تو برائی کے لیے کوئی منظوری حاصل کرنا نہیں پڑتی جب صادر ہو گئی تو ہو گئی نیکی کے لیے صرف اس کا صدر ہی نہیں ہے نیکی صادر ہونے کے بعد اس کا منظور ہونا بھی شرط ہے اس کی منظوری کی شرائط یہ ہیں کہ اس میں خلوص ہو خشوع و خضوع ہو للہیت ہو تو اب ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے کہ ہم جان سکیں جو عبادات میں کرتا ہوں وہ منظور بھی ہوتی ہیں کہ نہیں لیکن اس آیہ کریمہ نے ہمیں یہ آئینہ بھی دے دیا کہ اگر تمہاری نیکیاں عنداللہ مقبول ہیں تو ان کا یہ نتیجہ ضرور دیکھو گے کہ تم برائیوں سے متنفر ہوتے جاؤ گے۔ تاریکی سے روشنی کی طرف تمہارا سفر شروع ہو جائے گا اگر دن میں کوئی پچاس برائیاں کرتا تھا وہ انچاس پر آ گیا تو بھی اس کی نیکی کچھ کام کر گئی لیکن اگر برائی پچاس سے بچپن پر جا رہی ہے تو اسکا مطلب ہے کہ جو عبادت وہ کرتا ہے وہ عبادت نہیں ہے اس کے ادا کرنے کا طریقہ صحیح نہیں ہے یا اس کی نیت میں خلوص نہیں ہے دکھاوے کے لیے کر رہا ہے یا اس میں کوئی نہ کوئی ایسی خامی ہے کہ وہ رسم ادا کر رہا ہے اور وہ عبادت اس کی صحیح نہیں ہو رہی تو یہ آئینہ بھی اس آیہ کریمہ نے دے دیا کہ ہم عبادات کو اپنی نیکیوں کو اس طرح سے بھی پرکھتے رہیں کہ نیکی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ برائیاں کم ہونے لگتی ہیں اور جو ہو چکی ہیں اللہ کریم معاف فرما دیتے ہیں برائی کی مثال ایسے ہوتی ہے جیسے زخم لگتا ہے اور جب وہ بھر جائے تو وہ جگہ دوسری جگہ سے زیادہ حساس ہو جاتی ہے نئی جلد زیادہ دکھتی ہے۔ آدمی جب گناہ کرتا ہے اگر اس کی توجہ قبول ہو جائے تو دوبارہ وہ گناہ کرتے ہوئے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ ضمیر زیادہ جھنجھوڑتا ہے جس طرح نئی جلد زیادہ حساس ہوتی ہے زیادہ درد ہوتا ہے اسطرح گناہ کرنے سے اسے زیادہ بیزاری ہوتی ہے اور یوں وہ گناہ سے باز آنے کے لیے نیکی کی طرف چل پڑتا ہے۔ تو عبادات کا یہ معیار بھی اس آیہ کریمہ نے دے دیا اور بخشش الٰہی کو پانے کے لئے ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور احکام الٰہی پر عمل پیرا ہونا چاہیے رسومات پر نہیں اب ہمارے ہاں رواج ہے کہ اہم ادھار لے کر جھوٹ بول کر حکومت سے رعایت لے کر کوئی ہیرا پھیری کر کے حج پر چلے جاتے ہیں۔ اب ایک آدمی کے پاس پیسے نہیں ہیں تو اس پر حج فرض نہیں ہے تو جو بات اس پر فرض ہی نہیں ہے اس کے لیے مزید تکلف کرنے کی اور جھوٹ بولنے کی اور ناجائز رعایتیں لینے کی کیا ضرورت ہے۔ حج کے فضائل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اگر کوئی اشراق تک وہیں بیٹھا رہے اور اشراق ادا کر کے نکلے تو صرف حج کا نہیں حج اور عمرہ دونوں کا ثواب اسے مل جاتا ہے اگر رضائے الٰہی ہی مقصود ہے تو پھر ہم روزانہ حج اور عمرہ کر سکتے ہیں اور اگر اس کا اہتمام ہم نہیں کرتے تو پھر مکہ مکرمہ جا کر بھی کیا ہو گا مکہ والے حج کی فضیلت بھی تو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی بتائی ہے کس نے کہاں سے گھڑ لی۔

اسی طرح غریب آدمی کے لیے جس کے پاس وسائل نہیں ہیں حج پر جانے کی طرح اہتمام کر کے جامع مسجد آنا اور

جمعہ کی نماز ادا کرنا حج کا ثواب ہے اگر کسی دولت مند کے لیے عمر میں ایک حج ہے تو جس کے پاس وسائل نہیں ہیں اس کے لیے مہینے میں چار حج ہیں وہاں آنے کے لیے ہم دیکھتے رہتے ہیں کہ جب نماز کا وقت ہوگا چلے جائیں گے اور بیٹھک کر کے آجائیں گے دلچسپی کی بجائے ہمیں وہ بوجھ محسوس ہوتا ہے اور اب جب سے حکومت نے جمعہ کی چھٹی کر دی ہے تو ساری مصروفیات جمعہ کے دن پر آگئی ہیں۔ باقی چھ دن وہ دفاتر یا کاروبار پہ ہوتے ہیں تو وہ جو غیر اسلامی حکومت میں جمعہ پڑھنے کا اہتمام تھا وہ بھی جاتا رہا چھٹی اتوار کو ہوتی تھی اور جمعہ کو آدھی چھٹی ہوتی تھی تو لوگ دفتر سے فارغ ہو کر مسجد چلے جاتے تھے اور جو کام کاج ہفتے بھر کے ہوتے تھے وہ اتوار کے دن کرتے تھے حکومت کو اور تو اسلام نافذ کرنے کو کچھ نہ ملا اور جمعہ کو چھٹی کرنے کا اسلام انہیں بڑا پسند آیا فوراً بھٹو صاحب نے حکم کر دیا کہ جمعہ چھٹی ہوگی اس کا فائدہ مسلمانوں کو یہ ہوا کہ وہ ہفتے بھر کے کام خصوصاً شادی بیاہ بالا اہتمام جمعہ کے دن کیا جاتا ہے موت تو کسی کے پروگرام کے مطابق آتی نہیں ورنہ لوگ جمعہ کو ہی مرنا شروع کرتے تو جو مصروفیات لوگ کرتے ہیں وہ ساری جمعہ کو آگئی ہیں اور جمعہ کی نماز کا جو اہتمام تھا وہ بھی گیا۔

اب باقی جو فرائض بندے کے ذمے ہیں روزی کا کمانا بچوں کی پرورش۔ معاشرے کے۔ برادری کے۔ قوم کے۔ ملک کے ان کی فکر نہیں کی جاتی اور حج کے لیے بھاگ رہے ہیں جو اس پر فرض ہی نہیں ہے زیادہ کوشش وہ کرتے ہیں زیادہ شور وہ ڈالتے ہیں جن پر فرض ہی نہیں ہے اور جن پر فرض ہے وہ کم و بیش ہی جاتے ہیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے جن پر حج فرض ہے وہ اتنی پرواہ نہیں کرتے وہ یورپ وغیرہ زیادہ جاتے ہیں اور جن کے پاس کھانے کو نہیں ہے انہیں یہ فکر لگی ہوتی ہے کہ کسی سے ادھار لیں۔ حکومت سے رعایت کرائیں فلاں سے لیں اور حج پر چلے جائیں، تو پچھلے دنوں یہاں ایک صاحب میرے پاس بھی رقعہ لے کر آئے کہ آپ وزارت حج کو کہہ کر مجھے حج پر بھجوائیں میں نے کہا بھئی جا کر کیا کرو گے تمہارے پاس پیسے ہی نہیں ہیں تم پر حج فرض ہی نہیں۔ یہاں آپ کے ذمے جو فرائض ہیں ان سے آپ فارغ ہو گئے یہاں سے تو چلے گئے لیکن جا کر چٹھی لکھی میں نے کہا یار اللہ تجھے کبھی نہ لے جائے میں تجھے سفارشی چٹھی لکھ دیتا ہوں اب بعد میں پتہ نہیں گیا یا نہیں میں نے لکھا یہی تھا کہ خدا کرے کبھی نہ جا سکو اس لیے کہ ناجائز ذرائع سے اور اسطرح سفارشیں کرا کے جانے کا فائدہ۔ عبادت ہے یا کوئی ہیرا پھیری ہے یہ بھی کوئی ناجائز مراعات لینے کا ذریعہ ہے تو ہم اللہ کی رضا پانے کی بجائے اپنے نام کے ساتھ حاجی یا نمازی یا پیر صاحب یا حضرت صاحب یا بزرگ لگوانے کے لیے زیادہ عبادات کو رسومات پر لے جاتے ہیں۔ اسلام رسومات کا مذہب نہیں ہے یہ حقائق کا مذہب ہے۔

اسلام کی بنیاد اس بات پر ہے کہ انسانی زندگی کی اصل اخروی زندگی ہے۔ دنیوی زندگی ایک آزمائش ہے ایک امتحان ہے اور اس آزمائش اور امتحان گاہ میں اسطرح سے بسر کرو جس طرح اللہ اور اللہ کے رسول فرمائی ہے تاکہ تم ابدی اور دائمی زندگی میں سرخرو ہو سکو قرب الٰہی کو پا سکو رضائے الٰہی کے مزے لوٹو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی بارگاہ کی حاضری نصیب ہو تمہیں راحت اور آخرت کی عزت و وقار نصیب ہو تو اس حقیقی زندگی کو یا مقصد کو پانے کا سب سے موثر ذریعہ پنجگانہ عبادات ہیں فرائض ہیں اب اگر ہمیں یہ بوجھ لگنے لگ گئے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی حقیقی زندگی یا انسانی زندگی سے یا روحانیت سے اتنے دور چلے گئے ہیں اور مادی زندگی میں اس قدر الجھ گئے ہیں کہ روحانیت کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹ رہا ہے اگر یہ چھوٹ جائے تو پھر انسان انسان نہیں رہتا اللہ کریم نے سورۃ التین میں چار قسمیں ارشاد فرمائیں اور یہ یاد رہے کہ کسی بات پر جو قسم اٹھائی جاتی ہے اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جس کی میں قسم دے رہا ہوں وہ اس اس واقعہ کا شاہد ہے اس لیے شرعاً حکم ہے کہ اللہ کریم کے علاوہ کسی کی قسم نہ اُٹھائی جائے تیری قسم۔ ترے سر کی قسم یہ سب حرام ہیں اللہ کے سوا کسی کی قسم نہ اُٹھائے لیکن رب نے مخلوق کی قسم کیوں اٹھائی اللہ کو کسی قسم کی ضرورت نہیں تھی اللہ نے وہ گواہ پیش کئے اب اس سورۃ مبارکہ میں چار گواہ ہیں۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ○ تین اور زیتون انجیر اور زیتون یہ دو ایسی چیزیں ہیں کہ انجیر کھانے سے کوئی بلغمی مرض وجود میں نہیں رہتا اور زیتون کھانے سے سارا نظام ہضم درست ہو کر سارے جسمانی نظام خون کو صاف کر دیتا ہے جب کولیسٹرول وغیرہ کو کوئی نہیں جانتا تھا تب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زیتون اور روغن زیتون استعمال فرماتے تھے اور استعمال کرنے کا حکم دیتے تھے آج میڈیکل سائنس بھی یہ کہتی ہے کہ یہ جتنی کولیسٹرول یا ہائی بلڈ پریشر قسم کی خرابیاں خون کی ہیں ان سب کا بہترین علاج زیتون اور زیتون کا تیل ہے۔ تو گویا یہ دونوں پھل التین اور زیتون انسان کے فزیکل سٹرکچر کو سنوارتے ہیں صحت مند کرتے ہیں تو اللہ نے فرمایا یہ دو گواہ ہیں انسانی مادی وجود پر۔

وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ○ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ○ تو طور اور مکہ مکرمہ روحانی جلا حاصل کرنے کے گواہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اور ان کی امت نے اور بے شمار مخلوق الٰہی نے اس طور کی نسبت سے اپنی روحانی جلا حاصل کی اور ساری مخلوق اس بلد امین کے طفیل اپنی روحانی جلا اور روحانی روشنی حاصل کر رہی ہے تو اللہ کریم نے دونوں برابر برابر رکھے دو گواہ مادی وجود کو سنوارنے والے اور دو گواہ روحانی زندگی کو جلا بخشنے والے فرمایا یہ چاروں گواہ ہیں اس بات پر کہ۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ○ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت اندازوں سے پیدا کیا ہے۔ بہت خوبصورت انداز سے اس میں سارے اوصاف اور سارے کمالات رکھے ہیں۔ باطنی کمالات اور اس میں جو کمزوریاں ہیں ان کا بھی حسین امتزاج بنا دیا اب جب وہ روحانی پہلو چھوڑ دیتا ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ ○ تو پھر وہ سب سے نیچے گر جاتا ہے پھر وہ کتوں، بندروں ریچھوں اور خنزیروں سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ ○ سب سے نیچے چلا جاتا ہے۔ اب آپ تجزیہ کر کے دیکھ لیجئے کہ ہر برے جانور میں بھی کوئی ایک آدھ بری خصلت ہوتی ہے جس پر وہ زندگی بھر عمل پیرا ہوتا ہے۔ سانپ میں ڈسنے کی عادت نہ ہو تو پھر سانپ کسی

کا کیا بگاڑ رہا ہے اسطرح شیر میں درندگی ہے لیکن وہ کبھی تفریح طبع کے لیے خون خرابا نہیں کرتا جب بھوکا ہوگا تو کسی کو چیرے پھاڑے گا اس کا پیٹ بھرا ہوا ہو تو آپ (Documentaries) دیکھیں اس کے اوپر سے ہرن گزر رہے ہوں وہ پرواہ نہیں کرتا یعنی ہر درندے میں بھی ہر برے سے برے جانور میں بھی کوئی ایک بری خصلت ہے لیکن جب روحانیت کا پہلو انسان کے ہاتھ سے نکلتا ہے تو اس میں اتنی برائیاں جمع ہو جاتی ہیں کہ سارے جانوروں کی بری خصوصیتوں سے بھر جاتا ہے محض شغل کے لئے محض اپنی انا کو منوانے کے لیے دنیا کو تباہ کر دیتا ہے اور اب ہٹلر کو صرف یہ سوجھی کہ لوگ مانیں کہ ہٹلر سب سے بڑا آدمی تھا اس نے ساری دنیا کو جنگ عظیم کی تباہی میں دھکیل دیا روئے زمین پر لاکھوں انسان مارے گئے۔ امریکہ کو اب یہ وہم ہو چلا ہے کہ میں انسانیت کا پولیس میں ہوں اور ہر جگہ انصاف کرنا اور ہر ایک کی فریاد سننا اور ہر ایک کی دادرسی کرنا میرا کام ہے دنیا کے ایک سرے سے لیکر جاپان سے سپین تک افریقہ سے سائبیریا تک امریکہ کے منصوبوں پر انسانیت قتل ہو رہی ہے اور لوگ تباہ ہو رہے ہیں کوئی ملک ایسا نہیں جہاں اس کی منصوبہ بندی سے قتل وغارت نہ ہو رہی ہو اب کروڑوں لوگوں کو مارنے کا اسے کیا حاصل ہے اب اگر اس میں روحانی پہلو بھی ہو اور انسانی اقدار بھی ہوں تو اتنی مخلوق کو کیوں تباہ کرے۔ اب نچلی سطح پر چلے آئیں تو ایک عام آدمی کسی کی جیب کاٹ لیتا ہے کسی کو ڈاکے میں گولی مار دیتا ہے کوئی درندہ بھی اس طرح نہیں کرتا جتنی درندگی کا مظاہرہ انسان کرتا ہے۔ یعنی جب اس نے روحانی پہلو چھوڑ دیا تو ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ O پھر اس میں اتنی برائیاں جمع ہو جاتی ہیں کہ کسی درندے اور موذی جانور میں بھی نہیں ہوتیں۔

یہ عبادات بچگانہ فرائض ہیں یہ بوجھ نہیں ہیں یہ ہماری ضرورت ہے اور اللہ کریم کا احسان ہے کہ اس نے ہمارے ذمے مشقت اور مجاہدہ تھوڑا لگایا اور انعامات بے پناہ عطا فرمائے۔ چونکہ دینا اس کے ذمے تھا اس نے عطا اپنی شان کے مطابق رکھی۔ کام کرنا ہمارے ذمے تھا تو محنت و مزدوری ہماری کمزوری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طرح کی رکھی تو فرمایا: ذالک ذکریٰ للذاکرین O اگر نصیحت حاصل کرنے والا مزاج کسی میں باقی ہو اس کا ضمیر تباہ نہ ہو چکا ہو اس کا مزاج بگڑ نہ چکا ہو تو یہ بہت بڑی نصیحت ہے کہ فرائض بچگانہ کی اہمیت کو سمجھ لے اور ان سے جو نتائج حاصل ہونے چاہئیں جو مفادات ان سے وابستہ ہیں ان کو حاصل کرے اللہ کریم ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے نہ صرف سمجھنے کی بلکہ عمل کرنے کی اور اس سے مستفید ہونے کی۔

☆ ☆ ☆

عبادات:

سبق نمبر۱۳: سورۃ الرعد

آیت ۲۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَالَّذِیۡنَ صَبَرُوا ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ رَبِّہِمۡ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ

اور جو لوگ اپنے پروردگار کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے (گناہ سے) صبر کرتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں

اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً وَّیَدۡرَءُوۡنَ

اور جو روزی ہم نے ان کو دی ہے اس میں سے پوشیدہ بھی ظاہر بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور نیکی سے

بِالۡحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عُقۡبَی الدَّارِ ﴿۲۲﴾

برائی کو دور کرتے ہیں ان ہی لوگوں کے لئے عاقبت کا گھر ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ صَبَرُوا ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ رَبِّہِمۡ اللہ جل شانہٗ کی اس کائنات میں نظام ہی ایسا ترتیب دیا گیا ہے کہ انسان کے ساتھ بہت سی ضروریات لگا دیں اسے عقل دی اپنی ضروریات کو سمجھنے کا شعور دیا اور انہیں پورا کرنے کے ذرائع کو تلاش کرنے کا شعور بھی بخشا اب انہی ضروریات کو پورا کرنے کے ذرائع کا ایک ضابطہ معین فرما دیا اس ضابطے سے ہٹ کر اگر کوئی محض اپنی غرض کی تکمیل چاہے گا تو وہ مجرم ہے لیکن اگر کوئی اپنی ضرورت بھی پوری کرتا ہے اور کرتا اس قاعدے کے مطابق ہے جو اللہ نے ارشاد فرما دیا تو وہ اللہ کا اطاعت گزار ہے۔ تو اس بات پر قائم رہنے کے لیے کہ اللہ کا ارشاد فرمایا ہوا طریقہ ٹوٹنے نہ پائے یا اس کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے انسان کو صبر کرنا پڑتا ہے۔ صبر کیا ہے؟ صبر کا لفظی معنی بنتا ہے۔ بھاگتے ہوئے گھوڑے کی لگام کھینچ لینا اور اسے روک لینا یا دوڑتی ہوئی گاڑی کو بریک لگا کر کھڑا کر لینا تو ہمارے ہاں چونکہ یہ ایک رواج ہو گیا ہے کہ کسی کا کوئی نقصان ہو جائے یا اسے کوئی ایذا پہنچے اور وہ اس پر جزع فزع نہ کرے واویلا نہ مچائے تو اس کی خاموشی کو صبر کہہ دیا جاتا ہے یہ صبر کا مفہوم نہیں ہے۔

ایسے لوگ اپنے آپ کو اپنی طاقت کو اپنی عقل کو اپنے وہ ذرائع جو ان کے قبضہ قدرت میں ہیں ان کو روک کر۔ تھا، کر صرف اس راستے پر چلاتے ہیں جو اللہ جل شانہٗ کے بتائے ہوئے قاعدے کے مطابق ہے اور یہ سب اس لیے کرتے ہیں کہ اِبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ اپنے پروردگار کی اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے یعنی وہ ناجائز ذرائع سے پیسہ جمع کر سکتے ہیں لیکن اپنے آپ کو ایسا کرنے سے روک لیتے ہیں رشوت نہیں لیتے چوری نہیں کرتے جھوٹ نہیں بولتے اور حلال ذرائع سے رزق حاصل کرتے ہیں اس لیے کہ اللہ کریم ناراض نہ ہوں یہی حال باقی تمام معاملات میں بھی ہے۔ وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وہ لوگ جو اپنے آپ کو تھام کر چلتے ہیں حوصلے سے چلتے ہیں اور صرف اس طریقہ حیات کو اختیار کرتے ہیں جو اللہ کا ارشاد فرمایا ہوا ہے اور وہ ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ کی رضا کے طالب ہیں۔

وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ اللہ کی عبادات پہ قائم رہتے ہیں وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ اور جو نعمتیں اللہ نے انہیں دے رکھی ہیں وہ طاقت ہے یا علم ہے یا دولت ہے بولنے کی قوت ہے یا کوئی کام کرنے کی۔ حکومت ہے یا ان کے پاس اقتدار و اختیار ہے اسکا استعمال بھی اللہ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق کرتے ہیں۔ انفاق کرتے ہیں۔ انفاق ہوتا ہے اپنے پاس جو نعمت موجود ہے اسے اللہ کے بنائے ہوئے قاعدے کے مطابق خرچ کرنا اس میں صرف معاشیات کی یا مال و دولت کی بات نہیں ہے چونکہ انسان کے پاس بے شمار سرمایہ ہے کسی کے پاس علم ہے کبھی اس کے پاس اقتدار ہوتا ہے کبھی اس کے پاس طاقت ہوتی ہے تو جو کچھ بھی اللہ کی طرف سے عطا کردہ کمالات یا اوصاف کسی بندے میں ہیں ان سے وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتا بلکہ اطاعت الٰہی کا کام لیتا ہے اور اللہ کے احکام کی ترویج کا کام لیتا ہے۔

سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً خواہ وہ کام پوشیدہ ہو یا سر محفل وہ بہر حال اللہ کے قانون کے مطابق کرتے ہیں اور نیکی پھیلا کر برائی کو ختم کرتے ہیں، یہ نہیں کہ برائی کے مقابلے میں وہ بھی برائی شروع کر دیتے ہیں برائی کو ختم کرنے کا اسلامی اور شرعی قاعدہ یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں نیکی کو رواج دیا جائے اگر ایک آدمی برائی کرتا ہے اس کے مقابلے میں دوسرا برائی ہی کرے گا تو وہ اس دعوے سے بھی کرے کہ اسے روکنا چاہتا ہوں تو بہر حال برائی تو اپنی جگہ بڑھ رہی ہے پہلے ایک آدمی کر رہا تھا پھر کرنے لگ گئے یا پہلے ایک جماعت کر رہی تھی پھر دوسری جماعت نے اس لیے شروع کر دی کہ وہ روکنا چاہتی ہے تو نتیجہ ہو گا رکے گی یا نہیں وہ بعد کی بات ہے فی الحال تو برائی میں اضافہ ہو گیا تو اسلامی طریق یہ ہے کہ جہاں برائی ہوتی ہے وہاں برائی کی جگہ نیکی پھیلائی جائے۔ زندگی ایک بہاؤ ہے زندگی میں ایک نظام ایسا قادر مطلق نے ترتیب دے دیا ہے کہ آپ روک نہیں سکتے آپ کسی سے کہیں کہ اب سانسیں لینا بند کر دو بعد میں لے لینا تو یہ ممکن نہیں ہے آپ کسی سے کہیں کہ بند کر دو بعد میں دیکھ لینا یہ ممکن نہیں ہے زندگی چلتی رہے گی آپ کہتے ہیں دل کی دھڑکن روک لو پھر چلا لینا ایسا نہیں ہو گا۔

اسلام نے کسی بھی انسانی ضرورت کو روکا نہیں ہے منع نہیں کیا اس پر بند نہیں باندھا بلکہ خوبصورت متبادل را

دیے ہیں جو آسان بھی ہیں آبرومندانہ بھی ہیں۔ آپ پوری انسانی زندگی کو دیکھ لیجیے جتنی انسانی بدن کی یا انسانی زندگی کی ضروریات ہیں ان میں سے اسلام نے پیسہ کمانے سے یا گھر بنانے سے یا بچے پالنے سے یا اچھا کھانے سے یا اچھا پہننے سے آرام سے رہنے سے کہیں روکا نہیں ہے۔ ہر کام کے کرنے کا ایک خوبصورت انداز دیا ہے متبادل راستہ دیا ہے جو آسان بھی ہے اور اس میں عزت و آبرو بھی ہے اور انسان کے لیے سہولیات بھی تو برائی اگر ماحول میں ہو رہی ہے تو آپ اس کے سامنے کوئی ایسی دیوار نہیں کھینچ سکتے کہ پھر نہیں ہوگی بلکہ اس کے مقابل اسی کام کو کرنے کا صحیح انداز جب آپ پیش کریں گے تو یہ ایک متبادل خوبصورت راستہ ہوگا اور یہی اسلامی تعلیمات ہیں اور یہی اسلامی طرز حیات ہے فرمایا:

وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ برائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں۔ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ایسے لوگوں کے لیے آخرت کا گھر ہے۔ یہ لوگ جو حقیقی زندگی کو پانیوالے یا کامیابی کو پانے والے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ کوئی آدمی جو نیکی کرتا ہے یا فرائض پنجگانہ باقاعدگی سے ادا کرتا ہے یا جھوٹ نہیں بولتا اس پر کوئی تکلیف نہیں آنی چاہیے یہ اس دور کا عجیب واہمہ ہے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ مصائب اس پہ زیادہ آنے چاہئیں اگر اس راستے میں دنیوی تکالیف نہ ہوں یا خواہشات کو روکنا نہ پڑے تو ہر آدمی فطری طور پر نیکی کی طرف چلتا جائے اگر عام انسان نیکی کی طرف نہیں جاتا بھلے کام نہیں کرتا تو اس کے پاس طاقت نہیں ہے اللہ پر اعتماد کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی آپ صلی علیہ وسلم کی پیروی کی جو بہت بڑا سبب ہے نیکی کے راستے پر چلنے کا۔ اگر یہ کسی کو مہیا نہیں تو وہ اس راستے کی طرف جاتا ہی نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر اتنے انجن لگتے ہیں اس گاڑی کو چلانے کے لیے تو یہ راستہ یقیناً چڑھائی کی طرف ہوگا یا اس کی طرف زور لگتا ہوگا یا کچھ طاقت خرچ ہوتی ہوگی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے کلمہ پڑھ لیا تو ڈھلوان شروع ہوگئی اب ہمیں بخار بھی نہیں ہونا چاہئے کھانسی بھی نہیں لگنی چاہیے کاروبار میں بھی نقصان نہیں ہونا چاہیے۔ بس ہمارے سارے کام آٹومیٹیکلی (Auto matically) سیدھے ہوتے چلے جائیں اگر ایسا ہوتا تو فطرتاً انسان سہولت پسند ہے ہر آدمی کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ وہ تھوڑا کرے اور اسے حاصل بہت سا ہو جائے محنت تھوڑی کرنی پڑے اور دولت بہت زیادہ مل جائے کام تھوڑا کرنا پڑے سہولتیں زیادہ مل جائیں پھر تو اس کا مطلب ہے کہ ہر آدمی اسی طرف بہتا چلا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ کریم نے جب جنت پیدا فرمائی تو فرشتوں کو اسے دیکھنے کی دعوت دی انہوں نے دیکھ کر عرض کی کہ بارالہا کوئی بھی یہاں سے باہر نہ رہ سکے گا۔ اتنی نعمتیں۔ اتنے انعامات۔ اتنی سہولیات اور اتنی موج ہے کہ کوئی ایسا بندہ نہیں ہوگا جو اس تک نہ پہنچے پھر اسے آزمائشوں اور مصیبتوں اور تکالیف سے ڈھانپ دیا اللہ کریم نے فرمایا اب دیکھو پھر جب دیکھا تو کہنے لگے کہ کوئی بڑی ہی ہمت سے تیری ذات پر بھروسہ کر کے تجھ پر ایمان رکھ کے تیری رحمت سے یہاں تک پہنچے گا۔ یہ بات انسانی بس میں نہیں۔

جب دوزخ پیدا فرمائی گئی فرشتوں کو دکھائی گئی تو وہ کہنے لگے کہ اللہ ایسا بدبخت کون ہوگا جو اس تک آئیگا اور اس

میں گرے گا۔ رب کریم نے خوبصورت خوبصورت رنگین رنگین خواہشات سے اسے ڈھانپ دیا پھر دیکھ کر کہنے لگے کہ بارالہا کوئی بڑا ہی باہمت شخص ہوگا جو اس سے بچ سکے گا۔ چونکہ عین جہنم میں گرنے تک تو رنگا رنگ خواہشات میں لپٹا ہوا ان خوابوں کو دیکھتا ہوا ان امیدوں کا دامن تھامتا ہوا چلتا جائیگا اسے تو تب پتہ چلے گا جب موت اس کی رسی کاٹ دے گی اور وہ دھڑام سے اس میں جا گرے گا اور وہاں سے واپسی کا راستہ نہیں پائے گا تو ان خواہشات کو روکنے کے لئے ان کو تھامنے کے لیے اللہ کے ساتھ ایمان کی ضرورت ہے جو بحمد اللہ مومن کو نصیب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان اور عشق ومحبت کی ضرورت ہے جو مومن کا سرمایہ ہے اب یہ سرمایہ اور یہ قوت اسے اتباع شریعت کی طرف لے جاتی ہے اگرچہ اس میں دنیوی مشکلات ہوتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ پریشانیاں انبیاء علیہم السلام کو پیش آتی ہیں تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ مصائب مجھے دیکھنا پڑے۔ تاریخی اعتبار سے بھی ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جب ایمان لائے تو کلمہ پڑھ کر انہیں دنیوی سہولتیں ملی نہیں بلکہ جو کچھ ان کے پاس دنیوی اعتبار سے تھا وہ بھی چھن گیا گھر چھوڑنا پڑا مال و دولت گنوانا پڑی تکلیف اٹھانا پڑی جہاد کرنا پڑا شہید ہونا پڑا دراصل اسلامی اور مومن کی پوری زندگی جہاد ہے یعنی جہاد کے علاوہ اسلام میں زندگی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد سے واپس تشریف لائے تو آپ صلی علیہ وسلم نے فرمایا:

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ (الفتح السماوی) ہم چھوٹے جہاد سے لوٹ کر بڑے جہاد کی طرف آئے ہیں۔ کہ میدان جنگ میں جو جہاد ہے یہ جہاد اصغر ہے چھوٹا جہاد ہے کہ وقتی ضرورت کے تحت بعض اوقات کافر سے فطرتاً نفرت کی وجہ سے یا اسلام کے ساتھ جو تعلق ہے وہ ایک بے عمل مسلمان میں بھی کفر کے مقابلے میں وقتی طور پر جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور یوں ایک عام آدمی بھی میدان جہاد میں کود پڑتا ہے جان تک دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ ہوتی ہے وقتی اور لحاتی بات۔ لیکن اسی بندے کو جب ساری زندگی اپنی خواہشات کو روکنا پڑتا ہے اور مرضیات باری پہ چلنا پڑتا ہے تو یہ اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے یہ بڑا جہاد ہے کہ یہ کسی وقتی جذبے سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے ہمارا جو ایمان علی اللہ ہے آخرت میں جو اللہ کے روبرو پیش ہونے کا یقین ہے اس میں وہ جان چاہیے کہ ہمیں برائی سے روک دے اور لحہ بہ لحہ خواہشات کو قربان کر کے مرضیات باری پر عمل کیا جائے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جہاد اکبر ہے یہ بہت بڑا جہاد ہے کہ سونے میں جاگنے میں بات کرنے میں کاروبار کرنے میں، خرید و فروخت کرنے میں، دوستی میں، دشمنی میں گھر میں بچوں میں رشتہ داروں کے ساتھ ہر معاملے میں اطاعت الٰہی کو دیکھ کر اسے اختیار کرنا پڑتا ہے کبھی رشتہ دار ناراض ہوتے ہیں کبھی کوئی مالی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے کبھی کہیں قید و بند سامنے آتی ہے۔ بیشمار تکالیف نظر آتی ہیں لیکن وہ رشتے اتنے مضبوط ہوتے

ہیں کہ ان تکالیف کو آدمی گوارا کر لیتا ہے اور اللہ کی ناراضی کا تصور بھی اس کیلئے مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس سارے عمل کے لیے اپنے آپ کو صبر کا عادی اپنے جذبات کو سنبھال کر اپنے تابع کر کے چلنے کا عادی بنانا پڑتا ہے تو یہ تصور کہ مسلمان کیلئے زندگی بالکل ایک بنی بنائی روٹی ہونی چاہیے صحیح نہیں ہے بلکہ یہ دنیا دار عمل ہے۔

اگلے دن بھی مجھے ایک خط آیا کہ کوئی وظیفہ بتائیں میری بیوی نماز نہیں پڑھتی وظیفہ پڑھے تو نمازی ہو جائے اب اللہ کا بتایا ہوا فرض جو بندہ ادا نہیں کرتا وہ بندے کا بتایا ہوا وظیفہ کیوں پڑھے گا۔ اور اگر اطاعت الٰہی کیلئے وظیفے ہوتے یا کوئی ایسی غائبی قوت ہوتی جو بندے کو اس پہ مجبور کر دیتی تو اس اطاعت پہ اسے اجر کیا ملے گا۔ ایک آدمی پہ آپ جادو کر دیتے ہیں اور وہ اس جادو کے تابع ہو کر نمازیں پڑھنا شروع کر دیتا ہے تو ان نمازوں پر اجر تو مرتب نہیں ہوگا۔ جب تک اس کے اپنے ارادے اور اس کی اپنی قوت فیصلہ کا اس میں دخل نہ ہو تو وہ عبادت ہوگی ہی نہیں۔ یہ تصور کہ کوئی ہمیں نمازی بنا دے یہ تصور کہ نماز میری ایسی آٹو میٹک فطرت میں آجائے کہ میں پڑھتا رہوں یہ ممکن نہیں ہے ہر آدمی کو ہر نماز اور ہر عبادت کیلئے اہتمام کرنا پڑتا ہے جو لوگ ساری عمر تہجد پڑھتے ہیں انہیں بھی تہجد کے لیے اہتماماً اٹھنا پڑتا ہے وہ بھی انسان ہیں انہیں بھی نیند ستاتی ہے ان کا جی بھی چاہتا ہے کہ کچھ دیر لیٹے رہنا چاہئے ان ساری کیفیات کو چھوڑ کر اٹھنے کا نام صبر ہے۔

اسی طرح مال کے معاملے میں کہ جو آدمی نیک ہوتے ہیں انہیں مال کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات آزمائش کے طور پر زیادہ ضرورتیں ڈال دی جاتی ہیں اللہ کی طرف سے کہ یہ حلال ذرائع پہ ہی قناعت کرتا ہے یا حرام کی طرف نکل جاتا ہے ان سب حالات میں اللہ کی اطاعت پہ قائم رہنے کے لیے اپنی خواہشات کو روک لینے کا نام صبر ہے اور جو صبر محض کسی مجبوری یا دنیوی ڈر سے یا حکومت کے ڈر سے کیا جاتا ہے وہ صبر نہیں ہے۔ صبر وہ ہے جو اللہ کو راضی رکھنے کیلئے اس کی رضا جوئی کے لیے کیا جاتا ہے اور پھر صرف یہ نہیں کہ دوسری چیزیں حاصل کرنے میں صبر کرتے ہیں بلکہ اللہ کی عبادات پر بھی صبر کرتے ہیں کوشش کرتے ہیں، آرام کو چھوڑتے ہیں اور عبادات کے اوقات میں بھی اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور پھر جو کچھ نعمتیں ان کے پاس موجود ہوتی ہیں جب خرچ کرنے کی باری آتی ہے تو انہیں بھی اللہ کے بنائے ہوئے ضابطے اور حدود کے اندر خرچ کرتے ہیں اور نیکی پھیلا کر برائی کا خاتمہ کرتے ہیں۔ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عُقْبَی الدَّار ایسے لوگ ہیں جن کے لیے ہمیشہ کی زندگی اور آخرت کا گھر ہے۔

☆-☆ ☆

عبادات:

سبق نمبر۱۴: سورۃ الرعد

آیات ۲۶ تا ۲۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

اَللّٰہُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ وَ فَرِحُوۡا

اللہ جس کا چاہتے ہیں رزق زیادہ کر دیتے ہیں اور (جس کا چاہتے ہیں) تنگ کر دیتے ہیں

بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ؕ وَ مَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا فِی الۡاٰخِرَۃِ اِلَّا

اور یہ (کافر) دنیا کی زندگی پہ خوش ہو رہے ہیں اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بہت تھوڑا

مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ وَ یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡہِ

سامان ہے۔ اور کافر کہتے ہیں ان پر (ہمارے فرمائشی معجزوں میں سے) کوئی معجزہ ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نازل

اٰیَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ ؕ قُلۡ اِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنۡ یَّشَآءُ وَ

نہیں کیا گیا آپ فرما دیجیے کہ بے شک اللہ جس کو چاہتے ہیں گمراہ کر دیتے ہیں اور جو ان کی طرف رجوع کرتا

یَہۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَطۡمَئِنُّ

(متوجہ ہوتا) ہے اس کو اپنی طرف راستہ دکھا دیتے ہیں۔ (مراد وہ لوگ ہیں) جو لوگ ایمان لائے

قُلُوۡبُہُمۡ بِذِکۡرِ اللّٰہِ ؕ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ﴿۲۸﴾

اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ یاد رکھو! اللہ کے ذکر سے ہی دل اطمینان پاتے ہیں۔

اَللّٰہُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِر اللہ قادر ہے جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے جب چاہتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ یعنی اس دنیوی نظام حیات

میں جس طرح سورج کی ایک کرن۔ بارش کی ایک ایک بوند۔ ہوا کا ایک ایک جھونکا۔ مٹی کے ایک ایک ذرے کی خاصیت تقسیم ہو چکی ہے۔ ہر چیز اپنے اپنے وقت پر اپنا اپنا کام کر رہی ہے۔ کسی چیز میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوتی اگر اندازہ کریں تو زمین کی تہہ میں زیادہ سے زیادہ اڑھائی یا تین فٹ تک روئیدگی کی خصوصیت ہوتی ہے اس سے نیچے نہیں ہوتی ایک کسان ساری زندگی ہل چلاتا رہتا ہے چھ سے آٹھ انچ زمین کھودتا ہے اس سے نیچے نہیں جاتا اور ساری زندگی مزمر کر اسی کھیت میں وہی چھ سے آٹھ انچ زمین کا حصہ سونا اگلتا رہتا ہے اتنی چھوٹی سی تہہ میں اتنی مخلوق کا رزق سمو دیا گیا جب سے زمین بنی اور اس پر انسان آباد ہے اس کی تہہ سے وہ اپنا رزق حاصل کر رہا ہے اور آج بھی جو اربوں انسان زمین پہ آباد ہیں ابھی اڑھائی تین فٹ کی تہہ سے رزق حاصل کر رہے ہیں اگر بندوں کے اختیار میں ہوتا تو آج تک جو دنیا گزری ہے وہ کب گوارا کرتے کہ میری کپاس تھوڑی ہو میری گندم تھوڑی ہو کچھ بچ جائے کہ پچھلے جو آئیں گے وہ کھائیں گے کوئی بھی نہیں چھوڑتا لیکن اس کا بنایا ہوا نظام ایسا ہے کہ ہر کوئی محنت قاعدے طریقے سائنس سب کچھ آزما کر اپنا حصہ ہی لیتا ہے دوسرے کا نہیں لے سکتا۔

أَنْ نَّفْسٌ لَّنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا (مشکوٰۃ) کوئی نفس کوئی جان کوئی وجود دنیا سے اس وقت تک نہیں اٹھتا جب تک اپنے حصے کا دانہ کھا نہیں لیتا۔ یعنی اگر اس نظام میں اتنی جھول بھی ہوتی ہے کہ مرنے والے ایک ایک لقمہ بھی چھوڑ کر مرتے تب بھی روئے زمین پر غذا کے انبار گل سڑ رہے ہوتے اور ہر طرف کھانے پینے کی اشیاء کی بہتات پڑی ہوتی اور وہ خراب ہو رہی ہوتی اتنا خوبصورت اتنا طاقتور اور اتنا مضبوط نظام ہے کہ ہر پیدا ہونے والا اپنے حصے کی آکسیجن لیتا ہے اپنے حصے کا پانی پیتا ہے اپنے حصے کی روزی کھاتا ہے اور اپنا ہی حصہ دنیا سے پورا کر کے مرجاتا ہے۔ نہ دوسرے کا کھا سکتا ہے نہ اپنا چھوڑ کر ہی جاتا ہے۔

روسی زبان میں ایک بہت خوبصورت ناول ہے جس میں انسانی حرص اور انسانی آرزوئیں سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ بندہ خواہ مخواہ اپنی خواہشات لمبی کرتا رہتا ہے حالانکہ اس کی ضروریات محدود ہوتی ہیں اور تھوڑی چیز سے بھی اس کا گزارا ہو سکتا ہے مصنف نے بڑا خوبصورت انداز مولانا سعدی رحمتہ اللہ علیہ کی طرح اپنایا ہے یہ روس سارا آج کل کی طرح نہیں تھا روس بڑی مذہبی ریاست تھی سوشلسٹوں کا قبضہ ہوا تو انہوں نے اسے دہریہ اور بے دین بنا دیا دین عیسوی کے زمانے میں اس کی بہت بڑی طاقت تھی اور بڑے بڑے عیسائی علماء قبل از اسلام بھی موجود تھے یہ کہانی بھی کسی مذہبی بندے کی لکھی ہوئی نظر آتی ہے وہ کہتا ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ نے خوش ہو کر ایک آدمی کو کہا کہ تم چلنا شروع کر دو اور صبح سے شام تک دن بھر چلتے رہو تو جتنی زمین تمہارے اس دائرے کے اندر آئے گی اتنا رقبہ تمہیں بطور جاگیر دے دیا جائے گا کوئی جگہ اس نے مقرر کر دی تو دوسرے دن علی الصبح اٹھ کر وہ چلنے لگ پڑا پہلے اس نے اندازہ کیا کہ میں دس یا پندرہ میل کا چکر لگا کر شام تک پہنچ جاؤں گا لیکن جب دوپہر ہوئی تو اس نے دیکھا کہ میں تو کافی چل آیا ہوں اور ظہر تک پہنچ جاؤں گا باقی کا دن تو ضائع جائے گا تو تھوڑا

بسا کیوں نہ بڑھالوں تا کہ زیادہ رقبہ میرے قابو آجائے تو اس نے تھوڑا سا اسے اور بڑھالیا چلتا رہا جب ظہر کا وقت ہوا تو پھر اس نے اندازہ لگایا کہ ابھی تو آدھا دن گزرا ہے اتنا سفر میں نے کرلیا تو میں اسے اور بڑھا سکتا ہوں تھوڑی سی زین اور لپیٹ لینی چاہئے تھوڑا سا اس نے اور بڑھا دیا اب جب واپسی کا سفر دائرے کی دوسری طرف کا شروع ہوا جوں جوں سورج ڈھلنے لگا بندے کو بھاگنا پڑا کہ ایسا نہ ہو کہ چکر ہی پورا نہ کرسکوں تو مجھے ملے گا ہی کچھ نہیں کیونکہ شرط یہ تھی کہ جہاں سے چلے وہاں پہ واپس آکر اپنا سرکل پورا کرو اور اگر وہ نامکمل رہ گیا تو ملنا کچھ نہیں جوں جوں سورج غروب کے قریب ہوتا گیا اس کی رفتار تیز ہوتی گئی دم لینے کی فرصت ہی نہ تھی۔ مصنف لکھتا ہے کہ آخر بھاگتا بھاگتا جب سورج ڈوب رہا تھا تو بے دم ہو کر گرا ایک طرف اس کے پاؤں تھے اور دوسرے سرے سے جہاں سے وہ چلا تھا وہاں اس کا سر جا کر لگا اور اس نے دم توڑ دیا۔ اب یہاں ایک خوبصورت جملہ لکھتا ہے کہ: This was the land that he required کہ صرف اتنی زمین اسے چاہیے تھی جس پر وہ گر گیا یعنی اسکی ضرورت ایک قبر کی تھی جس پر وہ گر گیا یعنی اپنی قبر کے لیے اسے اپنے قد کے برابر زمین چاہیے تھی۔

تو انسانی آرزوئیں اس کو بھگا بھگا کر دور لے جاتی ہیں حق یہ ہے کہ یہ بھاگ دوڑ کر بھی اللہ کے اس بنائے ہوئے نظام کو توڑ نہیں سکتا۔ ملنا پھر اس کو وہی ہے جو اس کے نصیب میں ہے کروڑوں روپے جمع کرلیتا ہے پتہ نہیں وہ کس کس کا حصہ ہوتا ہے کس کس کا رزق ہوتا ہے کوئی اس سے چوری کر کے لے جاتا ہے کہیں وہ بیمار ہوتا ہے تو اپنے حصے کا ڈاکٹر لے جاتے ہیں کہیں کوئی مقدمہ پڑ جاتا ہے تو وکیل اور عدالتیں کھا جاتی ہیں اس غریب کے نصیب میں تو وہی ہوتا ہے جو اس کا اپنا حصہ ہے جو رہ جاتا ہے وہ بھی چھوڑ کے مر جاتا ہے اس کے بعد جن کا حصہ ہے ان میں تقسیم ہو جاتا ہے اپنے حصے سے زائد وہ نہیں لے سکتا خواہ وہ بھاگ دوڑ کر دنیا بھر کی دولت جمع کرلے اور جو اس کے مقدر میں ہے وہ چھوڑ کر بھی نہیں جاتا اگر ایک ایک لقمہ بھی لوگ چھوڑ کر جاتے تو یہ دنیا بھر گئی ہوتی۔ اللہ جب چاہتا ہے کسی پر رزق فراخ کر دیتا ہے کبھی اس پر تنگی بھیج دیتا ہے۔ یہ اس کا قاعدہ ہے بندوں کا امتحان لینے کا آزمانے کا فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ (الفجر:15) اس پر وہ انعام زیادہ کر دیتا ہے نعمتیں عام کر دیتا ہے۔ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ (الفجر:16) پروردگار عالم کسی کو آزمانے کیلئے بھوک دے دیتے ہیں رزق کی تنگی دے دیتے ہیں لیکن جب دین نہیں ہوتا آخرت کا کوئی تصور اور یقین نہیں ہوتا تو پھر انسان کی ساری آرزوئیں دنیوی زندگی کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہیں۔ وَ فَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لوگوں کا حال یہ ہے کہ دنیوی زندگی اور دنیوی نعمتوں کے ساتھ الجھ جاتے ہیں۔ اور اپنی ساری محنت اس پر لگا دیتے ہیں فرمایا وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حیثیت بہت چھوٹی سی ہے۔

برا ہو کفر کا یہ انسانی عقل پر ایسے دبیز پردے چڑھا دیتا ہے کہ کافر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کے بارے میں کہتے ہیں۔ وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ کہ کوئی ایسی عجیب وغریب نشانی

ان پر کیوں نازل نہیں ہوتی جو سب کو ایمان لانے پر مجبور کر دے یعنی وہ وجود باجود جو بجائے خود اللہ کی قدرت کاملہ کی ایک دلیل ہے اور وہ ہستی پاک جس کے ارشادات جس کی تعلیمات جس کا کردار جس کا اخلاق ہر ہر قدم پر ہر ہر بات پر اللہ کی عظمت کی دلیل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے اور یہ سارے ایک ایک کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم تر معجزات ہیں۔ لیکن کفر ایسی تاریکی ہے کہ جو سورج کو بھی کہہ دیتا ہے کہ اس پر چراغ کیوں نہیں جل رہا یعنی جو بجائے خود تمام چراغوں کا منبع اور مصدر ہے اس کے لیے اب یہ مطالبہ کیا جائے کہ اس پر کوئی دیا جلتا ہوا نظر کیوں نہیں آتا یہ منحوسیت کفر میں ہوتی ہے اور کفر ایسی منحوسیت ہے کہ وہ اللہ کی ہدایت سے دور کر دیتا ہے فرمایا:

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ O اللہ جسے چاہے اس پر ہدایت کے راستے بند کر دے اور اسے گمراہی میں دھکیل دے اس لیے کہ اللہ صرف ان کو ہدایت دیتا ہے جس میں انابت الٰہی پیدا ہو جاتی ہے۔ انابت ہوتی ہے بندے کی اپنی پسند سے اس کے دل میں ایک تمنا ایک آرزو کا پیدا ہونا کہ کاش مجھے ہدایت نصیب ہو جائے کاش ایسا ہو کہ مجھے بھی اللہ کا قرب نصیب ہو جائے کاش ایسا ہو کہ مجھے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نصیب ہو جائے تو جب یہ تمنا یا یہ آرزو کسی کے دل میں پیدا ہوتی ہے اللہ اسے خالی نہیں چھوڑتے اس کا ہاتھ تھام لیتے ہیں۔ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ۔ یعنی یہ رب العالمین کا طے شدہ فیصلہ ہے کہ جس بندے کے نہاں خانہ دل میں انابت پیدا ہو خواہ وہ فقیر ہے کمزور ہے بے کار ہے امیر ہے شہنشاہ ہے اس کی سلطنت دیکھ کر اسے ہدایت نہیں دیتے اس کی فوجی قوت دیکھ کر اسے ہدایت نہیں دیتے اس کا مال و دولت دیکھ کر ہدایت نہیں دیتے اس کا فقر و فاقہ دیکھ کر اسے ہدایت سے محروم نہیں فرماتے۔ اللہ کی مخلوق اس کے لیے سب یکساں ہے اور اوصاف اس نے خود بانٹے ہیں مالدار کو مال اس نے دیا ہے طاقتور کو طاقت اس نے دی ہے حسین کو حسن اس نے تقسیم فرمایا ہے اور غریب اور فقیر اور مفلس اور بے نوا کو فقیری اور غربت اس نے خود عطا کی ہے اس کے لیے سارے بندے اس کے بندے ہیں وہ بندوں کے قلوب پہ نگاہ رکھتا ہے جس دل میں یہ تمنا پیدا ہو جائے کہ کاش مجھے بھی اللہ کی رضا نصیب ہوتی اسے اپنی رضا کے راستے پہ لے آتا ہے۔ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ۔ اپنی طرف سے ہدایت اسے دے دیتا ہے۔ اس کا راستہ کھول دیتا ہے اور مفسرین کرام نے متعدد مقامات پر اس کے طریق اور اس کے انداز پر بحث کی ہے چونکہ نظام قدرت میں ساری چیزوں کے اللہ نے اسباب مقرر کر دیئے ہیں ہدایت کے اسباب میں سے سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اللہ کریم اس بندے کو ایسا ماحول اور ایسے بندے دے دیتا ہے جو اسے نیکی کی طرف لے چلنے میں معاون اور مددگار ہوتے ہیں نیک دوست مل جاتے ہیں نیک مجالس نصیب ہو جاتی ہیں صلحاء کی مجالس نصیب ہو جاتی ہیں اور نیکی بتانے والوں کا ساتھ نصیب ہو جاتا ہے اور جب کسی سے خفا ہوتا ہے تو اسے ایسا ماحول اور ایسی مجالس میں دھکیل دیتا ہے جہاں وہ اسے اور برائی کی طرف لے جاتا ہے ہدایت جو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اس کا پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ اسے نیک بندوں کی مجلس میں پہنچا دیتا ہے اور جب ایمان نصیب ہوتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ تو پھر دلوں کا قرار ذکر الٰہی بن جاتا ہے پھر دل میں سکون دولت سے یا حصول اقتدار سے یا دینوی نعمتوں سے نہیں آتا ان کی طرف وہ اتنی محنت نہیں کرتا بلکہ دنیا میں زندہ رہنے کے لیے آبرو مندانہ گزارے کے لیے اللہ کی اطاعت کے لیے اللہ کے بتائے ہوئے قاعدے کے مطابق اپنا کام کرتا ہے اپنی روزی پیدا کرتا ہے اپنا گزارا کرتا ہے ایمان کا خاصہ یہ ہے کہ دل کی آرزو پوری ہی ذکر سے ہوتی ہے پھر اس کی بھوک جب جاہ کی طرف یا جب مال کی طرف یا دینوی مفادات کی طرف نہیں بلکہ اللہ کی یاد کی طرف بڑھ جاتی ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُو وہ لوگ جو ایمان لائے۔ وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ ایمان کیا ہے کہ دل کا سکون ہی اللہ کی یاد میں چلا جائے پھر وہ جتنا اللہ کی یاد کرتا ہے اتنا ہی اپنے آپ کو غنی اور امیر تصور کرتا ہے اور بات بھی کھری یہ ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب کہ دلوں کو حقیقی اطمینان نصیب بھی اللہ کے ذکر ہی سے ہوتا ہے دنیا کی دولت سے اقتدار سے وقار سے دل کو قرار نصیب نہیں ہوتا دل کی بے قراری بڑھتی رہتی ہے اگرچہ اس کے پاس وسائل زیادہ ہو جائیں اسباب زیادہ ہو جائیں اقتدار و اختیارات زیادہ ہو جائیں مال و منال زیادہ ہو جائیں لیکن اندر بھانبڑ ہی بلتے رہتے ہیں اندر سکون نہیں ہوتا دل میں اطمینان نہیں ہوتا اور حق یہ ہے کہ دلوں کا قرار ہے ہی اللہ کی یاد میں، اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وہ لوگ جو ایمان لائے اور محض رسمی ایمان نہیں وہ یقین جس نے انہیں اتباع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ کار بند کر دیا اور اعمال صالح کے لیے کسی بھی عمل کی صلاحیت یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو۔ اللہ کا ہو اور اس طریقے پر کیا جائے جو طریقہ اس حکم کی تکمیل کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے۔ طُوْبٰى لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ (الرعد:29) فرمایا۔ مبارک ہو ان لوگوں کے لیے اور انہی کے لیے خوبصورت انجام خوبصورت ٹھکانے اور خوبصورت نتائج ہیں۔ تو زندگی میں اللہ کریم اگر کسی کو شعور انسانی دے اور اللہ کریم اس سے ناراض نہ ہو چونکہ جب اللہ کریم ناراض ہوتے ہیں تو بھلائی کی اہمیت نیکی کی اہمیت عبادت کی اہمیت دل میں گھٹ جاتی ہے اور شیطان کو راہ مل جاتی ہے تو وہ برائی کو بڑے دل فریب رنگوں میں لپیٹ کر بندے کو سجا کر پیش کرتا ہے۔ آپ نے یقیناً دیکھا ہوگا کہ لوگ ڈاکہ ڈالنے پر، قتل کرنے پر، برائی کرنے پر فخر کرتے ہیں کہ میں نے اتنے قتل کیے، میں نے اتنے ڈاکے ڈالے بجائے اللہ کے عذاب سے ڈرنے کے اور توبہ کرنے کے انہیں اس پہ ناز ہوتا ہے کیوں آخر ظلم پر یا برائی پر بندے کو ناز کیوں ہے یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے کہ وہ اس برائی کو خوبصورت رنگوں میں لپیٹ کر اس کی انانیت کی تسکین کا سبب بنا کر اس کے سامنے پیش کرتا ہے اور اللہ کی ناراضمندی کی دلیل یہ ہے کہ بندے کو برائی بھلی لگنے لگتی ہے اور اگر اللہ کریم کی رضا نصیب ہو کوئی توبہ کرے اور اس کی توبہ قبول ہو اسے ایمان نصیب ہو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق نصیب ہو تو پھر اس کی بھوک یاد الٰہی کی طرف بڑھ جاتی ہے اللہ کی یاد سے اسے سکون نصیب ہوتا ہے اور ہر نافرمانی سے بچنے کی کوشش کرتا

ہے اس لیے کہ وہ اس کو اچھی نہیں لگتی، اسے پسند نہیں آتی اس میں اس کے لیے سکون نہیں رہتا اس میں اسے اپنی نمائش یا اپنی بڑائی کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا تو یہ ساری آیات مبارکہ ہم میں سے ہر ایک کو اپنی ذات کے متعلق دعوت فکر دیتی ہیں۔

اب ہمارے دور کی باقی مصیبتوں کی طرح ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ ہم سارے کا سارا اسلام سارے ملک پر نافذ کرنا چاہتے ہیں لیکن اپنے آپ کو اس میں سے ہمیشہ الگ رکھتے ہیں جب کسی دوسرے کے کاروبار کی باری آئے گی تو ہم اسے مسائل بتاتے ہیں جب اپنی باری آتی ہے تو کہتے ہیں خیر ہے انسان ہی ہوں خطا بھی ہو جاتی ہے اپنا گزارا کر لیتے ہیں۔ یعنی اپنے لئے بندہ جواز پیدا کرتا رہتا ہے اور دوسروں کے لیے وہ چاہتا ہے کہ ان پر سارے ضابطے لاگو ہوں قرآن حکیم کا اسلوب یہ ہے کہ ہر بندہ سب سے پہلے اپنا محاسبہ کرے جو معیار قرآنی آیات بتاتی ہیں ان میں سب سے پہلے اپنے آپ کو فٹ کرے پھر اپنے وجود سے بڑھ کر دوسرے کو بھی نیکی پر کاربند کرے تو یہ اللہ کا احسان ہے اور یہ اس کا فریضہ ہے کہ وہ ایسا کرے لیکن کوشش یہ کرے کہ اپنی ذات کو پہلے اس پہ کاربند کرے حساب اس نے اپنا دینا ہے اگر اپنے آپ پر ہی وہ قانون لاگو نہیں ہوتا اور دوسرے سب لوگوں پر ہو رہا ہوتا ہے اسے کیا فائدہ ہوگا تو قرآن حکیم کی یہ ساری آیات مبارکہ ہمیں اپنے آپ کے لیے دعوت فکر دیتی ہیں کہ جن کاموں کو ہم نیک یا اچھا سمجھتے ہیں انکا نتیجہ کیا ہے کم از کم نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ عملی زندگی میں بندہ گناہ سے بے رغبتی اور نیکی سے محبت کرنا شروع کر دے ہر بندہ پہلے ہی دن ولی اللہ نہیں ہو جاتا زندگی ایک سفر ہے اور یہ سفر جب اپنا راستہ بدلتا بھی ہے تو آرام آرام سے چلتا ہے ہوتا یہ ہے کہ اللہ کریم اپنے بندوں کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لیجانا شروع کر دیتا ہے۔ برائی کا گراف نیچے آنا شروع ہو جاتا ہے بھلائی کا گراف اوپر جانا شروع ہو جاتا ہے۔ ایک آدمی دن میں سو گناہ کرتا تھا ہم اسے بدکار کہتے ہیں اب اگر سو سے اس نے ننانوے یا نوے کرنے بھی شروع کر دیئے۔ ماحول تو اسے بدکار ہی کہے گا کہ یہ دن بھر میں نوے گناہ کرتا ہے لیکن وہ خود تو سمجھتا ہے کہ میرے گناہوں کی فہرست میں اس کی کمی آگئی یہ اللہ کا احسان ہے مجھ پر اور میرا سفر بھلائی کی طرف شروع ہو گیا تو ہم دوسروں کے متعلق صحیح جج نہیں کر سکتے ہم ان کا ایک گناہ دیکھ کر کہتے ہیں یہ گناہ گار ہے اور شاید ہماری نگاہوں سے پوشیدہ جو پچاس گناہ ہیں وہ ہمیں سمجھ بھی نہیں آتے تو دوسروں پر فتویٰ دینے سے پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے کردار کو دیکھیں جو ہمارے علم میں ہے جو ہمارے ارادے سے ہوتا ہے جو ہمارے ہاتھ میں ہے اسے دیکھا اور پرکھا جائے کہ میری عملی زندگی میں کتنی مثبت تبدیلی آئی ہے اگر مثبت تبدیلی شروع ہو گئی تو یہ اللہ کا احسان ہے اللہ قادر ہے کہ اسے کلی توبہ کی توفیق دے۔ گناہوں سے بچنے کی توفیق دے اور ساری زندگی نیکیوں کا مرقع بن جائے تو یہ اس کا احسان ہے۔ لیکن کم از کم یہ ضرور ہونا چاہیے کہ برائی سے بے رغبتی بڑھے اور نیکی کی طرف رغبت بڑھے بجائے اس کے کہ اپنے مسلمان ہونے کی وجہ سے اپنے لیے سارئی سہولتیں تلاش کرے حق یہ ہے کہ اسلام کو جہاد سمجھے اور زندگی کے میدان میں اپنے آپ کو مقابلے کے لیے تیار رکھے۔ مسلمان کی زندگی یہ ہے کہ دنیا میں بیشتر انسانیت کفر کے نرغے میں

ہے اور مومن کو اس میں نور ایمان نصیب ہے تو اسے جدو جہد کر کے کفر کے ان طوفانوں میں اپنے ایمان پر قائم رہتے ہوئے اپنی شمع کو روشن رکھنا ہے۔ بے شمار جھکڑ چل رہے ہیں شرک کا کفر کا بدعات کا خرافات کا تو ان ساری آندھیوں اور بگولوں میں اسے ایمان کی شمع کو روشن رکھنا ہے اور اس کا تحفظ کرنا ہے اور اس سے روشنی پھیلانا بھی ہے تو یہ کام از خود ہونے والا نہیں بلکہ اس میں محنت ہے مجاہدہ ہے ہمت ہے اللہ سے دعا ہے اللہ پر بھروسہ ہے تو مسلمان کی زندگی ایک بامشقت زندگی ہے ایک جہاد مسلسل ہے جو لحہ بہ لحہ اسے جہد میں مصروف رکھتا ہے یہ تصور کہ اب میں مسلمان ہو گیا ہوں اب میں نمازیں بھی پڑھتا ہوں میرے لیے زندگی کی ساری سہولتیں جمع ہو جائیں یہ صحیح نہیں ہے ہاں ساری سہولتیں بن مانگے جمع ہو جائیں گی جب حقیقی زندگی شروع ہو گی جب مومن جنت میں پہنچے گا تو جس چیز کی خواہش کرے گا اسے موجود پائے گا اسے محنت نہیں کرنی پڑے گی مشقت نہیں کرنی پڑے گی برائی کا کوئی داعیہ نہیں ہو گا۔ غفلت کا کوئی لحہ نہیں ہو گا۔ آرام ہی آرام ہو گا۔ مگر اس دنیا کی زندگی میں آپ جنت کو نہیں لا سکتے آپ نے دنیا کی زندگی میں ویسے ہی گزارا کرنا ہے جیسی دنیا ہے یہ دارِ عمل ہے تو دارِ عمل میں اسلام یہ ہے کہ مسلمان ساری زندگی جہاد میں مصروف رہتا ہے کبھی خواہشات سے جہاد کبھی اپنی آرزوؤں اور تمناؤں سے جہاد اور کبھی سرمیدان کافر طاقتوں سے جہاد تو اسلام ایک جہد مسلسل ہے ایک زندگی بھر کا مجاہدہ ہے آخری سانس آنے تک استقامت شرط ہے زندگی کا آخری سانس آنے تک اس کی عبادت پہ قائم رہنے کا حکم ہے تو اسلامی زندگی کا حسین ترین پہلو یہ ہے کہ اللہ کا بندہ اللہ کے بھروسے پر جدو جہد کرتے ہوئے اللہ کی راہ سے بھٹکانے والی ہر طاقت کو روندتا اور کچلتا ہوا گزر جائے۔ اسلام میں یہ تصور پتہ نہیں کہاں سے آ گیا کہ بس کلمہ پڑھ لیا سارا کام تو ہم نے کر دیا زندگی اب بالکل ساری آسان ہو جانی چاہیے ایسا نہیں ہے بلکہ یہ جہد مسلسل ہے اس میں اللہ پر اعتماد اللہ کی یاد اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ہی معاون و مددگار ہے اللہ کریم ہمیں یہ نعمتیں نصیب فرمائے۔ ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے۔

☆ ☆ ☆

عبادات

سبق نمبر ۱۵: سورۃ ابراہیم

آیت ۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّکُمۡ لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ

اور جب تمہارے پروردگار نے تم کو آگاہ فرمایا تھا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم کو زیادہ (نعمت) عطا کروں گا

وَلَئِنۡ کَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌ ۷

اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

ذات باری نے ایک قانون ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ کی جتنی نعمتیں ہوتی ہیں اگر بندہ شکر کرتا ہے لَئِنۡ شَکَرۡتُم اگر تم تشکر کرو گے لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ تو ان میں زیادتی کر دی جائے گی وَ لَئِنۡ کَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡد اور اگر تم کفر کرو گے تو میرا عذاب یا میری پکڑ بڑی سخت ہے اللہ جل شانہٗ کا نظام ایسا عجیب ہے کہ نعمتوں میں جب وہ زیادتی کرنا چاہتا ہے تو اس کے بڑے مختلف انداز ہوتے ہیں کبھی ایک آدمی کے پاس دولت تو زیادہ نہیں ہوتی لیکن استغناء اتنا ہوتا ہے کہ اسے کسی بڑے سے بڑے دولت مند کی کوئی فکر نہیں ہوتی یا کسی بڑی سے بڑی نعمت کے لیے اس کا جی نہیں چاہتا بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ایمان لانے پر شکر ادا کرتا ہے تو مزید توفیق عبادت ارزاں ہو جاتی ہے اس پر شکر ادا کرتا ہے تو مزید مجاہدے کی۔ ذکر قلبی کی۔ مزید قرب الٰہی کی طلب کی توفیق ارزاں ہو جاتی ہے یا جس شعبہ زندگی کا ہے اس کی جو قباحتیں اس میں جو تکلیفیں ہیں جو اس میں پریشانیاں ہیں ان سے بچا کر اسے ایک آرام دہ اور پرسکون ماحول دے دیا جاتا ہے یعنی قادر مطلق کے مختلف انداز ہیں کہ کس طرح سے وہ اپنی نعمتوں میں زیادتی پیدا فرماتا ہے دراصل ہمیں ایک مغالطہ لگتا ہے مثلاً یہ کہ میری تنخواہ ہزار روپیہ تھی ابھی تک ہزار ہی ہے تو کونسی نعمت بڑھ گئی حالانکہ ہوتا یہ ہے کہ بعض اوقات اسی جگہ رہنے اور بسنے والا دوسرا بندہ دس ہزار میں گزارہ

نہیں کر رہا ہوتا جبکہ اس کا ایک ہزار میں آرام سے ہو رہا ہوتا ہے اس طرح کی کیفیات پیدا کر دی جاتی ہیں اور اسی طرح نقصان میں بھی یہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی کو دس پندرہ ہزار ماہوار مل رہا ہے اور وہ شکر ادا نہیں کرتا تو سمجھتا ہے میرا تو پندرہ کا پندرہ تو آ رہا ہے میرا بگڑا تو کچھ نہیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ اس پندرہ ہزار میں سے برکت اُٹھا دی جاتی ہے کہ اس کے لیے وہ پندرہ پانچ سو بھی نہیں رہتا یا اتنی ضروریات یا مصائب بڑھا دیئے جاتے ہیں یا اس طرح کی قلبی اور ذہنی بے چینی اور پریشانی اُس کے ساتھ لگا دی جاتی ہے کہ لوگ حکومت کرتے رہتے ہیں بہت بڑی سلطنت پہ بادشاہ بھی بنے ہوتے ہیں۔ اور انہیں ایک لمحہ سکون کی نیند نہیں آتی یہ کتنی عجیب بات ہے کہ کسی کو ایسا پرسکون مزاج دے دیا جاتا ہے کہ وہ لق و دق صحرا میں یا ویرانے جنگل میں جہاں کہیں سر رکھتا ہے پتھر پر آرام سے سو جاتا ہے اور دوسرے کے لیے محل ہے۔ آرام دہ بستر ہیں۔ کئی محافظ باہر پہرہ دے رہے ہیں حتیٰ کہ اس تک پہنچنا محال ہے اس کے باوجود اسے خوف سے نیند نہیں آتی یعنی من جانب اللہ نظام میں ایسی تبدیلیاں کر دی جاتی ہیں کہ جب اللہ کریم کی گرفت آتی ہے تو وہ چیزیں جن سے آرام ملنا چاہیے ان سے ایذا ہونے لگتی ہے اور جب اللہ کی رحمت ہوتی ہے تو وہ چیزیں جن سے بظاہر تکلیف ہونی چاہیے ان سے آرام ملنے لگ جاتا ہے غرض تو انسانی محسوسات سے ہے کہ وہ کیسے محسوس کرتا ہے تو اگر نعمتوں پر شکر ادا کیا جائے تو اللہ کریم نعمتیں بڑھا دیتے ہیں یا ان کی برکات بڑھا دیتے ہیں ان کی کیفیات اور لذت بڑھا دیتے ہیں اور ناشکری میں فرمایا اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْد کہ کتنا شدید عذاب ہے کہ ایک بندے کے پاس جہاں بھر کی دولت ہو اور وہ پیٹ بھر کے کھانا بھی نہ کھا سکے اسے کوئی ایڈز جیسی ایسی بیماری لگا دی جائے اور ہر وقت اسے موت پر معلق رکھے اور یہ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ یہ جو ہمیں غلطی لگتی ہے کہ فلاں کافر ہے اور اس کے پاس اتنی دولت بھی ہے تو یہ محض دیکھنے میں لگتی ہے اگر اس کی کیفیات یا اس کے قلب سے یا اس کے اندر کے حال سے ہم واقف ہو سکیں تو اندازہ ہو سکتا ہے کہ برائی میں کبھی کوئی راحت اور سکون نام کی چیز نہیں ہو سکتی۔

☆ ☆ ☆

عبادات

سبق نمبر ۱۶: سورۃ ابراہیم

آیت ۳۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

قُلۡ لِّعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ

میرے ایمان والے بندوں سے فرما دیجئے کہ وہ نماز کی پابندی رکھیں

وَ یُنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً مِّنۡ قَبۡلِ

اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے در پردہ اور ظاہر (اللہ کی راہ میں) خرچ کریں اس دن کے آنے

اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا بَیۡعٌ فِیۡہِ وَ لَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

سے پہلے کہ جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہوگا اور نہ دوستی (کام آئے گی)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کریمہ میں حکم دیا گیا ہے کہ ان بندوں کو جنہیں نور ایمان نصیب ہوا ہے یہ فرما دیجئے کہ تقاضائے ایمان یہ ہے کہ بندہ اللہ کی عبادت پہ کمربستہ ہو جائے۔ یعنی جسے ایمان کہتے ہیں یہ صرف ماننا نہیں ہے بلکہ یقین کے سب سے اعلیٰ درجے کو ایمان کہتے ہیں کسی نہ کسی حد پہ جا کر ماننا تو کافر کو بھی پڑتا ہے کہ آخر کوئی ایک ہستی ہے جو سب سے بڑی ہے یا سب کے بنانے والی ہے اگر ہم اسباب پر نظر ڈالیں تو کہتے ہیں بھاپ تو سورج کی گرمی سے بنی اور بادل بھاپ سے بنے بارش بادل سے ہوئی اب سورج کس نے بنایا یہ سوال چلتا جائے گا جس طرف سے آپ آئیں تو آخر میں ایک ہستی ماننی پڑے گی جو خود ہے اس کو بنایا کسی نے نہیں سب کچھ وہ بنا رہا ہے ورنہ تو سوال ہی ختم نہیں ہوگا مخلوق کا تسلسل ہی کہیں ختم نہ ہوگا تو کہیں ایک انتہا پہ خالق بھی آئے گا یہ مجبوری کا ماننا سب کو ماننا پڑتا ہے ہندوستان کی تاریخ ہے کہ ہندوستان میں قبل اسلام ۳۶ کروڑ بت پوجے جاتے تھے انسانی آبادی ۳۶ کروڑ نہیں تھی بت ۳۶ کروڑ تھے ہر خاندان کا بت پھر خاندان

کے ہر ایک فرد کا بت پھر بعض کے دو دو دس دس ہر کمرہ میں لگایا ہوا ہر دکان پہ لگایا ہوا کوئی جیب میں ڈالا ہوا یعنی آبادی اتنی نہیں تھی جتنے ہندوستان میں بت پوجے جاتے تھے۔ ذرخت پوجے جاتے تھے پتھر اور بندر پوجے جاتے تھے گائے پوجی جاتی تھی تو جتنی چیزوں کی پوجا کی جاتی تھی ان کی تعداد مورخین نے ۳۶ کروڑ لکھی ہے اور ان سب کو وہ دیوتا کے نام پکارتے تھے۔

لیکن اس ہجوم دیوتا میں بھی انہیں ایک مہادیو ماننا پڑا کہ ایک سب سے بڑا ہے۔ یہ عقلاً مجبوری بن جاتی ہے کہ کوئی انجا ہونی چاہیے کوئی سب سے بڑا جس کا کوئی بنانے والا نہیں جسے کوئی دینے والا نہیں وہ سب کو دیتا ہے تو اسطرح سے اگر محض عقلاً مجبور ہو کر مان لیا ہم نے تو وہ اور بات ہے اور اکثریت اس دور میں یہی ہے کہ ہم نے باپ دادا سے سنا مان لیا یا گلے پڑ گیا مان لیا یا اگر کسی نے تھوڑا سا غور و فکر بھی کیا تو اس نے بھی کہا کہ مجبوری ہے ماننا پڑتا ہے۔ مان لو۔ لیکن ایمان اس نرے ماننے کا نام نہیں ہے ایمان نام ہے اس انداز سے ماننے اور اس یقین سے ماننے کا جس انداز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں اور جس یقین سے ماننے کا حکم دیتے ہیں۔ فقہ کی ابتدائی کتابوں میں جہاں یہ بات آتی ہے کہ بچے کو اللہ کا تصور دیا جائے اور اللہ کے ایمان کا تصور دیا جائے تو وہاں نقہا لکھتے ہیں کہ بچے کو یہ سمجھایا جائے کہ میں اللہ کو مانتا ہوں جس کو حضرت محمدؐ بن عبداللہؓ نے جو مکہ میں پیدا ہوئے مبعوث ہوئے اور ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے منواتے ہیں اور جیسا منواتے ہیں یہ تفصیل ہونی چاہیے۔ ورنہ ہر ایک اپنے انداز میں کسی نہ کسی طرح مانتا ہے تو وہ ہر ایک کا ماننا ایمان نہیں کہلاتا یا کافر عقلی انداز سے عاجز ہو کر جب مانتا ہے کہ کوئی آخر میں ہے تو وہ ایمان نہیں کہلاتا ایمان اس انداز سے ماننا کہلوائے گا جس انداز سے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم منواتا ہے اور جن اوصاف کے ساتھ منواتا ہے جن میں سب سے پہلا وصف ہی یہ ہے کہ وہ مستحق ہے عبادت کا اس کا حق ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں یہ نہیں کہ بندہ نے محض اظہار شکر کے لیے عبادت کرنی ہے یہ ہمارا نہیں ہمارا ایمان یہ ہے کہ وہ اکیلا مستحق ہے عبادت کریں یہ نہیں کہ بندہ نے محض اظہار شکر کے لیے عبادت کرنی ہے یہ ہمارا ایمان نہیں ہے ہمارا ایمان یہ ہے کہ وہ اکیلا مستحق ہے عبادت کا اس کا حق ہے بندوں پر کہ بندے اس کی عبادت کریں بلکہ ہمارا ایمان بنیادی یہ ہے کہ اللہ کا حق ہے مخلوق پر کہ مخلوق اس کی عبادت کرے اور انسان سب سے اعلیٰ مخلوق ہے اس کی طرف نبی مبعوث ہوئے ہیں اسے عبادت کا طریقہ، انداز اوقات بتائے گئے ہیں اس کے بغیر اس کا انسان ہونا یقینی نہیں اس کی انسانیت کا تقاضا یہ ہے بلکہ یہ انسان ہی تب ہے جب اللہ کی عبادت کرے یہی ارشاد یہاں ہوتا ہے کہ میرے بندوں سے کہہ دیجئے جنہیں ایمان نصیب ہو یقیموا الصلوۃ کو عبادات کو قائم کریں عبادات کا قائم کرنا یہ ہوتا ہے کہ وہ ماحول اور معاشرہ پر حجت ہو جائے کہ فلاں بندہ یہ کام کرتا ہے اقامت الصلوۃ یہ نہیں ہے کہ ہم نے چلتے پھاگتے، دوڑتے نماز پڑھ لی فرض ادا ہو گیا بلکہ اقامت یہ ہوگی کہ اس ماحول اور معاشرے میں جیسے ایک مشہور قصاب کی دکان ہے۔ ایک مشہور آٹا پیسنے کی چکی ہے ایک مشہور ہے جیسے بچوں کا سکول اس طرح سے معاشرے میں یہ بات مسلم ہو جائے کہ یہ بندے نماز پڑھتے ہیں یہ ان کی مسجد ہے یہ اس کے اوقات ہیں یہ اس کی شرائط ہیں اور یہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہتے انہیں کوئی روکنا چاہے تو نہیں رکتے اور یہ ان کی زندگی کا حصہ

ہے یہ اقامت الصلوۃ ہے کہ معاشرہ میں اس کی حیثیت کو منوایا جائے یعنی نہ ماننے والی طاقت کو یہ یقین ہو کہ اسے پتہ ہو کہ یہ کام ضرور ہوگا اس لیے اللہ نے استثناء نہیں دیا۔ عین حالت جنگ میں بھی فرمایا نماز کا وقت ہو گیا ہے سواری کی پیٹھ پر ہو اور اگر سمجھتے ہو کہ گنجائش ہو سکتی ہے تو آدھے آکر دو رکعت امام کے ساتھ پڑھ لیں آدھے محاذ پر رہیں اپنے اسلحے کیساتھ۔ جب امام تشہد میں بیٹھے تو یہ اپنا تشہد پڑھ کے اٹھ کے چلے جائیں یہ جا کر وہاں صف بستہ ہو جائیں اور جو لڑ رہے ہیں وہ یہاں آ جائیں اور اگلی دو رکعت امام کیساتھ پڑھ لیں لیکن عین میدان کارزار میں بھی جہاں آگ برس رہی ہو خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہو گولیاں برس رہی ہوں بمبار منٹ ہو رہی ہو فرمایا اسے موخر نہ کرو اور چھوڑنے دو یعنی پتہ ہو ماحول اور معاشرے کو یہ جان تو دے دیں گے اس کام سے باز نہیں آئیں گے۔ یہ ہے اقامت الصلوۃ تو فرمایا میرے حبیبؐ میرے بندوں سے کہہ دو کہ تمہارے مسلمان ہونے کا جو بنیادی ثبوت ہے وہ ہے اقامت الصلوۃ عبادات کا قیام تمہاری شناخت ہے کہ تم اللہ کے ایماندار بندے ہو اور اگر تمہارے ہوتے ہوئے عبادات میں خلل آ گیا تو کیا ثبوت ہے کہ تم مسلمان بھی ہو یا نہیں۔ یہ جو ہمارا آج کا ماحول ہے ہم میں ہندوستان میں یورپ میں باقی دیگر مملک مسلم یا غیر مسلم ممالک ماحول کے اعتبار سے کوئی خاص فرق نہیں جتنی کچھ نمازیں ہم پڑھتے ہیں اتنی لوگ ہندوستان میں یورپ میں اور دوسرے غیر مسلم ممالک میں بھی پڑھ لیتے ہیں۔ جس طرح سے ہم میں سے کہ کوئی کہتا ہے میں صرف حلال ذبیحہ ہی کھاؤں اور دوسرا کہتا ہے ٹھیک ہے جو ملتا ہے قصاب سے لے آؤ خواہ وہ مردار بیچ رہا ہے یا صحیح بیچ رہا ہے چونکہ یہاں بھی ہم نے دیکھا ہے کہ لوگ مردار بیچ دیتے ہیں خصوصاً بڑے شہروں میں کراچی کا ایک واقعہ عبیداللہ بیگ فوٹو گرافر پاکستان ٹیلی ویژن نے ایک اخبار کے جمعہ میگزین میں لکھا کہ میں جنرل ضیاء الحق کے ساتھ کراچی گیا اور کھانا کھانے ایک بڑے ہوٹل میں چلا گیا۔ دیکھا کہ بہت سے مرغوں کے کریٹ جا رہے ہیں یہ میرے دل میں بات کھٹکی کہ یہاں کم از کم کئی ہزار مرغ روزانہ پکتے ہوں گے بہت بڑا ہوٹل ہے اور بے شمار مہمان ہیں تو کئی ہزار مرغ یہ ذبح کیسے کرتے ہیں صاف کیسے کرتے ہیں اور اسکا گوشت کیسے بناتے ہیں لمبا چوڑا سسٹم ہو گا تو جہاں کریٹوں والے جا رہے تھے میں پیچھے پیچھے چلتا گیا دیکھا کہ ایک حوض بنا ہوا ہے جس میں پانی کھول رہا ہے وہ زندہ مرغوں کا کریٹ آرام سے اس میں ڈال دیتے تھے مرغے چوں چوں بھی نہیں کرتے تھے کیونکہ ابلتے پانی میں انہیں چوں کرنے کی بھی فرصت نہیں ہوتی تھی دوسرے کنارے پر ایک بندہ کھڑا تھا جس کے پاس لوہے کی ایک لمبی سی کنڈی تھی وہ کریٹ باہر کھینچ لیتا صفائی والے مزدور ایک مرغے کو ٹانگ سے پکڑتے اس طرح کھینچتے کہ بال کھال ہر چیز اتر جاتی پیٹ صاف کیا اور مرغا آگے پھینک دیا یہ ان کا طریقہ تھا بیگ صاحب لکھتے ہیں کہ میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا "نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے" یہ یاد نہ رہا کہ کہاں کھڑا ہوں تو انہوں نے مجھے پکڑ لیا کہ تو یہاں شعر پڑھنے کدھر سے آ گیا۔ مجھے دھکا کمی دیتے ہوئے باہر نکال دیا۔ میں ہوٹل سے نکلا اور گلی میں ایک چھابڑی والے سے دال روٹی لیکر کھالی یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں اخباروں میں آئی میں نے خود بھی پڑھی تو جس پراسس میں ہم جی رہے ہیں اقامت دین ہم نہیں کر رہے ہیں ہم اس سے محروم ہیں اقامت دین یہ ہے کہ معاشرے میں وہ چیزیں جو اللہ

نے معین فرمائی ہیں ان کی شناخت ہو جائے اور اتنی قوت ہو کہ دوسرا بھی سمجھے کہ ان کے بغیر اس معاشرے میں جینا ممکن نہیں کافر کو بھی یہ یقین ہو کہ نماز کے اوقات میں دفتر میں کوئی دستخط کرنے کے لیے نہیں ملے گا یہ سارے لوگ نماز پر ہوں گے جب دفتر کی بریک کا وقت ہوتا ہے تو دنیا کے کسی ملک میں کوئی بھی دفتر کی طرف منہ نہیں کرتا انہیں پتہ ہے آدھے گھنٹے کی بریک ہے تو یہاں اس یقین کے ساتھ کافر کو بھی پتہ ہو کہ اب نماز کا وقت ہے تو اس میں یہ سارے سر بسجود ہوں گے کوئی نہیں ملے گا غیر مسلم کو بھی پتہ ہو کہ جہاں حلال ہے وہاں حلال ہی ہوگا وہاں حرام نہیں ہو سکتا تو اگر ہم ان چیزوں کو زندہ نہیں کر سکتے تو اقامت دین سے ہم محروم ہیں اور یہ ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ یعنی نقص ہے ایمان کا کمزوری ہے ایمان کی کامل ایمان نہیں ہے کہ جوں توں کر کے میں نے اپنی نماز پڑھ لی آپ نے اپنی پڑھ لی ہم دس پچاس بندوں نے مسجد میں آ کر نماز پڑھ لی ذکر کر لیا یہ اقامت دین نہیں ہے اقامت دین کی ایک کوشش ضرور ہے ایک مجاہدہ ہے کہ ساتھیوں کو اس کے لیے تیار کیا جائے لیکن اقامت دین تب ہوگی جب پورا ملک ہی مسجد بن جائے وہ احترام پوری سرزمین پر آ جائے جو مسجد کے اندر ہے کہ حلال حلال اور حرام حرام ہے۔ جائز جائز ہے اور ناجائز ناجائز ہے جس طرح ہم مسجد میں کھڑے ہوئے تھوڑا سا احساس رکھتے ہیں کہ جھوٹ نہیں بولنا چاہیے وہ احساس پورے ملک میں ہو کہ میں ایک مسلمان ملک میں ایک مسلمان شہری ہوں میں جھوٹ کیوں بولوں اقامت دین کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح انسانی زندگی پر انسان کی بنائی ہوئی اقدار کی چھاپ لگ جاتی ہے اور ہر بندہ اس رو میں بہنا شروع کر دیتا ہے کہ اس کے خلاف جینا مشکل ہے۔

اس طرح اگر ہمارے کاروبار میں دینی اقدار رواج پا جائیں کہ پچاس کی چیز کے پچاس ہی مانگے جائیں اکاون بھی نہ لیے جائیں انچاس بھی نہ لئے جائیں اس لیے کہ یہ اسلامی ملک ہے کہ مسلمان کے لیے لین دین میں کھرا ہونا اور سچا ہونا بنیادی شرط ہے اور اسلامی ملک میں اسلامی احکام کے خلاف کرنا ممکن نہیں ہے تو یہ ہوتا ہے اقامت دین اب اس ساری ہماہمی میں کسی نے اللہ کی توفیق سے کھری بات کر بھی لی تو اقامت دین میں نہیں آئے گی اقامت دین کا معنی یہ ہے کہ اس ماحول پر اس معاشرے پر اس فضا پر ان احکام کا اثر پیدا ہو اور دوسروں کو اگر دین نہیں بھی مانتے تو احساس ہو کہ یہ دین داروں کا ملک ہے اور اس میں اس انداز سے رہنا پڑے گا تو فرمایا میرے حبیبؐ میرے ان بندوں سے کہہ دیجئے جنہیں ایمان نصیب ہوا کہ تقاضائے ایمان اقامت الصلوۃ یعنی عبادات کا قیام ہے اب اس راہ میں تم سمجھو کہ ہم عبادت کرتے ہیں تو ہمیں پیسے زیادہ ملنے چاہئیں یا ہمیں فلاں شے کیوں نہیں ملتی فرمایا جو کچھ تمہارے پاس ہے اس اقامت دین کی راہ میں تو قربان کرو خواہ چھپے کرنا پڑے اعلانیہ کرنا پڑے جو تمہارے پاس سرمایہ ہے، دولت ہے، علم ہے، طاقت ہے، قوت ہے، اقتدار ہے، قوت زبان ہے، قلب کی قوت ہے، لکھنے کی قوت ہے تو جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے یُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ جو صفت جو کمال میں نے تمہیں عطا کیا ہے اسے اقامت دین کے لیے خرچ کرو تو ساری نعمتیں دے رہے ہو لیکن دراصل تمہارے لینے کی باری دار جزا میں آئے گی دار عمل میں نہیں۔ میں تمہیں جو بن مانگے دے رہا ہوں اسے میری راہ پر دینے کی تمہاری باری ہے تمہارا اپنا

کچھ نہیں ہے مالک ہی دے رہا ہے طاقت دیتا ہے، جوانی دیتا ہے، عزت دیتا ہے، حسن دیتا ہے، عقل دیتا ہے، شعور دیتا ہے، کوئی شے بھی دیتا ہے دے مالک ہی رہا ہے لیکن جو کچھ مل رہا ہے بن مانگے، فرمایا اسے اقامت دین کے لیے خرچ کرنا یہی تمہاری ذمہ داری ہے اور تمہاری لینے کی باری دار جزا میں آئے گی اور وہاں میں تمہیں اتنا دوں گا کہ تم مانگنا بھول جاؤ گے۔

ایک بڑا مزے دار سوال ہوا کہ آخرت میں بھی علماء کی کوئی اہمیت رہے گی۔ یہاں تو علماء سے قرآن، نماز فقہ کے مسائل، حلال وحرام، نیک و بد پوچھا جاتا ہے تو علماء کا ایک مقام ہے کہ ہر آدمی ان کی طرف رجوع کرتا ہے جب لوگ جنت میں چلے جائیں گے نہ ان پر نماز فرض رہی نہ وہاں حرام حلال کو کوئی شور شرابہ رہا نہ کوئی وضو کا جھگڑا رہا، دار عمل ختم ہو گیا تو وہاں علماء سے کیا پوچھیں گے محققین فرماتے ہیں کہ وہاں ہی تو علماء کی اہمیت کا اندازہ ہوگا کہ لوگوں کے پاس اتنی نعمتیں ہوں گی کہ وہ علماء سے پوچھیں گے کہ ان کے علاوہ کون کونسی نعمت مانگی جاسکتی ہے۔ فاضل حدیث سے پوچھیں گے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نعمت بتائی ہوگی جو ہمارے علم میں نہیں ہے۔ مفسر سے پوچھیں گے کہ اللہ نے قرآن میں کوئی اور نعمت بھی بتائی ہوگی عام جنتی کو بھی اتنا کچھ ملے گا اسے مزید مانگنے کے لیے مشورے کرنے پڑیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک بندہ پل صراط پر پھنس جائے گا پل صراط جہنم کے اوپر ایک پل ہے جس پر کافر قدم نہیں جما سکے گا سیدھا جہنم میں گر جائے گا مومن پل پر کھڑا تو ہو جائے گا لیکن چلنے کے لیے اسے اپنے اعمال چاہئیں ہوں گے جہاں کسی کے اعمال ختم ہو جائیں گے وہاں سے وہ بھی گر پڑے گا باقی راستہ اسے دوزخ سے گزر کر جانا ہوگا یہی وہ عرصہ ہے جس میں مومن کو بھی دوزخ میں رہنا پڑا اللہ ہر کسی کو گرنے سے بچالے تو وہ قادر ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک بندہ کے عین آخری کنارے کے قریب پہنچ کر اعمال ختم ہو جائیں گے۔

اب وہ گرنے لگا تو پل سے چمٹ گیا تو دعا کرتا ہے کہ بار الہا تو کریم ہے یہ دو قدم پہ کنارا ہے ان دو قدموں کے لئے مجھ غریب کو جہنم میں پھینکے گا میں اس کے بعد تجھ سے کچھ نہیں مانگوں گا مجھے گرنے سے بچالے اور مجھے اس کنارے بٹھا لے حضور فرماتے ہیں کہ اللہ کریم فرمائیں گے کہ میں بندوں کو جانتا ہوں یہ مانگنے سے بس نہیں کرتے ارشاد ہوگا اسے کنارے پہ پہنچا دو اب وہ کنارے پہ پہنچ گیا لیکن آگے جانے کو پھر اس کے پاس سرمایہ کوئی نہیں ادھر سے دوزخ کی گڑگڑاہٹ سنائی دیتی ہے گھن گرج آتی ہے آگے فضا صاف ہے کچھ عرصہ رہنے کے بعد پھر دعا کرے گا بار الہا میں کچھ نہیں مانگوں گا اس کے بعد وعدہ کرتا ہوں لیکن ایک رحم فرما جب اس میں گرنے سے بچالیا تو اس کی یہ گھن گرج اور ہر وقت کا اس کا شور شرابہ ہے دل دہل جاتا ہے جب یہ چیختی ہے تو مجھے اس سے دور کر دے اور اس طرف جنت کے قریب کر دے بس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں مانگتا لیکن یہ جو ہر وقت کا اسکا رعب داب ہے اس سے تو مجھے بچالے حضور فرماتے ہیں اللہ کریم اسے پھر فرمائیں گے کہ مانگنے سے تو تو باز نہیں آئے گا اگرچہ وعدہ کر رہا ہے لیکن خیر میں تیری یہ بات بھی پوری کرتا ہوں تو اسے وہاں سے دور کر دیا جائے گا۔

جنت کے قریب ہو جائے گا اعراف کے اُس سرے چلا جائے گا جہاں سے اسے کچھ نہ کچھ جنت کے نظارے ہونے شروع ہو جائیں گے کچھ دن تو سینے پہ سل رکھے گا پھر وہ ہاتھ اُٹھائے گا یا اللہ کیا جاتا ہے تیرا، ایک کونے میں مجھے بھی پھینک دے میں کون سے جنت میں محل مانگ رہا ہوں دیوار ہی تو بیچ میں ہے اس کے پار مجھے بھی کر دے یا اللہ یہ میں صرف دیکھ دیکھ کے للچاتا رہتا ہوں تیری رحمت میں کیا کمی ہے تو اللہ کریم فرمائیں گے اسے جنت کا ایک درخت دے دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس درخت کی لپیٹ میں اس کے لیے ستر ہزار محلات ہوں گے اور ایک ایک محل میں ستر ستر ہزار خادم ہوں گا اتنی قسم کے لباس اور کھانے پینے کا اہتمام ہوگا اور یہ غریب ترین سب سے ادنیٰ درجے کا جنتی ہوگا تو یہ بندہ اگر جس کے پاس ہزاروں نوکر ہزاروں محل ہزار قسم کے لباس لاکھوں قسم کی نعمتیں کھانے کو یہ سب بے غریب تر ہے تو وہاں کے امراء کا پتہ نہیں کیا حال ہوگا۔ ہاں لوگوں کو مانگنا بھول جائے گا کیونکہ اتنا کچھ ہوگا کہ سمجھ نہیں آئے گی کیا مانگیں تو پھر علماء کی ضرورت پیش آئے گی اور علماء کو جنت میں جانے کے لیے بھی اقامت دین ہی کی ضرورت ہے کہ ان کا علم اقامت دین کے سبب آئے گا۔ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا (البقرہ: 41) دنیاوی نعمتوں پر دینی علم کو بیچنے والے نہ ہوں سب سے مشکل زندگی ایک عالم کی زندگی ہے، دینی عالم کی کہ اس کے بے شمار گاہک ہوتے ہیں اور اس کی بے شمار ضرورتیں ہوتی ہیں اور اس کے پاس جو دینی علم ہے بڑا مہنگا بکتا ہے لیکن اللہ کریم فرماتے ہیں کہ دنیا کی ساری دولت بھی اگر ایک غلط فتویٰ دینے پر مل جائے تو بھی تم نے تھوڑی قیمت لی یہ اللہ کی بات تھی اور وہ عارضی اور وقتی اور دنیاوی دولت تھی۔ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا (البقرہ: 41) اس قلیل قیمت پر میرے احکام کو مت بیچو اس ابتلا سے جو لوگ بچ گئے اور جو علماء جنت میں گئے وہ وہاں بھی واقعی سردار ہوں گے رئیس ہوں گے تو میں عرض کر رہا تھا کہ بندے کے مانگنے کی باری تو وہاں آئے گی یہاں تو ہم مانگتے ہیں محض ثواب کے لیے ملتا ہمیں بن مانگے ہے۔ مانگنے کی اہلیت نہیں ہوتی تو بھی بے شمار نعمتیں دے رہا ہوتا ہے اور جو اس کی نعمتوں کا اقرار نہیں کرتے ان پر بھی اس کی بے شمار نعمتیں ہیں جن کا حساب ہوگا تو فرمایا یہاں یہ حال ہے کہ اقامت دین کے لئے احیائے دین کے لیے نفاذ اسلام کے لیے ماحول کو یہ بات منوانے کے لیے کہ ہم مسلمان ہیں اور اسلامی انداز میں زندگی اس طرح سے ہوتی ہے جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور احیائے دین کا سبب بنو ورنہ فرمایا ایک وقت آ رہا ہے۔ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ کہ اس دن نہ سودا بازی ہوگی نہ کوئی یاری دوستی کام آئے گی جو کچھ کرنا ہے اب کر لو موت توفیق عمل سلب کر لیتی ہے اور مرنے کے بعد عمل نہیں کر سکو گے کچھ نہیں ہوگا اس لیے تمہارے پاس تب تک فرصت ہے جب تک سانس کی ڈوری چل رہی ہے اور اس میں کوشش یہ کرو کہ زیادہ سے زیادہ سرمایہ لگا سکو احیائے دین پر کلام کا، زبان کا، قلم کا، قوت کا، اقتدار کا، دولت کا جو تمہارے پاس ہے اس لیے کہ جو چیز اس پر خرچ کرو گے وہ اللہ کے ہاں تمہاری جمع ہوتی رہے گی بڑھتی رہے گی اور وہی آخرت میں تمہارے کام آئے گی۔

عبادات

سبق نمبر ۱۷: سورۃ الحجر

آیات ۹۴ تا ۹۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ

پس آپ کو جس بات کا حکم فرمایا گیا ہے آپ صاف صاف سنا دیجئے اور (ان)

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيْنَ

مشرکوں کی پرواہ نہ کیجئے۔ مذاق اڑانے والوں کو، آپ کی طرف سے ہم کافی ہیں۔ جو اللہ کے ساتھ

يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

دوسرا معبود قرار دیتے ہیں سو ان کو (اس کا انجام) جلدی معلوم ہو جائے گا۔

اطاعت الٰہی اور عبادات بجالانے کے لیے ایک اصولی طرز عمل یا سوچ عطا فرمائی گئی ہے کہ مومن کو اللہ کے احکام بجالانے کے لیے معاشرے میں اس کی گنجائش دیکھنے کی ضرورت نہیں ہمارے ہاں جنرل ضیاء الحق کے زمانے میں جب یہ شور ہوا اور انہوں نے ریفرنڈم کرایا کہ اسلام نافذ کرانا ہے تو مجھے پانچ سال اور مہلت دیجئے۔ جب وہ ریفرنڈم جیت گئے تو سوال ہوا کہ اب اسلام نافذ کیجئے تو جواب دیا گیا کہ اسلام نافذ کرنے کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ ہے کہ فوراً سارے کا سارا نافذ کر دیا جائے اور دوسرا یہ ہے کہ اس میں تدریج ہے جس طرح تیس برسوں میں قرآن مکمل ہوا اس طرح اس کے نفاذ کے لیے بھی کچھ مہلت اور کچھ وقت چاہیے اور یہ بھی بعض دانشوروں ہی کا دیا ہوا خیال تھا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے اس لیے کہ ماحول اور معاشرہ رفتہ رفتہ جتنا سازگار ہوتا جائے گا اتنا ہی اس میں ہم نفاذ اسلام کا عمل کرتے چلے جائیں گے

یہاں اتفاق سے انہی دنوں ایک اجتماع تھا جس میں مختلف سوچ کے لوگ تھے ان کی پارٹی کے بھی تھے اور دوسری پارٹیوں کے بھی ایر مارشل نور خان، جنرل مجید ملک، راجہ اصغر خان اور اس طرح کے ان کی شوریٰ اور اسمبلی کے لوگ تھے اس اجتماع میں انہوں نے مجھے بھی بلایا میں نے ان سے کہا تھا کہ آپ کی سوچ صحیح نہیں ہے آپ کی سوچ کا یہ انداز کہ ماحول صحیح ہوگا تو احکام الٰہی کا نفاذ کریں گے یہ ماحول کا صحیح نہ ہونا ایک مرض ہے اور احکام الٰہی یا اسلام اس مرض کا علاج ہے آپ کا یہ کہنا بالکل اس طرح ہے جیسے کوئی کہے کہ یہ مریض بہت لاغر ہے بہت کمزور ہے جب صحت مند ہوگا تو پھر اسے دوائی پلائیں گے یہ تو بالکل الٹی سی بات ہے ماحول کی اصلاح ہوگی ہی نفاذ اسلام سے اگر اسلام نہیں لائیں گے تو حکم بھی دیں گے کسی نہ کسی بندے کی سوچ ہوگی اور ہر بندے کی سوچ دوسرے بندوں کے لیے مفید نہیں ہوتی ان کو راس نہیں آتی اب ہمارے ہاں ہوتا یہ ہے کہ زندگی گزارنے والے لوگ مشرقی ہیں مشرق میں پیدا ہوئے ان کی سوچ مشرقی ہے ان کے فطری تقاضے مشرقی ہیں ان کے عمل کے انداز مشرقی ہیں جو طبقہ ہم پر قانون اور طرز حیات اور طرز حکومت نافذ کرنے والا ہے یہ پیدا مغرب میں ہوتا ہے پڑھتا مغرب میں ہے اس کی سوچ مغربی ہے جینا مرنا مغرب والوں کے ساتھ ہے تو واضح تضاد ہے ہماری اور حکمران طبقے کی سوچ اور فکر میں وہ جو کچھ سوچتے ہیں ماحول کی اصلاح اس مشرقی ماحول پہ راس ہی نہیں آتی وہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا چونکہ یہ مشرقی سوچ بھی بندے کی سوچ ہے اہل مغرب کو یہ راس نہیں آتی مغرب کی سوچ اور فکر بھی بندے کی سوچ ہے وہ مشرق والوں کو راس نہیں آتی۔ لیکن اسلام کسی بندے کی سوچ نہیں ہے بندے کو پیدا کرنے والے خالق کائنات کا ارشاد اور حکم ہے اور وہ مشرق والوں کا بھی رب ہے مغرب والوں کا بھی رب ہے سب کی سوچ اور فکر اس کی عطا کردہ ہے سب کے مزاج سے واقف ہے لہٰذا اس کا حکم مشرق والوں کو بھی راس آسکتا ہے مغرب والوں کو بھی اس سے فائدہ ہوسکتا ہے چونکہ وہ خالق کائنات کا حکم ہے تو آپ کا یہ عذر بھی قابل قبول نہیں۔ دوسرا جو آپ کہتے ہیں کہ نفاذ اسلام میں تدریج ہے یہ تدریج نزول اسلام میں ہے، نفاذ اسلام میں نہیں ہے۔ مکہ مکرمہ کی حیات طیبہ میں پہلے دن اگر اسلام صرف یہ تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو ہر آنے والے کے لیے سارے کا سارا نافذ تھا جب مزید احکام اور آیات نازل ہوئیں تو آنے والے کو یہ نہیں کہا گیا کہ تم صرف "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پر اتنا عرصہ رہو جتنا عرصہ پہلے رہے ہیں۔ اور پھر تم جو نیا حکم آیا ہے اس پر عمل کرنا بلکہ جتنا نازل ہو چکا ہوتا تھا اس وقت جو مسلمان ہوتا اسے سارے کا سارا ایک دم اپنانا پڑتا تھا یعنی نزول میں تدریج تھی نفاذ میں نہیں تھی یا تیرہ برس مکہ مکرمہ میں جو احکام نازل ہوئے جب حضورؐ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ آئے تو وہاں نئے مسلمان ہونے والوں کو تیرہ برس نہیں دیئے گئے کہ جو یہاں نازل ہو رہا ہے اس کے لیے آپ تیرہ برس پہلے والے پر عمل کریں پھر آپ یہاں پہنچیں گے۔ یہ تیس برس میں مکمل ہو گیا تو اس کے بعد جو مسلمان ہوا، اس کے لیے گنجائش ہے کہ وہ تیس برسوں میں بتدریج عمل کرے پہلے صرف کلمہ یاد کرتا رہے پھر نماز پھر روزہ جس طرح نزول میں تدریج ہے اس طرح کرے ایسا ہرگز

نہیں ہے نزول میں تدریج ہے جتنا نازل ہو چکا ہوتا تھا جو ایمان قبول کرتا سارے کا سارا اس پر نافذ ہو جاتا تو یہ تدریج جو نزول کی ہے اسے آپ نفاذ میں مت لائیے اب مسلمان کے ذمے ہے کہ وہ فوراً اور سارا اسلام قبول کرلے۔

اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (البقرہ:208) اسلام کے باہر جو کام بھی آپ کریں گے وہ شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے کے مترادف ہے انسان کو دو ہی چیزیں رہنمائی کے لیے ملتی ہیں یا اللہ کا حکم یا شیطانی طرز فکر اور طرز عمل اور دنیا میں دو ہی قسم کے لوگ ہیں مومن یا کافر۔ اللہ کی عبادت کرنے والے یا اللہ کی نافرمانی کرنے والے۔ نافرمانی کرنے والا شیطان کی بات ماننے والا ہے یہاں بھی ارشاد فرمایا گیا۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ جو حکم اللہ کا ہے اس پر عمل کرو اس کے لیے کوئی جواز مت ڈھونڈو کہ ماحول صحیح نہیں ہے فضا اس نہیں آئے گی۔" وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ" اور جو لوگ شرک کی معصیت میں گرفتار ہیں یا اللہ کے علاوہ اپنی آرزوؤں کے کسی بت پہ کسی خارجہ ہستی پہ کسی مخلوق پہ بھروسہ رکھتے ہیں ان سے اعراض کیجئے ان کی پرواہ نہ کیجئے لوگوں کی ماحول کی معاشرے کی پرواہ نہ کیجئے کوئی کیا کر رہا ہے یہ آپ کا مسئلہ نہیں۔ آپ کا مسئلہ یہ ہے کہ آپ کو کیا کرنا ہے اب رہی یہ بات کہ لوگ مذاق اڑائیں گے جیسے اس دور میں کوئی فنڈامنٹلسٹ (Fundamentalist) کہتا ہے کوئی قدامت پسند کہتا ہے کوئی بے وقوف کہتا ہے اللہ کریم فرماتے ہیں اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ان مذاق کرنے والوں سے میں نپٹ لوں گا۔

ان کی فکر آپ چھوڑ دیجئے یہاں خطاب ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مومن کے لیے اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں ہے جو خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو بندہ خود کو اس میں شامل کرے اس سے بڑے کسی اعزاز کے بارے سوچا نہیں جا سکتا یعنی اللہ کا جو مومن بندہ اسلام پر عمل کرنا شروع کردے یہ وعدہ الٰہی اسے بھی شامل ہے وعدہ دیا جا رہا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے طفیل ہر وہ مومن اس وعدے میں شامل ہے جو اسلام پر عمل کرنا شروع کردے گا اور کسی کی پرواہ نہیں کرتا کسی کو خاطر میں نہیں لاتا کوئی اسے بے وقوف کہے تو بھی پرواہ نہیں کرتا کوئی اس پر لعن طعن ملامت کرے تو پرواہ نہیں کرتا کوئی راستہ روکنا چاہے تو پرواہ نہیں کرتا۔ ایک بزرگ کے بارے میں مشہور ہے کہ کچھ لوگ ان کے مخالف بھی تھے تو دوستوں نے انہیں مشورہ دیا کہ حضرت آپ باہر چلے جاتے ہیں آپ احتیاط نہیں کرتے لوگ آپ کے قتل کے درپے ہیں کچھ لوگ ساتھ رکھا کریں یا اسلحہ ہو یا کوئی حفاظتی اقدامات کریں تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ کریم کا وعدہ ہے۔ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ:67) لوگوں کی حفاظت کی کیا ضرورت ہے ہاں اگر ہم کسی پر زیادتی کرتے ہیں تو ہم اس وعدے سے خارج ہو گئے لیکن اگر ہم ان حدود و قیود کے اندر ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے اتباع میں ہیں تو پھر فکر کی کیا بات ہے انہوں نے کہا کہ حضرت یہ اللہ کا وعدہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے تو انہوں نے بڑے لطف سے فرمایا کہ ہم بھی اسی میں شامل ہیں ہم بھی انہیں کے غلام ہیں اور انہیں کا اتباع کر رہے ہیں اسی راستے پر چل رہے ہیں جو ان کے نقوش کف پا نے

روشن کیا ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ کسی بھی مومن کے لیے اس سے بڑے کسی اعزاز کے متعلق سوچا نہیں جا سکتا کہ جو وعدہ دیا جا رہا ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں وہ بندہ بھی شامل ہو اور ان آیات مبارکہ میں جو حکم ہے اور جو وعدہ ہے تمام مفسرین کا اس پہ اتفاق ہے کہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن جو مومن بھی یہ طرز حیات اپنائے گا وہ اس میں ہے۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ جو حکم ملا ہے اس پر پوری خلوص پورے دیانت سے عمل کرو۔ "وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ" اور مشرکین کی کوئی پرواہ نہ کرو انہیں خاطر میں نہ لاؤ اگر وہ تمسخر اڑاتے ہیں اگر وہ سمجھتے ہیں کہ تم کامیاب نہیں ہو سکو گے یہ ہو گا وہ ہو گا تو فرمایا اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ تمہاری طرف سے ہم ان سے نبٹ لیں گے "الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا" آخر فرمایا ان کا صرف یہ جرم نہیں ہے کہ تمہارے ساتھ استہزا کرتے ہیں اصل جرم یہ ہے کہ یہ اللہ کے مقابلے میں اپنی خواہشات کی یا بتوں کی یا دوسری مخلوق کی پوجا میں مصروف ہیں اور اس سے امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہیں" فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ" اور اللہ کے مقابل مخلوق کو یا اپنے آپ کو لانے والوں کو بہت جلد خبر ہو جائے گی کہ وہ کیا کرتے رہے۔

☆ ☆ ☆

عبادات

سبق نمبر ۱۸: سورۃ الفجر

آیات ۹۷ تا ۹۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّکَ یَضِیۡقُ صَدۡرُکَ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ ﴿۹۷﴾

اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔

فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَکُنۡ مِّنَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۹۸﴾ وَاعۡبُدۡ

سو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہیئے اور سجدہ کرنے والوں میں رہیئے۔ اور اپنے

رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ ﴿۹۹﴾

پروردگار کی عبادت کرتے رہیئے یہاں تک کہ آپ کی مدت العمر پوری ہو جائے۔

ان آیات کریمہ میں گزشتہ سبق کے مرض کا علاج تجویز فرمادیا ہے۔ کہ انسان ہے انسانی کمزوریاں ہیں انسانی سوچیں ہیں انسانی ضروریات ہیں معاشرے کا دباؤ ہے مخالفین کا استہزا کاروبار میں ملازمت میں زندگی کی ضروریات میں رکاوٹ آنے لگتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل ان باتوں سے اس لیے دکھتا تھا کہ میرا مذاق اڑا کر اولاد آدم پھر جہنم میں جائے یہ بات حضور کو ناپسند تھی آپ چاہتے تھے کہ ہر کوئی رحمت سے جھولیاں بھر لے اور جس بندے تک میری بات میرا ذکر، میرا نام پہنچے وہ اللہ کی رحمت کو پالے اور جب کفار تمسخر اڑاتے اور محروم رہتے تو ان کی محرومی کا بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ ہوتا تھا اور یہی رحمت اللعالمین کے مزاج کا تقاضا ہونا چاہیے تھا تو فرمایا فکر نہ کریں ان کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔ میرے بھی بندے ہیں میری بھی مخلوق ہے میں بھی انہیں عذاب دے کر خوش اور راضی

ہیں اس سے زیادہ عظمت باری کی غور و فکر میں میں ڈوب جایئے وَ کُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ اور ہر لحہ نہایت خشوع و خضوع سے اطاعت الٰہی کرنے والوں میں شامل ہو جایئے۔ سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو جایئے سے یہ مراد لینا کہ نمازیں باقاعدگی سے ادا کیجیے یہ بھی درست ہے لیکن یہاں جو مطالبہ ہے اس میں دوام پایا جا رہا ہے اس میں اوقات نہیں ہیں اس میں دوام ہے کہ علی الدوام ذکر بھی ہو تسبیحات بھی ہوں علی الدوام مسجود بھی ہوں۔ اب بندے کے ساتھ تو بے شمار لوازمات اور ضروریات ہیں تو وہ ہر وقت کیسے سجدے میں رہے پہلی بات تو یہ ہے کہ حدیث پاک کے مطابق پنجگانہ نماز کو باجماعت ادا کرنے والا مرد یا بروقت فکر کے ساتھ پنجگانہ نماز ادا کرنے والی خاتون انہیں نماز سے خارج شمار نہیں کیا گیا اللہ کریم کا حکم ہوتا ہے کہ اب جس نے فجر ادا کی اور وہ اس انتظار میں ہے کہ ظہر کا موقع ملے اور میں ظہر ادا کروں تو اسے نماز سے خارج شمار نہیں کیا جاتا اسی طرح جو عشاء پڑھ کے فجر کی فکر لے کر سوتا ہے کہ ضرور اُٹھ کر ادا کرنی ہے تو اسے نماز ہی میں شامل رکھا جاتا ہے گویا وہ علی الدوام نماز سے کبھی خارج ہی نہیں ہوا دوسری بات جو قرآن حکیم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بات کرتے ہوئے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ " تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا " کہ اے مخاطب تو ان خدام نبوت کو جب بھی دیکھتا ہے تو رکوع و سجود میں ہی دیکھتا ہے اور اللہ کی رضا اور اس کے فضل کے طالب ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے تو زندگی میں کام کیا تبلیغ سے لے کر جہاد تک اور سیاست سے لے کر تجارت تک، خانگی امور میں، عدالتی امور میں زندگی کا ایک پورا نظام رواں دواں تھا تو یہ ہر وقت کے رکوع و سجود سے کیا مراد ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جو کام بھی وہ کرتے تھے اس خلوص سے اللہ کی اطاعت کے لیے کرتے تھے۔ جس خلوص سے کوئی رکوع اور سجدہ کرتا ہے تو گویا ان کا ہر کام رکوع و سجود ہی بن جاتا تھا۔ جیسے کہ مومن کی دنیا بھی دین ہوتی ہے کہ وہ دنیا کا کام اللہ کے حکم کے مطابق اور اللہ سے رضامندی اور ثواب کی امید پر کرتا ہے تو وہ بھی دین بن جاتا ہے اور کافر کا دین بھی دنیا ہوتا ہے کہ وہ کوئی دینی رسم بھی ادا کرتا ہے تو دنیوی فائدے کے لیے کرتا ہے۔ یعنی کافر کا دین بھی دنیا ہوتا ہے اور مومن کی دنیا میں بھی دین ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کما کر لاتا ہے اور جب اپنے بیوی بچوں کو نان و نفقہ دیتا ہے تو وہ صدقہ شمار ہوتا ہے عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیوی بچوں کا نان و نفقہ تو اس کی ذمہ داری تھی فرمایا جو کام اللہ نے لگا دے وہ کیا جائے تو اسی کو عبادت کہتے ہیں عبادت کا تصور ہے کہ اللہ نے جو کام کرنے کا حکم دیا ہم نے اس کا حکم بجا لانے کے لئے وہ کام کر دیا تو اس میں بھی تو اللہ کی عبادت ہی کر رہا ہے جس کا ثواب ملے گا بچے اپنے پال رہا ہے عبادت اللہ کی ہو رہی ہے تو مومن کی دنیا بھی دین ہے لیکن دو باتوں کا دھیان رہے ایک ذکر الٰہی میں غفلت نہ آئے اللہ کی تسبیحات، اللہ کی عظمت بیان ہوتی رہے اور دوسرے وَ کُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ ہر کام اللہ کے حکم کے مطابق اور پورے خلوص اور خشوع و خضوع سے کیا جائے فرمایا یہ ایک دو چار دنوں کی بات نہیں ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ○ آخری سانس کے آنے تک اس طرز عمل پر قائم رہو۔ جب تک سانس آتی ہے جب تک

عقل سلامت ہے جب تک ہوش باقی ہے جب تک دنیا کے گرم وسرد کو سمجھ رہے ہو جب تک اپنی ضروریات سے واقف ہو، دو ہی صورتیں ہیں یا موت آجائے یا سمجھ آدمی کا ساتھ چھوڑ جائے ہوش نہ رہے ورنہ کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے کہ آپ اللہ کی پاکی بیان کرنے سے غافل ہوں۔ یا اللہ کی اطاعت سے فرار کے لیے مسلمان کوئی راستہ ڈھونڈے یہ منافی ایمان صورتیں ہیں ایمان کیساتھ جمع ہونے والی صورتیں نہیں ہیں تو اسلام وہ دین ہے جسے ہم نے اللہ کے احسان سے اپنی پسند سے اپنی رغبت سے اپنے دل کی گہرائی سے قبول کیا ہے اگر کوئی بندہ اپنے دل کے فیصلے سے قبول نہیں کرتا وہ تو مسلمان ہوتا نہیں ہے تصدیق قلبی تو ہر ایک کے لیے شرط ہے جب ہم نے قبول کر لیا تو اب دیکھنا یہ ہے کہ اس ہماری قبولیت میں کتنی جان ہے اگر مسلمان روئے زمین پر ایک اکیلا رہ جائے تو بھی اسے مسلمان رہنا ہوگا کفر کے ساتھ اس کا سمجھوتہ نہیں ہو سکے گا مسلمان مسلمان رہے گا کافر کافر رہے گا چہ جائیکہ دنیا میں اتنے کثیر مسلمان ہوں اور پھر اسلام پر عمل نہ ہو تو یہ بڑی عجیب بات ہے اس سوال کا جواب شاید میدان حشر میں ہمارے پاس کوئی بھی نہیں۔ سوائے اس کے کہ ہم اپنی بساط کے مطابق یا جو قوت کار اللہ نے ہمیں عطا فرمائی ہے اس کے مطابق ہم محنت اور کوشش کرتے رہیں۔

☆ ☆ ☆

معاملات:

سبق نمبر ۱۹: سورۃ بنی اسرائیل

آیات ۲۳ تا ۲۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ

اور آپ کے پروردگار نے حکم کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور (اپنے) ماں باپ کے ساتھ

اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَکَ الۡکِبَرَ اَحَدُہُمَاۤ اَوۡ

حسن سلوک کرو اگر تمہارے پاس ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ

کِلٰہُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّہُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنۡہَرۡہُمَا وَ قُلۡ لَّہُمَا

جائیں تو ان دونوں سے ناپسندیدہ بات نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے بہت

قَوۡلًا کَرِیۡمًا ﴿۲۳﴾ وَ اخۡفِضۡ لَہُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ

اچھے انداز سے بات کرو۔ اور عاجزی اور انکساری سے ان کے آگے جھکے رہو اور (ان کے حق میں) دعا کرو

الرَّحۡمَۃِ وَ قُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا ؕ ﴿۲۴﴾

اے میرے پروردگار! جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا پوسا ہے آپ ان دونوں پر رحمت فرمایئے۔

معاملات کی بنیاد اللہ جل شانہٗ نے اپنی عبادت کے بعد والدین کے ساتھ تعلقات کو قرار دیا ہے لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ فَتَقۡعُدَ مَذۡمُوۡمًا مَّخۡذُوۡلًا (بنی اسرائیل:22) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو کسی دوسرے کو عبادت کا مستحق مت سمجھو یہ معاملہ ہے بندے کا رب کے ساتھ کہ اپنی بندگی کا اعتراف کرے اپنے مربوب ہونے کو جانے اس کے مطلوب ہونے کو جانے اس کے خالق ہونے رب ہونے اور الٰہ ہونے کا عملی طور پر اعتراف کرے۔ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ماں باپ (والدین میں نانی یا دادی دادا یا بزرگ جو اس رشتے سے آتے ہیں وہ سارے ہی شامل ہیں) کے ساتھ حسن سلوک کرے اب یہاں یہ قید نہیں لگائی گئی کہ وہ والدین صالح ہوں نیک ہوں یا مسلمان ہی ہوں بلکہ صرف ایک شرط لگائی گئی ہے کہ اس

کے والدین ہوں دوسری جگہ قرآن حکیم میں موجود ہے کہ اور وہ اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں یا اللہ سے شرک کرنے کا حکم دیں تو ان کا وہ حکم نہ مانا جائے گناہ کا حکم دیں تو وہ حکم نہیں مانا جائے گا۔ لیکن حکم نہ ماننا ایک الگ بات ہے اور توہین کرنا یا تذلیل کرنا یا سختی سے پیش آنا یہ الگ بات ہے اگر والدین بھی گناہ کا حکم دیتے ہیں تو وہ حکم نہیں مانا جائے گا اس کے باوجود ان کی توہین نہیں کی جائے گی سخت کلامی نہیں کی جائے گی اور انہیں رنج نہیں پہنچایا جائے گا۔ اسی طرح بالفرض اگر وہ بعض اوقات اللہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں یا انبیاء کی گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں بعض اچھے بھلے نیک دین دار لوگ چونکہ سلسلے سے یا شیخ سے متعارف نہیں ہوتے یا اس کے پاس جو اطلاعات پہنچی ہوئی ہیں وہ صحیح نہیں ہوتیں اور لوگوں کی سنی سنائی باتوں میں آکر وہ انکے خلاف بات کرتے ہیں تو ان کی ایسی باتیں سننے سے اجتناب کرنا چاہئے آدمی کو کوشش کرے کہ جب وہ ایسی گفتگو کر رہے ہوں تو وہاں سے ہٹ جائے وہ بات نہ سنے لیکن اس کے باوجود ان کی توہین کرنا یا انہیں ایذا پہنچانا انہیں بھلا برا کہنے کی اجازت نہیں۔ نبی کریم جہاد پر تھے منافقین مدینہ بھی ساتھ تھے عبداللہ ابن ابی نے اپنے جتھہ کو جمع کر کے کہا کہ یہ روز روز کی مصیبت اور سیاپا ہے مدینہ واپس پہنچتے ہی ایسا کرتے ہیں کہ ہم معزز اور بااثر لوگ ہیں اور یہ باہر سے آئے ہیں اور ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے ان بے حیثیت لوگوں کو شہر سے نکال دیں گے یہ کہیں اور چلے جائیں اگر انہیں اتنا ہجرت کرنے کا شوق ہے تو مدینہ کیوں آگئے اور ہمارے لیے کیوں مصیبت بنے ہوئے ہیں اتفاق سے ایک صحابی یہ کلام سن رہے تھے۔ انہوں نے وہ بات جتنی سنی تھی من وعن جا کر رسول کریم کو عرض کر دی حضورؐ نے ابن ابی کو بلا کر پوچھا اس نے کہا جی نہیں میں نے تو ایسی بات نہیں کی انہیں غلطی لگی ہوگی یا کہیں اور سے سنی ہوگی وہ قسمیں کھانے لگ گیا اور نبی کریمؐ نے بھی اس نوعمر صحابیؓ سے فرمایا کہ بھئی اچھا نہیں کیا آپ نے آخر جب تک کوئی گواہی نہ ہو کوئی دلیل نہ ہو اس وقت تک بات کو آگے نہیں کرنا چاہیے تو ان کا بڑا دل آزردہ ہوا کہ یا اللہ میں نے تو سچی بات کی تھی اور اس نے ایسا ایسا کہا تھا میں نے اپنی طرف سے کچھ شامل نہیں کیا تو تو جانتا ہے۔ اللہ کریم نے وہ سارا حال بذریعہ وحی حضورؐ پر نازل کر دیا یہ آیہ کریمہ ابھی تک قرآن کریم میں موجود ہے پھر بات سب پر ظاہر ہوگئی تو ان کے بیٹے جو مخلص صحابی تھے مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے تلوار لیکر باہر راستے پر کھڑے ہوگئے اور کہا کہ نبی کریمؐ اور ان کے خادم مدینہ میں داخل ہوں گے لیکن ان منافقوں کو میں نہیں داخل ہونے دوں گا اور اپنے باپ کا سرکاٹ دوں گا اس کو میں نہیں جانے دوں گا یہ جو معزز بنتا ہے اس کو شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔ باپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فریاد کی اور آپؐ نے بلا کر منع فرمایا کہ جیسا بھی ہے تمہارا باپ ہے تم اسے قتل کرنے کے مجاز نہیں ہو تمہیں اجازت نہیں دی جاسکتی کہ تم اسے قتل کرو۔

اسی طرح ایک شاعر تھا اس نے تقریباً سارے عرب میں پھر کر اپنے شعروں سے اور اپنی باتوں سے آگ لگا دی اور بہت بڑا سبب بنا، احد کے لیے مختلف قبائل کو اور قریش کو بھڑکانے کا۔ میدان جنگ میں نبی کریمؐ نے فرمایا کہ کوئی ہے جو

اسکی طرف سے مسلمانوں کی جان چھڑائے اور اس سے مسلمانوں کو نجات دے تو اس کا بیٹا تلوار سونت کر میدان میں آ گیا کہ یارسول اللہ اسے میں قتل کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا اللہ نے اسے تیرے دنیا میں آنے کا سبب بنایا ہے تو اسکے دنیا سے جانے کا سبب نہیں بن سکتا اور کسی کے ذمے لگا دے۔ حالانکہ حضورؐ اس کے قتل کا حکم دے رہے تھے اور اس کا بیٹا جانثار خادم تھا اس نے اپنے آپ کو پیش کیا لیکن آپؐ نے اسکی اجازت نہیں دی تو احسان سے مراد یہ ہے کہ ممکن حد تک حسن سلوک کرے۔ ان کی خدمت کرے انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرے لیکن اس خوشی میں ناروا باتیں شامل نہیں ہیں اگر بعض اوقات انسانی کمزوری کی وجہ سے وہ کسی سے ناخوش ہیں یا اس کے لیے کوئی غلط رائے رکھتے ہیں یا کوئی غلط کام کرنے کا حکم دیتے ہیں یا کسی صحیح کام سے ناراض ہوتے ہیں تو ان کے لیے دعا کریں انہیں جھڑکیں نہیں انہیں بھلا برا نہ کہیں۔ فرمایا۔ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا اگر ان میں سے ایک ماں یا باپ یا دونوں بوڑھے ہو جائیں کسی کام کے نہ رہیں، بوڑھا آدمی عموماً بوجھ ہو جاتا ہے۔ مغرب کی سوسائٹی جس کے پیچھے ہم آج بھاگ رہے ہیں اور جس پر ہم جان دیتے ہیں وہاں انہوں نے بوڑھوں کے لیے اولڈ ہوم بنا دیے ہیں کہ بوڑھی والدہ ہو بوڑھا والد ہو اسے وہاں داخل کر دیا جائے اور پھر انہیں مرنے تک کوئی نہیں پوچھتا یہ اس کی فیس دیتے رہتے ہیں اور وہ انہیں کوئی دال روٹی دیتے رہتے ہیں اور یوں سسک سسک کر وہ مر جاتے ہیں بعض اتنا تکلف بھی نہیں کرتے گھر سے نکال دیتے ہیں اور دھکے کھاتے کھاتے مر جاتے ہیں اسلام نے اس حالت میں ان کے ادب واحترام انکی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے اور فرمایا کہ اگر بڑھاپا انہیں بیکار کر دے وہ گھر کا کام کاج نہیں کر سکتے تمہارے کسی کام نہیں آ سکتے تو بھی انکی خدمت کرو حسن سلوک کرو۔ فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْھَرْ ھُمَا انہیں بھلا برا نہ کہو اور انہیں جھڑکو نہیں فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ اس کا یہ اردو ترجمہ نہیں ہے کہ اف تک نہ کی جائے بلکہ عربی میں کسی کو ملامت کی جائے بھلا برا کہا جائے تو کہتے ہیں اف تک اف ہو تمہارے لیے عربی کا اپنا محاورہ ہے جیسے ہم پنجابی میں کہتے ہیں ''پھٹے منہ تیرا'' اس طرح عربی میں کہتے ہیں ''اُفٍّ لک یا اف لکم'' تمہارے لیے ملامت ہو یا برائی ہو تو فرمایا والدین کو اس طرح کی لعن طعن یا ملامت نہ کی جائے وَّ لَا تَنْھَرْ ھُمَا کسی بات پر جھڑکا نہ جائے بالفرض کوئی نقصان ہو جاتا ہے کہیں پیسے کا یا کسی سے وہ خفا ہیں اور آپ سمجھتے ہیں کہ یہ ناروا خفا ہو رہے ہیں تو انہیں مت جھڑکئے آپ برداشت کیجیے یا سامنا نہ کیجیے۔ یا ان کی اس بات پر عمل نہ کیجیے کہ وہ بات صحیح نہیں ہے۔ عمل اسی پر ہو گا جو شرعاً درست ہے اس کے باوجود ان کا اپنا ایک مقام ہے ایک احترام ہے جو اولاد پر فرض ہے۔

ایک صحابی نے بارگاہ نبوی میں آ کر شکایت کی کہ یارسول اللہؐ میرا والد کام کاج تو کرتا کوئی نہیں بوڑھا آدمی ہے لیکن مال و دولت کا دشمن ہے میں بڑی محنت سے کما کر لاتا ہوں جو کوئی چار پیسے بچتے ہیں بابا جی کسی کو دے دیتے ہیں کبھی ضائع کر دیتے ہیں۔ سودوں میں کبھی کسی چیز میں۔ میرا بڑا نقصان کرتے ہیں تو میں کیا کروں آپؐ نے فرمایا تو بھی اور تیرا مال و دولت

بھی تم اس کے محاسب نہیں بن سکتے تم اسے جھڑک نہیں سکتے تم اسے منع نہیں کر سکتے تم اسے روک نہیں سکتے ہاں پیار سے درخواست کرو تمہاری بات مان لے اس کی مرضی نہ مانے تو تم اسے بھلا برا سخت سست نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ تمہارا مال کیا تم خود بھی اسکی ملکیت ہو تو اگر ضائع کرتا ہے تو اپنا ہی مال ضائع کرتا ہے اور اس کا جواب اللہ کے نزدیک اسے بھی دینا ہے۔ وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا O ان سے جب بھی بات کرو ادب اور احترام سے کرو۔ محبت بھرے انداز میں کرو۔ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ان کے ساتھ پیار و محبت کے ساتھ شفقت کیساتھ نرمی کا سلوک کرو اور فرمانبرداری کا لہجہ اختیار کرو۔ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا اور ان کے لیے اللہ کریم سے دعا کرو کہ اگر ان میں کوئی کمزوری کوئی خامی یا کوئی کمی ہے اسے اللہ جس طرح میں بے بس چھوٹا سا بچہ تھا اور انہوں نے محنت و مشقت کر کے مجھے پالا پوسا جوان کیا پڑھایا لکھایا زندگی کے راستے پر ڈالا ان کے بڑے احسانات ہیں تو ان میں جو انسانی کمزوریاں ہیں اور بڑھاپے کی وجہ سے خامیاں آگئی ہیں اے اللہ تو ان کے حال پر رحم فرما اور ان کی اصلاح فرمادے اور نیکی کی توفیق عطا کر یا اگر خدانخواستہ ایماندار نہیں ہیں تو دعا کیجئے کہ اللہ انہیں ایمان نصیب فرمائے چونکہ زندگی میں جب تک کسی کی کفر پر موت واقع نہیں ہو جاتی تب تک اس کے لیے دعا کی جا سکتی ہے ہاں اگر کسی کی موت کفر پر واقع ہو جائے تو پھر اس کے لیے دعا کرنے کی اجازت نہیں۔ تو یہ ہے وہ رویہ جو معاملات میں اسلام نے والدین کے ساتھ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

والدین کے حقوق کے بعد اسی سورہ مبارکہ کی آیت نمبر 35 اور 36 میں یتیم کے مال اور لین دین میں پورے پورے انصاف کے ضمن میں فرمایا۔

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا O وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا O

کہ اگر کوئی تمہارا قریبی اس دار دنیا سے چلا جاتا ہے اب اس کے یتیم بچے تمہارے کفالت میں آگئے تو اسکی جائیداد ہے یا ان کا مال ہے وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ ۔ یتیم کے مال کے قریب بھی مت پھٹکو اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ بہترین طریقے پر اس کی ضرورت پر خرچ کرنے کے لیے جس طرح اپنے بچوں کے لیے اپنا مال سنبھال کر خرچ کرتے ہو اسی طرح یتیموں کی جو وارثت تمہارے پاس آگئی ہے ان کی تربیت ان کی پرورش کے لیے اسی شفقت اسی پیار اسی دیانتداری اسی خلوص سے خرچ کرو تو درست ہے ہڑپ کرنے کا مت سوچو کہ ان کا مال قابو آگیا ہے میں کھالوں جب وہ بالغ ہو جاتے ہیں تو ان کا مال ان کی جائیداد ان کی وارثت انکے سپرد کر دو۔ ساری عمر کے لیے ان پر مسلط نہ ہو جاؤ کہ تم بہت عقلمند ہو اور وہ بے وقوف ہیں جس کا مال ہے وہ بیوقوف ہے یا عقل مند ہے وہ خود جواب دہ ہے جب یتیم بالغ ہو جاتا ہے تو جو اس قابل ہے اسکے سپرد کرو وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ مال میں لین دین میں معاملات میں جب وعدہ کرتے ہو تو وعدے کو ایفا کرو اس لیے اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا اس لیے کہ وعدہ بھی کاروبار کا ایک حصہ ہے۔ جس طرح آپ لین دین میں سرمایہ لے کر جنس دیتے ہیں جنس لے کر سرمایہ دیتے ہیں

اسی طرح جب آپ وعدہ کرتے ہیں تو کچھ امیدیں اگلے کو دیتے ہیں کچھ اپنی طرف سے دینے کا عہد کرتے ہیں یہ بھی ایک لین دین ہے اور کوشش کرو کہ یا تو وعدہ کرو ہی نہیں اگر کر چکو تو اسے بہتر انداز سے پورا کرو اس لیے کہ جس طرح معاملات کی پڑتال ہوگی لین دین کی پڑتال ہوگی اسی بارگاہ میں ان وعدوں کا حساب بھی لیا جائے گا آپ اندازہ کریں کہ آدمی کے احساسات اجناس سے زیادہ قیمتی ہیں ہم نے ایک آدمی کو غلط جنس چاول یا غلہ دے دیا اسے تکلیف تو ہوئی لیکن شائد وہ برداشت کر جائے گا اسی پر گزارہ کر لے گا اچھی قسم کے چاول کے پیسے لے لیے نرم قسم کا دے دیا چلو چاول تو پکا کھا لے گا لیکن وعدہ دیکر جو نبھایا نہیں تو انسانی احساسات کو جو دھچکا لگاوہ تو غلط چاول دینے سے زیادہ خطرناک تھا اور زیادہ تکلیف دہ تھا ناقص غذا کھانے کی نسبت اسے زیادہ تکلیف ہوئی زیادہ ایذا پہنچی یہ بھی تو لین دین ہے فرمایا اسکا بھی حساب ہوگا۔ یہ یاد رکھو وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ سیدھی ڈنڈی سے تولو ڈنڈی مت مارو یعنی پورے پورے انصاف کے ساتھ لین دین کرو ذٰلِكَ خَيْرٌ یہی بہترین طرز حیات ہے یہی بہترین طرز عمل ہے یہی اللہ کو پسند ہے اور اسی پر تمہاری نجات کا اور تمہاری عزت و آبرو اور اخروی منازل کا مدار ہے و احسن تاویلا اور اسی کے بہتر نتائج پیدا ہوں گے۔

اس دور کی ایک بدنصیبی یہ بھی ہے کہ جہاں عقائد اور عبادات سے بھی بہت سے لوگ محروم ہو گئے وہاں معاملات میں ہم بالکل آزاد ہو گئے ہیں چلو نماز پڑھ لی ہے اب دوکان پر بیٹھے جو مرضی ہے کرو یا حج کر لیا یا تسبیحات پڑھ لیں یا نوافل پڑھتے ہیں لین دین میں جو مرضی ہے کرتے رہیں تو فرمایا عبادات کا اپنا معاملہ ہے اخلاقیات کا الگ شعبہ ہے۔ معاملات کا الگ شعبہ ہے ہر جگہ فرض واجب سنت موجود ہے اور ہر ایک کی ویسے ہی پرسش ہوگی بلکہ عبادات بندے پر اللہ کا حق ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ بے نیاز ہے چاہے اپنے سارے حقوق معاف کر دے لیکن دوسرے بندے کا اگر رائی برابر کسی نے حق مارا ہو تو اللہ کریم فرمائے گا وہ تمہیں معاف کرے تو معاف فرماؤں گا میرا حق تو نہیں مارا تم نے اس کا حق مارا ہے یا پھر جن کے حقوق ہوں گے۔ غاصب کی تو نیکیاں ان کے عوض انہیں دے دی جائیں گی اگر نیکیاں کم ہیں تو ان کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے کہ تم نے ان کا حق مارا تھا اس کا یہ گناہ تمہارے ذمے ڈالا جاتا ہے یہ بڑا سا لین دین ہوگا تو ارشاد ہوا معاملات میں لین دین میں کاروبار میں ملازمت میں ذرائع آمدن میں اور پیسہ پاس رکھنے میں اور اسے خرچ کرنے میں پوری پوری احتیاط کرو اور اس روز کا خیال رکھو جس دن پائی پائی کا حساب لیا جائے گا کہاں سے کمایا کہاں کہاں خرچ کیا اور جہاں لوگوں کے حقوق کا احساس جنس اور مال میں رکھو وہاں ان کے احساسات کا بھی دھیان رکھو اور اپنے وعدوں سے اپنی باتوں سے کسی کے احساسات کو بھی مجروح نہ کرو کہ ان کا حساب ہوگا۔

اللہ کریم ہمیں توفیق عمل عطا فرمائے ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے اور زندگی اور آخرت میں رسوائی سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

☆ ☆ ☆

معاملات:

سبق نمبر۲۰: سورۃ بنی اسرائیل

آیات ۲۶ تا ۲۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّہٗ وَ الۡمِسۡکِیۡنَ وَ ابۡنَ

اور رشتہ دار کو اس کا حق ادا کرو اور محتاج کو اور مسافر کو

السَّبِیۡلِ وَ لَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِیۡرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الۡمُبَذِّرِیۡنَ

بھی اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ۔ بے شک فضول خرچی کرنے

کَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّیٰطِیۡنِ ؕ وَ کَانَ الشَّیۡطٰنُ لِرَبِّہٖ

والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا

کَفُوۡرًا ﴿۲۷﴾

ناشکرا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اسلام کا معاشی نظام بہت مشکل ہے۔ اس دور میں قابل عمل نہیں ہے اور دنیا کا معاشی نظام ہمیں مجبوراً اپنانا پڑتا ہے دنیا کے جتنے بھی معاشی نظام ہیں ان کی بنیاد یہ ہے کہ پیسہ کمایا کس طرح جائے ہر ملک ہر معاشرہ کچھ حدود مقرر کر لیتا ہے کچھ قوانین بنا لیتا ہے کہ ان قوانین کے اندر رہ کر دولت کمائی جائے وہ غلط ہوں یا صحیح یہ الگ بات ہے لیکن کمانے کے بعد ایک پابندی اور ہوتی ہے کہ اس ملک کا نظام حکومت چلانے کے لیے ہر کمانے والا کچھ حصہ دے گا جس کے مختلف انداز ہیں کہ گاڑی پہ اتنا ٹیکس ہوگا فلاں چیز پر اتنا ٹیکس ہوگا پھر انکم ٹیکس ہوگا وغیرہ وغیرہ یہ مختلف صورتیں آدمی کی کمائی ہوئی دولت میں سے ملکی انتظام کو چلانے کے لیے حصہ لینے کی ہوتی ہیں یہ لینے کے بعد دنیا کے سارے معاشی نظام فارغ ہو جاتے ہیں جو اس بندے کے پاس بچ رہتا ہے اسے اس نے کہاں خرچ کیا اس کا مکان بنایا یا صرف کھایا پیا یا صرف لباس پہنا یا جوئے میں ہار آیا یا لاٹری پہ لگا دیا یا سمندر میں پھینک دیا اس کے ساتھ دنیا کے کسی معاشی نظام کو کوئی تعلق نہیں۔ اور عموماً

جسے آپ دورِ حاضر کی مہذب دنیا کے نام سے جانتے ہیں اس ساری میں حال یہ ہے کہ ٹیکس دینے کے بعد بندے کے پاس بس بمشکل زندگی قائم رکھنے کے لیے ہی بچتا ہے زیادہ نہیں بچتا اکثریت کا یہ حال ہے اور جدید دنیا کے معاشی نظاموں میں خون نچوڑنے کی کیفیت یہ ہے کہ لوگ دو دو جگہ آٹھ آٹھ گھنٹے کی ملازمت کرنے کے بعد بمشکل اپنا دو وقت کا کھانا پورا کرتے ہیں اور وہ کھانا بھی ہماری آپ کی طرح کا نہیں ہوتا کہ اس میں نخرے ہوں اس میں نمک صحیح نہیں ہے اور یہ روٹی کڑک نہیں ہے اور پانی صحیح ٹھنڈا نہیں ہے ایسا نہیں ہوتا بلکہ انہیں جو کھانا بھی نصیب ہوتا ہے وہ ایسے کہ گاڑی میں جاتے جاتے ایک برگر خریدا ایک سیون اپ کا ڈبہ خریدا جو کھول کر گاڑی میں رکھ لیا ایک ہاتھ سٹیرنگ پر ہے ایک ہاتھ سے کھاتے جا رہے ہیں پھر اسی ہاتھ سے اُٹھا کر ایک گھونٹ ڈبے سے پی لیتے ہیں۔ امریکہ جیسے ملک میں جب کھانے کا وقفہ ہوتا ہے آپ دیکھیں تو بڑے بڑے معتبر حضرات اور بڑی بڑی ماڈرن خواتین دفتروں کی سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی اسی انداز سے کھا رہی ہوتی ہیں آرام و سکون کے ساتھ بیٹھ کر کھانے کی فرصت نہیں ملتی بلکہ امریکہ کی معیشت تو اب پوری دنیا سے بالکل الگ تھلگ ہو گئی ہے یورپ میں پھر قدرے اس سے بہتر ہے امریکہ میں تو تقریباً ہر بندہ ادھار لیکر کھاتا ہے۔ ایک ہفتے کی تنخواہ بنک سے ڈرا کرا لیتے ہیں جس پر 15 فی صد سود انہیں ان سات دنوں کے لیے دینا پڑتا ہے یعنی کسی کی تنخواہ 115 روپے ہو تو 100 روپے اسے بینک ہفتہ پہلے دے دیتا ہے جس سے وہ اپنا ہفتہ گزارتا ہے اور 115 روپے بنک وصول کر لیتا ہے تقریباً یہی سارا نظام ہے وہاں سب سے بڑی انہیں خوشی یہ ہوتی ہے کہ ہفتے میں دو چھٹیاں ہوتی ہیں پانچ دن کام ہوتا ہے تو دو دن گاڑی لیکر کہیں پانچ دس میل دائیں بائیں نکل جاتے ہیں وہاں کچھ آؤٹنگ کی کھایا پیا اچھلے کودے اور دو دن بعد واپس آئے دھیلا پاس نہیں ہوتا بینک سے جا کر ایڈوانس لیا پھر اگلے پانچ چھ دن گزارا کرتے رہے تو انہیں سب سے بڑا خوشی کا لمحہ جو نصیب ہوتا ہے وہ دو دن چھٹی ہوتی ہے۔

جس معاشی نظام کے لیے کہا جاتا ہے کہ یہ قابل عمل ہی نہیں ہے اس میں بڑے مزے کی بات یہ ہے کہ اس نے کمانے کے بھی معروف ذرائع رکھے باقی سارے معاشی نظاموں میں یہ قید نہیں ہے کہ معروف ذرائع سے کمایا جائے یہ حکومت کی پسند ہے کہ کونسے ذرائع کی اجازت دیتی ہے جن میں سود، ذخیرہ اندوزی اور بہت سے ایسے معاملات بھی ہیں جو انسانیت کے لیے تباہ کن ہیں لیکن اسلام نے پیسہ کمانے کا ہر وہ راستہ بند کر دیا ہے جس میں دوسروں کے حقوق پامال ہوتے ہوں یا دوسرے انسان کے لیے مشکل پیدا ہوتی ہے اور تجارت، ملازمت، کاشتکاری اور مزدوری یہ چار معروف ذرائع ہیں جن کی اجازت دی ہے اور تجارت میں بھی توازن کا حکم دیا ہے اور ذخیرہ اندوزی کر کے یا مصنوعی قحط پیدا کر کے پیسہ لینا حرام قرار دیا ہے اسی طرح مزدور کو حکم دیا ہے کہ جو اجرت لینی ہے اس کے مطابق پورا کام کرو اور مزدوری کرانے والے کو حکم دیا ہے کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کرو۔ ملازمت میں بھی اسلام نے حکم دیا ہے کہ اہلیت کے مطابق نوکری دی جائے اور ملازم دیانت داری سے کام کرے تب اس کی تنخواہ حلال ہو گی یعنی کسی معاملہ میں بھی دوسرے کی حق تلفی نہ ہو:

کام کرنے والے کی نہ کام لینے والے کی اس کے بعد اسلام نے ایک ٹیکس لگا دیا ہے یعنی زکوۃ کہ ہر کمانے والا ایک سال کے بعد جو رقم اس کے پاس بچے اس کا ڈھائی فی صد زکوۃ ادا کرے یعنی چالیس میں سے ایک حصہ اللہ کا ہوگا اور فرض ہوگا اگر نظام زکوۃ رائج ہو۔ حکومت دینداری سے اور لوگ دیانتداری سے دیں تو میرے خیال میں مزید ٹیکسوں کی ضرورت ہی حکومت اسلامیہ کو نہ پڑے اگر پھر بھی ٹیکسوں کی ضرورت پڑتی ہے تو اسلام نے اس میں بھی حدود اور قیود رکھی ہیں مثلاً کوئی امپورٹ کرتا ہے اس پر ایک دفعہ حکومت ٹیکس لے لیتی ہے تو پھر ملک کے اندر دوبارہ اسی جنس پر ٹیکس شرعاً نہیں لگایا جا سکتا کہ نہ چونگی نہ ضلع ٹیکس ان کی اجازت اسلام نہیں دیتا ایک چیز پر ایک دفعہ حکومت نے ٹیکس لے لیا تو وہ ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگی۔

اب زکوۃ کے بعد جو بچ رہتا ہے کمانے والے کے پاس اسلام اسے پھر یاد دلاتا ہے کہ تو اللہ کا بندہ ہے تیرا رزق اس نے تجھے دیا ہے جس استعداد سے تو نے اسے کمایا ہے وہ استعداد اس نے تجھے دی ہے دفتر میں ملازم ہے یا مزدور ہے یا تاجر ہے یا کاشتکار ہے تو کاشتکاری کے ذرائع یا ملازمت کے ذرائع اس نے تجھے بخشے ہیں اور تو نے واپس اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے یہ کائنات اس کی ہے تجھے اس میں رہنے کی اجازت تو ہے اسے خراب کرنے کی نہیں اس نے خرچ کرنے کی حدود مقرر کر دی ہیں مثلاً یہ کہ اپنی حیثیت کے مطابق رہو جو شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ ہے یہ نہیں کہ کروڑ پتی ہو اور پھٹے ہوئے کپڑے پہنے پھر رہے ہو یہ ناشکری ہوگی لیکن ادھار لیکر یا اپنی ضرورت سے زائد خرچ کر کے دوسروں پر رعب ڈالنے کے لیے کر و فر کا لباس پہننا بھی حرام ہے اللہ کریم نے جو تونگری بخشی ہے اس کے لیے جو ضرورت ہے علاج کی۔ لباس کی۔ سواری کی۔ گھر بنانے کی۔ بچوں کی تعلیم کی وہ ضرور حیثیت کے مطابق ہو لیکن تماش بینی یا اپنی انانیت کی تسکین کے لیے اپنے کو لوگوں سے بڑا بنانے کے لیے غیر ضروری امور میں خرچ اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ ہمارے رسم و رواج اسلامی نہیں ہیں مثلاً ہمارا کوئی بزرگ بیمار ہوتا ہے تو اس کے علاج کے لیے پیسے ہم نہیں نکالتے لیکن جب مر جاتا ہے تو سارے شہر کی دعوتیں پکانے کے لیے ادھار بھی لے لیتے ہیں کوئی شرعی فریضہ نہیں بلکہ غرض یہ ہوئی ہے کہ لوگ یہ مان جائیں کہ اس نے باپ کے مرنے پر بڑی دعوت کی تھی باپ بیمار پڑا تھا سے کسی نے دوا نہیں دی مر گیا لوگ دعوتیں اڑا رہے ہیں اسلام نے ایک اعتدال رکھا ہے کہ خرچ کرنے کے لیے ہر آدمی اپنی حیثیت کے مطابق اپنی ضرورتیں پوری کرے اچھا کھائے اچھا پہنے عزت و احترام سے رہے لیکن جو کچھ اس کے پاس ہے اسے ضائع نہ کرے۔ اس لیے کہ وہ اس کا نہیں ہے وہ اللہ کا ہے وہ اللہ کا مال ہے اگر وہ چھوڑ کر مر بھی جائے گا تو وہ ورثاء کا حق ہے انہیں ملنا چاہیے ایک طریقہ ہمارے ہاں یہ بھی ہے کہ جب کوئی مرنے لگتا ہے تو کہتا ہے کہ میرا سارا گھر بار جائیداد بیچ کر مسجد بنا دو بھئی کیا تم زندگی میں مسجد نہیں بنا سکتے تھے اب جب موت کے دروازے پر کھڑے ہو مال وارثوں کا ہے اس ایک لمحہ کی فرصت سے یہ فائدہ اٹھانا چاہتے ہو اب یہ مسجد تمہیں فائدہ دے گی یا اس کی جواب طلبی ہو جائے گی کہ تم نے ورثاء کا مال کیوں ضائع کیا یعنی اسلام ایک ایک پیسہ خرچ کرنے تک بندے کا ہاتھ پکڑ کر چلاتا ہے۔ دنیا کا کوئی

معاشی نظام اس پہلو یہ بات نہیں کرتا ان کا اچھا یا برا جائز یا ناجائز ہونا یہ الگ بات ہے ہر معاشی نظام نامکمل ہے سوائے اسلام کے معاشی نظام کے فرمایا وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرو احسان کرنا تو ایک الگ بات ہے اللہ توفیق دے تو اس کے علاوہ ورثاء کے رشتہ داروں کے حقوق بھی ہیں مثلاً ایک آدمی کے پاس سرمایہ ہے اس کا دوسرا عزیز فاقوں سے مر رہا ہے اس کا حق بنتا ہے کہ یہ کم از کم فاقہ کشی سے بچنے تک کے لئے اس کی مدد ضرور کرے۔ اسی طرح زمین اور جائیداد میں بیٹیوں کا بہنوں کا ماؤں کا حق بنتا ہے۔ ہمیں جب وہ منتقل ہوتی ہے تو مختلف حیلوں بہانے سے ساری قابو کر لیتے ہیں دیتے نہیں۔ حالانکہ وہ ان کا حق ہے نہ دینا سارے کو حرام کر دیتا ہے یعنی جو جس کا حق ہے وہ دے کر احسان نہ سمجھو بلکہ یہ سمجھا جائے کہ دوسرے کا حق ادا کر کے میرے سر سے بوجھ اتر گیا یہ خواہ مخواہ کی ذمہ داری میرے گلے پڑی ہوئی تھی رہ جاتا تو مجھ سے جواب طلبی ہوتی جو جس کا حق اللہ نے مقرر کر دیا ہے وہ اس کو ملنا چاہیے اسی طرح مساکین کا اہل ثروت پر حق ہے فریضہ تو زکوۃ ہے کہ اہل ثروت پر فرض ہے کہ اڑھائی فیصد یا چالیس میں سے ایک روپیہ زکوۃ دیں اس کے علاوہ صدقہ نافلہ جو ہے یہ بھی مساکین کا حق ہے یہ ضروری نہیں کہ ایک آدمی مر رہا ہے آپ کے پاس سرمایہ ہے اور آپ انتظار کریں کہ سرمائے پر سال گزرے گا تو زکوۃ فرض ہوگی تو دوں گا تب تک تو وہ مر چکا ہوگا یا اسکا نقصان ہو چکا ہوگا۔ اس کے لیے اللہ کریم نے نفلی صدقے کا حکم دیا ہے اپنی ضرورت میں سے ایثار کرنا تو بہت بڑا مجاہدہ ہے۔ بہت بڑی نیکی ہے لیکن اگر ایسا نہیں کرتے تو جو ضرورت سے زائد ہے اس میں سے اللہ کی مخلوق کی مدد کرو تا کہ کل بارگاہ الوہیت میں تمہاری بہت سی کمزوریوں میں اللہ تمہاری مدد فرمائے حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ میدان حشر میں بندے پر سوال ہوگا کہ تو بہت سی عبادات بہت سے نوافل بہت سی تسبیحات تو لے آیا لیکن میں بھوکا تھا اور تیرے پاس کھانے کو تھا تیری ضرورت سے زائد تھا تو تو نے مجھے نہیں دیا میں بیمار تھا تو میری مزاج پرسی کو نہیں آیا وہ عرض کرے گا بارالہا تو تو مالک ہے اور تو ان چیزوں سے ورا الورا ہی ہے تیرا بھوکا رہنا تیرا بیمار ہونا میری سمجھ میں نہیں آیا تو ارشاد ہوگا کہ میرے وہ بندے جو تیرے گرد بھوکے رہتے تھے اگر تو انہیں کچھ دیتا تو وہ مجھے ہی دینا تھا میری مخلوق تھی میرے بندے تھے تجھے دولت دیکر تیری حیثیت پرکھنے کے لیے میں نے اپنے بندوں پر بھوک مسلط کر دی تھی کہ تو کیا کرتا ہے ان کا امتحان اگر افلاس میں تھا کہ بھوکے ہو کر اللہ ہی پر بھروسہ کر کے جائز وسائل ہی اختیار کرتے ہیں یا بھوک سے گھبرا کر حرام کی طرف چلے جاتے ہیں یہ ان کی آزمائش تھی تیری آزمائش یہ تھی کہ تو اپنے پس انداز پر سانپ بن کر بیٹھ جاتا ہے یا ان غرباء کو بھی اللہ کی مخلوق سمجھ کر اللہ کے لیے ان کی مدد کرتا ہے تو فرمایا وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ رشتہ داروں کا جو حق بنتا ہے وہ ادا کرو وَ الْمِسْكِيْنَ اور تمہارے مال میں مساکین کا حق ہے مال تمہارا نہیں اللہ کا ہے اور مفلس یا بے کس یا مسافر وہ کتنا رئیس بھی ہو بحیثیت مسافر مدد کا مستحق ہوتا ہے اور فرمایا وَ لَا تُبَذِّرْ ۝ اور اپنی شان بنانے کے لیے اور اپنی انانیت کو منوانے کے لیے دولت کو ضائع مت کرو۔ فضول خرچی نہ کرو فضول خرچی کیا ہوتی ہے ہر آدمی کے لیے فضول خرچی کی حد مختلف

ہے کہ جہاں تک اس کی حیثیت ہے وہاں تک وہ اپنی ضرورتیں اپنی حیثیت کے مطابق پوری کرے اس سے جب بڑھے گا تو فضول خرچی ہوگی اب ایک آدمی کی حیثیت یہ ہے کہ وہ مناسب کپڑے پہن سکتا ہے لیکن موٹر نہیں خرید سکتا تو اگر وہ ادھار لیکر اپنی شان بنانے کے لیے ضرور گاڑی رکھتا ہے پھر وہ ادھار واپس نہیں کرسکتا یا کہیں پھر سود میں پھنستا ہے تو اسکے لیے یہی فضول خرچی بن جائے گی ایک آدمی کی حیثیت ہے وہ گاڑی رکھ سکتا ہے اور اپنے اوقات کو بچا سکتا ہے اپنی عبادات بروقت ادا کرسکتا ہے بہت سے دوسرے امور آسانی سے کرسکتا ہے اور وہ نہیں کرتا۔ جیسے ہمارے یہاں کالج میں ایک پرنسپل جو بہت نیک آدمی تھے مجھے ملنے ایک دفعہ منارہ تشریف لائے۔ کہنے لگے میں صبح کالج سے آٹھ بجے نکلا ہوں۔ دو بجے یہاں پہنچے اس وقت دو روپے کرایہ لگتا تھا ان کی تنخواہ 6-5 ہزار ماہوار تھی میں نے کہا آپ نے ایک روپیہ تو بچالیا اور یہ سمجھا کہ پیدل چلنے میں ثواب ہوگا لیکن آٹھ بجے سے دو بجے تک کا جو وقت ضائع ہوا جس کی آپ نے چھٹی بھی نہیں لی جس کی آپ تنخواہ وہاں سے وصول کریں گے وہ تو سارا حرام ہوگیا آپ اگر ایک گھنٹہ کی چھٹی لیتے اور دو روپے آنے جانے کے چار روپے کرایہ دیتے تو وہ دن کی مزدوری بھی حلال ہو جاتی اور ملاقات بھی ہو جاتی تو فضول خرچی صرف دولت کی نہیں ہے بلکہ جو وقت ضائع کیا وہ بھی تو فضول خرچی ہے وقت دولت سے قیمتی ہے یہ لمحات ایک ایسی دولت ہیں کہ جو لمحہ خرچ ہو جاتا ہے وہ لوٹایا نہیں جا سکتا پیسہ تو ضائع ہو جائے کمایا جا سکتا ہے تو آپ نے چار روپے تو بچائے۔ اب آپ دو بجے واپس روانہ ہوں گے اور رات کو پہنچیں گے تو یہ سارا دن ضائع ہوا ان اوقات کا بھی تو حساب کیا جانا چاہیے۔

لہٰذا ہر بندے کو اللہ کو روبرو سمجھ کر یہ اندازہ کرنا چاہیے کہ کہاں تک مجھے گنجائش ہے خصوصاً شادی بیاہ کے معاملوں میں ہم بہت آگے چلے جاتے ہیں ہمارا یہ معیار نہیں ہوتا کہ ضرورت کیا ہے ہمارا معیار یہ ہوتا ہے کہ فلاں نے شادی پر کتنا خرچ کیا تھا کتنی دیگیں پکائی تھیں۔ کتنے زیورات بنائے تھے کتنے کپڑے بنائے تھے کیا کیا رسومات ادا کی تھیں تو اس کے مقابلے میں ہمیں خرچ کرنا ہے خواہ اس کے لیے سود لینا پڑے زمین بیچنی پڑے جائیداد رہن رکھنی پڑے تو یہ سارے غیر اسلامی طریقے ہیں۔ اسلام میں سیدھا سیدھا طریقہ ہے کہ جو کچھ تم ہو وہی کچھ نظر آؤ اور اس سے زیادہ نظر آنے کی کوشش نہ کرو آج کل شادی بیاہ ایک کاروبار بن گیا ہے کہ رشتہ تلاش کرنے کے لیے انکا گھر کیسا ہے ان کی جائیداد کتنی ہے وہ بچی کو دیں گے کیا حالانکہ اسلام میں معیار رشتے کا دین سب سے پہلی چیز ہے جو تلاش کی جانی چاہیے اگر کوئی بچے کی تلاش کرتا ہے یا بچی کے لیے تو وہ مقابل کو دیکھے کہ اس کا دین کیسا ہے اس کے بعد اپنا معیار دیکھے اور ضرور اپنے معیار کے مطابق اپنے جیسے لوگوں میں رشتہ کرے۔ تاکہ بچوں کو زندگی گزارنا آسان ہو۔ اگر کوئی اپنے سے اوپر چھلانگ لگائے گا تو اس کا بچہ یا بچی وہاں بھی ممکن ہے ایڈجسٹ نہ ہو سکے یا اپنے سے بہت نیچے پھینک دے گا بچے یا بچی کو تو شاید وہاں بھی زندگی گزارنے کے لیے کچھ مشکلات پیش آئیں تو اپنے جیسے ماحول اور معاشرے کو تلاش کرنا عجیب نہیں ہے لیکن خلوص کے ساتھ دینداری کے ساتھ اور سب سے

مقدم دین کو دیکھتے ہوئے آج جو کچھ ہم کرتے ہیں اس میں دین کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں نہ کوئی پوچھتا ہے نہ کوئی بتاتا ہے صرف یہ خیال ہوتا ہے کہ کتنا جہیز کتنی دولت لائے گی اور بیٹی والوں کو خیال ہوتا ہے کہ بچہ ولایت ہی میں ہونا چاہیے۔

ہمارے معیار بدل گئے ہیں۔ اسلامی زندگی میں حسن بھی ہے اور سکون بھی اور یہ فضول خرچ کرنا ہے اور بلا ضرورت محض اپنی انا کی تسکین کے لیے فرمایا یہ معمولی جرم نہیں ہے۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ محض اپنی انا کو بڑھانے اور منوانے کے لیے فضول خرچ کرنے والے لوگ شیطانوں کے بھائی ہوتے ہیں شیطان کا جرم کیا تھا صرف یہ " اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ " جب اس پہ سوال ہوا تھا کہ تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا اللہ نے فرمایا کہ میں نے حکم دیا تھا سجدہ کرنے کا تو تم نے کیوں نہیں کیا اس نے کہا کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ (الاعراف:12) دلیل بھی دی کہ آپ نے مجھے آگ سے پیدا فرمایا اور آگ تو بڑی طاقت والی ہے اور اسے آپ نے مٹی سے پیدا فرمایا جسے لوگ روندتے پھرتے ہیں کمزوری چیز ہے اور ہر ایک کا بوجھ اُٹھائے پھرتی ہے تو میں اسے سجدہ کیوں کرتا میں اس سے بہتر ہوں تو فضول خرچی کی بنیاد بھی صرف یہ ہوتی ہے کہ بندہ اپنے آپ کو دوسروں سے بالاتر منوانا چاہتا ہے اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ تو ارشاد ہوتا ہے یہ فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں جو جرم شیطان نے کئے وہی یہ بھی کرتے ہیں اور یہ یاد رکھو وَ کَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا ○ شیطان نے اللہ کریم کی ناشکری اور نافرمانی کی اگر آپ عبادات کو یا ریاضات کو یا مجاہدات کو دیکھیں تو اس نے کمی نہیں کی تھی بلکہ اس نے اتنی محنت کی کہ جن ہو کر ملائکہ میں اسے رہنے کی اجازت مل گئی اس قدر مجاہدہ اس قدر محنت اس قدر عبادت کی لیکن جب بات اپنی حیثیت کی آئی تو وہ اڑ گیا کہ میں بہت بہتر ہوں اور یہی جرم فرمایا کہ اگر بندہ کرے گا تو اسے یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ وہ جرم ہے جو شیطان نے کیا اور جو اس کو سزا ملی کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی اس کا شکار ہو جائے اور ساری عبادات اور سارے مجاہدے دھرے کے دھرے رہ جائیں۔

☆ ☆ ☆

معاملات:

سبق نمبر ۲۱: سورۃ بنی اسرائیل

آیت ۳۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں

وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝۳۱

اور تم کو بھی بے شک ان کا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو مفلسی یا غربت اولاد کو قتل کرنے کا جواز نہیں ہے۔ اس لیے کہ تم ان کے رازق نہیں ہو جو پیدا کرتا ہے اس کا رزق کا ٹھیکہ بھی ہے نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۔ ہم انہیں رزق دیں گے جو تمہیں بھی دے رہے ہیں جو پیدا کرنے والا تمہیں روزی دے رہا ہے وہ انہیں بھی دے گا۔ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ ان کا قتل بہت بڑا جرم ہے۔

اب ہمیں یہاں بھی اہل مغرب لے ڈوبے مجھ سے اگلے دن بچے یہ سوال پوچھ رہے تھے کہ ہمارے یہاں پورا ملک اس بات پر لگا ہوا ہے کہ آبادی زیادہ ہو رہی ہے ایک پوری وزارت ہے جس کے پاس بیشمار فنڈ گاڑیاں ڈاکٹر لیڈی ڈاکٹرز اور نرسیں ہیں اور گاؤں گاؤں شہر شہر کروڑوں اربوں روپے خرچ ہو رہیں دوسرے امراض سے لوگ مر رہے ہیں ان کے لیے دوائیں ہسپتال میں نہیں ملتیں اور خاندانی منصوبہ بندی کی خرافات جگہ جگہ پہنچائی جا رہی ہیں اس کے برعکس امریکہ کی رپورٹ دیکھی جس میں یہ تھا کہ ایک خاتون کے چار بچے ہیں اور اسے ٹیلی ویژن پر بلایا گیا اور اسے انعامات دیئے گئے بچوں کی تعلیم کا سارا بوجھ حکومت نے اُٹھایا اور اسے بڑی شاباش دی اور کہا کہ اگر اور بھی بچے آپ پال سکیں تو آپ کو مزید انعام دیئے جائیں گے جو ماں بھی اس طرح بچے پیدا کرے گی، پالے گی اسے انعام دیا جائے گا بچوں نے کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ یہاں ہمیں بتایا جاتا ہے کہ یہ امریکہ کی پالیسی ہے لیکن وہاں تو امریکہ کی اور پالیسی ہے۔

درحقیقت اقوام مغرب کی حالت یہ ہے کہ ان کی جو خواتین ہیں وہ خواتین نہیں رہیں ایک مغربی فلاسفر کا قول ہے کہ

عورت اگر میدان میں آجائے تو وہ ہر وہ کام کرتی ہے تو ہر وہ کام کر سکتی ہے جو مرد کرتا ہے لیکن وہ عورت نہیں رہتی مغرب کی خواتین کا مسئلہ یہی ہے کہ اب وہ ہر وہ کام کرتی ہیں جو مرد کرتے ہیں فوج میں ہیں جہاز اڑاتی ہیں دفتروں میں کام کرتی ہیں مزدوری کرتی ہیں دوکانوں پر سیلز گرلز ہیں ہوٹل چلاتی ہیں غرضیکہ مردوں کے سارے کام عورتیں کرتی ہیں لیکن اب وہ عورتیں نہیں رہیں ان میں وہ بات کہ وہ بچے پالیں گھر بنائیں بچوں کی نگہداشت کریں میاں کی دیکھ بھال کریں۔ گھر کا نظام چلائیں بجٹ بنائیں آمدن کیا ہے، خرچ کیا ہے، خاندان کو اکٹھا کریں کسی کو شفقت و پیار و محبت دیں یہ ان کے پاس نہیں رہا بلکہ وہ بچے پالنا ہی ایک عیب سمجھتی ہیں کہ یہ مصیبت ہم اپنے سر کیوں لیں تو اب امریکہ کو یہ فکر ہے کہ کالے جنہیں انہوں نے غلام بنا کر شکار کر کے بیچا اور دولت کمائی اور انہیں صدیوں تک غلام رکھا بلکہ صدر کینیڈی جو قتل ہوا تھا وہ پہلا صدر تھا کہ جس نے کالوں کے لیے سکولوں اور ہوٹلوں میں داخلے کے لیے اجازت دی ورنہ اس سے پہلے گوروں کے سکولوں، ہوٹلوں میں کالے نہیں جا سکتے تھے۔ ان کے محلے الگ..... وکانیں ہوٹلز الگ تھے انہیں انسانی معیار پر آنے ہی نہیں دیا جاتا تھا اب کالوں کی آبادی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اور گوروں کی خواتین جب بچے پیدا نہیں کرتیں تو ان کی آبادی کم ہوتی جا رہی ہے اب انہیں یہ فکر ہے کہ ان کا اپنا یہ جمہوری فراڈ اور نظام ہے اس میں بھی وہ چھا جائیں گے اور کل جنہیں یہ غلام بنا کر بیچتے رہے وہ ان پر حکمران بن جائیں گے تو وہاں وہ خواتین سے کہتے ہیں تم بچے پیدا کرو زیادہ بچوں پر انعامات دیے جا رہے ہیں یہاں جو تر جیحات ہمارے درآمد وزیر اعظم نے عطا فرمائیں ان میں خاندانی منصوبہ بندی پہلے نمبر پر ہے خاندانی منصوبہ بندی کی اسلامی صورت حال یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کے اوصاف سے محروم کرنا جو اس کے فطری ہیں یہ حرام ہے حتیٰ کہ جانوروں کو جو خصی کر دیا جاتا ہے اس کے لیے بھی جزوی جواز صرف قربانی کے لیے ہے ورنہ خصی کرانا حرام ہے۔ اس کے علاوہ گھوڑا، بیل، بکرا یعنی جو جانور ہم خصی کراتے ہیں اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔ یہ حرام ہے چہ جائیکہ کہ انسان کا کوئی ایسا اپریشن کر دیا جائے یا کسی عورت یا مرد کا ایسا علاج کر دیا جائے کہ اس سے مطلق اولاد نہ ہو سکے تو یہ شرعاً حرام ہے اس کا کوئی جواز نہیں ہے اس کا جواز کہ بعض اوقات کسی خاتون کی صحت اجازت نہیں دیتی کہ وہ بچے کی پیدائش کا بوجھ سہار سکے تو اس کے لیے شرعاً اجازت ہوتی ہے ایسے علاج کی جو ان سے بچے پیدا کرنے کا وصف ہمیشہ کے لیے نہ چھین لے بلکہ عارضی رکاوٹ بن جائے۔ ایک سال دو سال تین سال جب تک بچوں کی تربیت کا مسئلہ آتا ہے کہ آدمی پانچ چھ بچوں کی تربیت تو کر رہا ہے لیکن اگر آٹھ دس ہو جائیں تو شائد پانچ چھ کی تربیت بھی ممکن نہ ہو تو یہ بھی ایک جواز ہے لیکن اس کے ساتھ انہوں نے لکھا ہے کہ اس جواز کو اختیار کرنا ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے اگر اللہ پر اعتماد ہو تو جس نے پانچ کی تربیت کی توفیق دی سات کی تربیت کی توفیق بھی دے دیگا اس آیہ کریمہ میں بھی مفلسی کو یا وسائل کی کمی کو جواز بنا کر روکنا جائز نہیں ہے۔ اور یاد رکھیں کہ بچے کی ولادت کا جو عمل ہے وہ یہ کہ 120 دن جب پورے ہوتے ہیں تو بچے میں جان پڑ جاتی ہے 120 دن کے بعد اسقاط حمل کرنا یا کسی کو سر بازار گولی مار دینا اس قتل کا جرم شرعاً

ایک ہے جب بچے میں روح ڈال دی جاتی ہے تو اسقاط حمل قتل عمد کے برابر ہوتا ہے۔ اس کے لئے جواز چاہئے کہ کوئی ماہر ڈاکٹر یہ فیصلہ دے کہ بچے کی پیدائش سے اس کی ماں کی موت کا خطرہ ہے تو یہ ایک شرعی جواز بنتا ہے کہ ایک جو ابھی پیدا نہیں ہوا اس زندگی کو بچانے کے لیے جو زندگی پہلے موجود ہے اس کو داؤ پر نہ لگایا جائے بلکہ اسے بچانے کا پہلے اہتمام کیا جائے لیکن یہ میرے آپ کے مشورے کی بات نہیں یہ ماہرین طب کے مشورے کی بات ہے کہ اس میں خاتون کی جان کو اندیشہ ہے تو اس اندیشے یا اس یقین کی بنیاد پر جو اس طبی ماہرین کو ہو، اسقاط کر سکتے ہیں یا کرا سکتے ہیں جب تک جان نہیں پڑتی وہ قتل عمد تو نہیں ہوتا لیکن ناجائز ذرائع استعمال کرنا اسے روکنے کے لیے یا ایسے ذرائع جو خاتون یا مرد کو ہمیشہ کے لیے اولاد کے قابل نہ چھوڑیں یہ شرعاً حرام ہیں اور جو جواز عارضی منصوبہ بندی کا یا عارضی رکاوٹ کا وہ ہے کہ صحت خاتون کی اجازت نہ دیتی ورنہ صاف حکم ہے۔ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ مفلسی کے ڈر سے بچوں کا قتل شروع نہ کردو۔ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ اگر تمہیں روزی دے رہے ہیں تو انہیں بھی دیں گے یہ کون سا جواز ہے کہ آپ تو حکومت کریں بچے بھی پیدا کریں اور کہیں اور کوئی پیدا ہی نہ ہو۔ کیا رب العالمین نے آپ کے لئے جہان بنایا ہے آپ چاہتے ہیں کہ اس جہان میں ہی رہوں دوسرا کوئی آ ہی نہ سکے یہ تو کوئی طریقہ نہیں کہ وہ خالق ہے پیدا کرتا ہے وہ رازق بھی ہے اسے رزق بھی دیگا یہ اس کا کام ہے میرا اور آپ کا تو نہیں آپ کے میرے جوڈے ہے ہم وہ کریں اور فرمایا یہ معمولی بات نہیں ہے۔ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ○ یہ بہت بڑا جرم بھی ہے۔

☆ ☆ ☆

معاملات:

سبق نمبر۲۲: سورۃ العنکبوت

آیات ۱تا۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا

الٓمّٓ۔ کیا لوگوں نے یہ سوچ رکھا ہے کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ وہ ایمان لے آئے ان کو چھوڑ دیا

اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ﴿۲﴾ وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ

جائے گا اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔ اور ہم تو ان لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں

مِنۡ قَبۡلِہِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ

جو ان سے پہلے گزرے ہیں سو اللہ (ظاہری علم میں) ان لوگوں کو جان کر رہیں گے جو (ایمان کے دعوے

لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۳﴾ اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ

میں) سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہیں گے۔ کیا جو برے کام کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے قابو

السَّیِّاٰتِ اَنۡ یَّسۡبِقُوۡنَا ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ﴿۴﴾

سے نکل جائیں گے۔ ان کی یہ بات بہت ہی بے ہودہ ہے۔

مَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ

جو اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے تو اللہ کا (مقرر کیا ہوا) وقت ضرور آنے

لَاٰتٍ ؕ وَ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۵﴾ وَ مَنۡ جَاہَدَ

والا ہے اور وہ سننے والے جاننے والے ہیں۔ اور جو شخص محنت کرتا ہے تو

فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ

یقیناً اپنے ہی (فائدے کے) لئے محنت کرتا ہے۔ بے شک اللہ تو سارے جہانوں سے

الْعٰلَمِيْنَ ۝۶ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

بے نیاز ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے

لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ

ہم ان کے گناہوں کو ضرور ان سے دور کر دیں گے اور ان کو ان کے کام (اعمال صالحہ) کا

الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۷

(ان کے استحقاق سے) ضرور اچھا بدلہ دیں گے۔

سب سے اچھا وعظ اور سب سے خوبصورت بات اللہ کی ہے۔ قرآن حکیم جو کچھ اپنی زبان میں ارشاد فرماتا ہے وہ حاصل حیات ہے یا پھر سب سے خوبصورت بات وہ ہے جو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تعبیر میں ارشاد فرمائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل قرآن کے معانی اور مفہوم کا اظہار ہے۔

ان آیات مبارکہ میں ارشاد ہوتا ہے

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ O لوگوں نے کیا یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ کہہ دینا کہ میں مسلمان ہوں اور ان کے اس دعوے کو کہ میں مسلمان ہوں آزمایا نہیں جائے گا کہ واقعی یہ مسلمان ہے بھی یا صرف کہتا ہے میں مسلمان ہوں پھر فرمایا یہ اللہ کا قانون ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اپنے سے پہلے لوگوں کی تاریخ پڑھو تم سے پہلے جتنی قومیں اتنیں جتنے افراد ہیں سب کو آزمایا گیا۔

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ O اور اللہ کریم نے سچے اور جھوٹے الگ الگ کر دیئے دنیا نے دیکھ لیا کہ اپنے دعوی میں سچا اور کھرا کون ہے اور کون ایسا ہے جو صرف ایمان کا دعویٰ تو کرتا ہے لیکن عملاً مسلمان نہیں ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا پھر جن لوگوں نے غلط روش اپنائی ہے گناہ کو اپنا شعار بنا لیا ہے جو لوگ اللہ کی اطاعت نہیں کرتے اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں انہوں نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ اللہ کو عاجز کر دیں گے اور وہ قابو نہیں آئیں گے۔

سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ اگر انہوں نے یہ فیصلہ کیا تو برا فیصلہ کیا کیونکہ وہ ایسا نہیں کر سکیں گے اللہ کی گرفت سے بھاگ

نہیں سکیں گے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ ۔اور اس امید پر نیکی کرتے ہیں کہ آخر ہمیں اللہ کے روبرو جانا ہے۔فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰت انہیں یہ یقین رہنا چاہیے کہ اللہ سے ملاقات کا مقررہ وقت یقیناً پیش آئے گا۔

وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ O اور اللہ ایسا ہے کہ جو تم کہتے ہو اسے سنتا ہے جو تم کرتے ہو اسے جانتا ہے جو تم دیتے ہو وہ اس سے باخبر ہے پھر اگر نیکی کرتے ہو تو اللہ پر احسان نہ کرو اسلام پر احسان نہ سمجھو کسی دوسرے پر کوئی احسان نہ سمجھو اس لیے کہ:

وَ مَنْ جَاهَدَ جو بھلائی کے کاموں میں کوشش کرتا ہے محنت و مشقت اُٹھاتا ہے فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِه وہ یہ مجاہدہ اپنی ذات کے لئے کرتا ہے اس مجاہدے کا فائدہ اسی کی اپنی ذات کو پہنچتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ O اللہ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے اللہ کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ کوئی اس کی عبادت کرے نہ کرے اس کی شان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ہاں وہ ایسا کریم ہے کہ:

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور فی الواقعی نیک کام کرتے ہیں ان سے بھی کوتاہیاں ہوتی ہیں غلطیاں ہوتی ہیں کمی رہ جاتی ہے۔

لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ تو اللہ کریم ان کی خطائیں معاف فرمادے گا اور وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O جتنی انہوں نے محنت کی ہے اس سے یقیناً بہت زیادہ انعامات ان کو دوں گا یہ نہیں کہ جتنی کسی نے محنت کی اس میں کمی آجائے گی بلکہ کئی گنا بڑھا کر اللہ کریم اجر دیں گے۔یہ تو رہا قرآن حکیم کا قانون فطرت انہی قوانین فطرت کو سنت اللہ بھی کہا ہے پھر فرمایا:

لا تبديل لسنت الله لا تبديل لخلق الله اللہ کے جو قوانین ہیں ان میں لوچ لچک نہیں ہے جس طرح ہم ظاہری زندگی میں دیکھتے ہیں کہ آپ جس شے کا بیج زمین میں بوتے ہیں اسی کا پودا اگتا ہے کسی کیکر پر آم نہیں اگتا اسی طرح عملی زندگی میں اگر ہم زیادتی کرتے ہیں اور عمل نہیں کرتے تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے ہم کہیں کہ اس کھیت میں گندم بوئیں گے لیکن اس میں عملاً ہم بوتے نہیں تو ہمارا بار بار اعلان کرنا کہ ہم گندم بوئیں گے اس میں گندم اگانے کا سبب نہیں بنتا جب تک عملی طور پر گندم بوئی نہ جائے پھر بونے میں ہر ایک کا اپنا مجاہدہ ہوتا ہے کوئی اس زمین کو زیادہ بناتا سنوارتا ہے کوئی لاپرواہی سے مل جوتتا ہے ان دونوں کا فرق بھی واضح ہو جاتا ہے جو جتنی محنت کرتا ہے اتنی اچھی فصل ہوتی ہے جو جتنی لاپرواہی کرتا ہے اتنی کم ہوتی ہے پھر اس کی حفاظت کی باری آجاتی ہے جو اس کی حفاظت کا حق ادا کرتا ہے اس کی فصل زیادہ ہوتی ہے جو حفاظت نہیں کرتا اس کی کوئی جانور چر جاتے ہیں کوئی ویسے ضائع ہو جاتی ہے۔یہی قانون فطرت اعمال میں بھی رائج ہے۔

اب سب سے زیادہ اللہ کے احسانات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر ہوتے ہیں انبیاء میں آقائے نامدار

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے بھی نبی ہیں ہر نبی نے ازل میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا اور ہر نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات اور فیضان سے مستفید ہوا اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان واحد واسطہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ساری مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تو ہے لیکن اپنے اپنے نبی علیہ السلام کے وسیلے اور واسطے سے اور ہم پر رب کریم کا یہ احسان ہے کہ ہم براہ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔

تو اس قانون قدرت کو ہم کیوں نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات میں تلاش کریں۔ سیرت طیبہ تو تریسٹھ برسوں پر محیط ہے اور تریسٹھ برسوں کا ہر دن اور ہر دن کا ہر لمحہ اتنا قیمتی ہے کہ ہر لمحے کی ایک الگ تاریخ مرتب ہوتی ہے جس کا ہم احاطہ نہیں کر سکتے میں صرف ایک واقعہ اس بات کی تائید میں عرض کرنا چاہوں گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا لوگ مسلمان ہونا شروع ہوئے اہل مکہ نے مخالفت شروع کی بات بڑھتی گئی ایک موقع ایسا آیا کہ اہل مکہ نے یہ طے کر لیا کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو شہر میں نہ رہنے دیں گے۔ تاریخ کے اعتبار سے عرب میں وہ زمانہ ایسا تھا کہ کوئی بھی شخص قبیلے سے جدا ہو کر زندگی کا تصور نہیں رکھتا تھا اور ہر آدمی کے تحفظ کا ذمہ قبیلے کا ہوتا تھا اگر قبیلہ کسی بندے کو خارج کر دے تو پھر وہ دوسرے قبیلے میں پناہ تلاش کرتا تھا اگر کوئی دوسرا قبیلہ اسے اپنے ساتھ ملا لیتا تو وہ اس قابل ہو جاتا تھا کہ وہاں رہ سکے ورنہ اکیلے آدمی کے لیے زندگی دشوار ہو جاتی تھی جس کا جی چاہے اسے تھپڑ مار دے اسے برا بھلا کہہ لے اس کا سامان چھین لے اس کا کھانا پانی چھین لے اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا تھا۔ چھیننے والوں کے پیچھے قبیلے کی طاقت ہوتی تھی اکیلے بندے کا زندہ رہنا ممکن نہیں ہوتا تھا۔ تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقاطعہ کر لیا اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ کسی نہ کسی قبیلے کے ساتھ معاہدہ کیا جائے اور کوئی نہ کوئی قبیلہ ذمہ داری لے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس ضمن میں طائف کے سرداروں سے بات کرنے کے لیے طائف تشریف لے گئے لیکن مشہور واقعہ ہے کہ وہاں نہ صرف آپؐ کا تمسخر اڑایا گیا بلکہ انہوں نے پتھر دے کر بچے پیچھے لگا دیئے۔ جو بات ان سرداروں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے وہ یہ تھی کہ دیکھو جو میں تمہیں بتا رہا ہوں یہ اللہ کا دین ہے اور یہ دین غالب ہو کر رہے گا اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ اگر تم یہ دین قبول کر لو اور میرے ساتھ تعاون کرو، میرے ساتھ ایمان لے آؤ مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ دو اسلام کی خدمت کرو اور اسلام کی تبلیغ کے لئے اور اسلام کو قائم کرنے کے لیے کمربستہ ہو جاؤ اسے خود اپنا ؤ اور دوسروں تک پہنچاؤ تو تم دیکھو گے کہ ایک وقت آئیگا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتیں تمہارے قدموں میں سرنگوں ہو جائیں گی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے دیکھو جس بندے کو اپنے شہر میں اپنے قبیلے والے رہنے نہیں دیتے اپنے سر چھپانے کے لیے جگہ نہیں ملتی اپنے چند ساتھیوں کے رہنے کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ملتی ہمیں دنیا کی فتح کی خوشخبری دینے

چلے ہیں۔تو آپ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیے کہ ایک طرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہستی ہو اور دوسری طرف قبائل کا یہ حال ہو کہ کے والے شہر میں نہیں آنے دیتے اور باہر والے مذاق اڑاتے ہیں اور عرب کے صحراؤں میں راتوں کی تاریکیوں میں دن کی تپتی ہوئی دھوپ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سردار سے دوسرے کے پاس اور دوسرے سے تیسرے کے پاس پھر رہے ہیں۔تو کیا سمجھ میں آتا ہے کہ کتنا کڑا وقت تھا اور کتنی تکلیف اُٹھائی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے۔آج ہم سمجھتے ہیں کہ ہم فجر کی اذان کے بعد اُٹھ گئے تو بڑا تیر مار بڑے بے آرام ہوئے لیکن وہ ہستی جو رحمت للعالمین ہے اس کو تو رات کو سر چھپانے کے لیے اپنے گھر میں کوئی نہیں داخل ہونے دیتا اور باہر جن کے پاس جاتے ہیں وہ بچوں سے پتھر مرواتے ہیں اور وجود اطہر لہولہان ہو جاتا ہے یہ ساری مشقت قبول کر لی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے۔کے والوں کے سامنے جھکنا قبول نہیں کیا آج ہم کیسے مسلمان ہیں کہ مشقت سے جی چراتے ہیں اور مغرب کی کافر اقوام کا بچا کھچا کھا کر گزارا کر لیتے ہیں آج ہمارے ملک کی سب سے کامیاب حکومت وہ ہے جو کافروں سے زیادہ خیرات لے آئے۔آج مسلمان کہلاتے ہوئے ہمیں شرم نہیں آتی کہ ہم نے تو کفر کے ساتھ اتنا سمجھوتہ کر لیا کہ ہماری شکل سے لے کر لباس تک اور غذا سے لے کر دوا تک ساری زندگی کافر کی خیرات پر جا پڑی۔

اسلام تو اس کیفیت کا نام ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برداشت فرما رہے ہیں کہ پوری دنیائے کفر ایک طرف ہے اور اکیلا اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا چند جان نثار جن کی معاشرے میں کوئی حیثیت نہیں جنہیں لوگ اپنے گھروں میں نہیں رہنے دیتے لیکن کفر کے ساتھ سمجھوتہ نہیں فرماتے کوئی ہے جو یہ کہہ سکے کہ اس نے بھی اللہ کے لیے کوئی مشقت برداشت کی ہے اس طرح کی ہم تو یہ تصور نہیں کر سکتے اور اس حال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قبائل کے سولہ سرداروں کے پاس گئے اور یہ سارا وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر سے دو چار میل باہر کبھی کسی ٹیلے پر کبھی کسی وادی میں بسر کیا۔سترھواں سردار وہ آدمی تھا جو مدینہ منورہ سے بیت اللہ کی زیارت کو چار پانچ آدمی ہمراہ لایا اور وادی عتبہ میں پڑاؤ لگایا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے اور اپنی بات سنائی۔اللہ کا کلام بھی سنایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قرآن کی تلاوت کی تو اس شخص پر رقت طاری ہو گئی اس نے اپنے ساتھیوں کو بھی بلا لیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات پھر دوہرائی ان سب پر بڑا اثر ہوا۔اللہ کو ان کی ادا پسند آئی اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعاون کا دم بھرا اور عرض کیا کہ ہمیں ایک دفعہ واپس مدینہ منورہ جانے دیجیے ہم اپنے اور ساتھیوں کو بھی ساتھ لے آئیں گے اور مشورہ بھی کریں گے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دعوت قبول کی کہ ہم اپنی جان مال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیں گے دوبارہ جب آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ جلوہ افروز ہوئے آج مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ شہر ہے جہاں کسی بڑے سے بڑے سلطان کی کوئی اہمیت نہیں اور دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں ان کے قدموں تلے روندی گئیں۔

لیکن تب جب انہوں نے پہلے اپنی جانیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حال میں نچھاور کر دیں کہ نہ دولت تھی نہ حکومت۔ نہ سلطنت صرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ تھا جس پر انہوں نے یقین کیا تو جب احیائے اسلام کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی قربانیاں دینا پڑیں ہم جب آج اسلام کو زندہ کرنے کا دعویٰ لے کر اٹھتے ہیں تو کیا کوئی سیاسی جماعت یا دینی جماعت یہ دعویٰ کر سکتی ہے۔ کہ اس کے کارکنوں نے اپنے پر اسلام نافذ کر لیا ہے اگر نہیں کیا تو اس ملک پر اسلام کیسے نافذ ہو سکے گا۔ آج تک جو اس ملک پر دین نافذ نہیں ہو سکا اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہر بندہ دین کا نعرہ تو لگاتا رہا لیکن دین کو عملی زندگی میں کسی نے آنے نہیں دیا جب کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کا ہر لمحہ دین کے مطابق ہی بسر نہیں ہوتا تھا بلکہ دین کی تعبیر و تفسیر بن گیا اور دین ہے ہی یہ کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لمحات بسر ہوتے تھے اس طرح زندگی بسر کی جائے۔

عجیب بات ہے کہ آج ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم حلال بھی نہ کھائیں۔ سچ بھی نہ بولیں۔ کوئی مشقت بھی نہ کرنی پڑے۔ اللہ کی عبادت بھی نہ کریں۔ فرائض بھی ادا نہ کریں دین سیکھیں بھی نہیں اس پر عمل بھی نہ کریں ہم صرف کہہ دیں کہ ہم مسلمان ہیں اور اللہ ساری دنیا کو ہمارے قدموں میں جھکا دے یہ کیسے ممکن ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس آزمائش سے ضرور گزارے جائیں جس کا وعدہ قرآن کرتا ہے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ ھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ O لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ کہہ دیں گے ہم مسلمان ہیں تو پھر موجیں کریں گے انہیں پرکھا نہیں جائے گا آزمایا نہیں جائے گا فرمایا نہیں ایسا نہیں ہوگا بلکہ آزمایا جائے گا۔ ذاتی زندگی میں خاندانی زندگی میں اور قومی زندگی میں ایک ایک بندے کو پرکھا جائے گا جب آپ کہیں گے کہ میں مسلمان ہوں تو آپ کو ضرور اسلام پر عمل کرنا ہوگا اور یہ دیکھا جائے گا کہ اس دعوے کے ساتھ ہم اپنے آپ پر اسلام کو کس حد تک لاگو کرتے ہیں یہ یاد رکھو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لیے اور ساری انسانیت کے لیے اللہ کے رسول ہیں جو اعلان آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن فرمایا تھا وہ منسوخ نہیں ہوا وہ آج بھی موجود ہے آج بھی وہی ابر کرم ہے اور وہی اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہی اللہ کا دین ہے اور وہی اللہ کی کتاب ہے یہ وعدہ آج بھی موجود ہے کہ تم عملی طور پر اسلام کو اپنا بھی لو اور اسلام کو دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام بھی کرو تو روئے زمین کی طاقتیں تمہارے قدموں میں جھکا دی جائیں گی۔ سترھویں انصار مدینہ کے سردار کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کو تاریخ نے وفا ہوتے ہوئے دیکھا کہ قیصر و کسریٰ کے سروں کے تاج مدینے کی گلیوں میں تو ڑ کر غرباء میں تقسیم کیے گئے اور بڑے بڑے جابر حکمرانوں کی گردنیں اس سلطنت کے سامنے جھک گئیں اور بڑے بڑے ظالم ان قدموں کے نیچے روندے گئے۔ ہر مظلوم کی دست گیری کی گئی اور ساری کائنات میں مدینہ منورہ کو فضیلت دے دی گئی۔

جب یہ فضیلت یہ بات ہوتی ہے کہ کائنات میں افضل ترین شے کیا ہے تو روئے زمین میں سب سے بڑی فضیلت

بیت اللہ کی مانی جاتی ہے کہ اس خطہ زمین پر جو انوارات آتے ہیں وہ عالم امر کی ذاتی تجلیات ہیں جو عرش سے بالاتر ہے یعنی اللہ کا جو عرش عظیم ہے اس پر وہ تجلیات نہیں ہوتیں جو تجلیات بیت اللہ پر آتی ہیں جو قرب بیت اللہ کو ذات باری سے ہے وہ عرش سے بھی نازک تر رشتہ ہے اور علماء کے نزدیک عرش سے بیت اللہ کی فضیلت مسلمہ ہے کہ وہ خطہ جس پر کعبۃ اللہ کی تعمیر ہے ان بنیادوں کے اندر یا ان بنیادوں کے نیچے جو زمین سے وہ عرش سے بھی افضل ہے لیکن مدینہ منورہ کا وہ حصہ جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے مس کر رہا ہے وہ بیت اللہ سے بھی افضل ہے ہیں لیے کہ مکان کی عزت مکین سے ہوتی ہے اور جو قرب اور تجلیات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پہ آتی ہیں وہ بیت اللہ کو بھی نصیب نہیں عرش کو بھی نصیب نہیں۔ یہ فضیلت مدینۃ الرسول کو انصار مدینہ کے اس سردار کے فیصلے کی وجہ سے مل گئی کہ آج مکہ کی سرزمین بھی حسرت سے گنبد خضراء کو دیکھتی ہے اور مدینہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سربلند ہو گیا۔

یہی حال آج اسلام کا پھر ہے اسلام کو جو دعویٰ ہے یا اسلام کی جو شکایت ہے وہ مسلمانوں کے خلاف ہے کہ آج بڑی بڑی مسلمان ریاستیں موجود ہیں لیکن ان میں کسی میں بھی اسلام نہیں ہے۔ جس طرح ہمارے ہاں اسلام آباد ہے کہ اس میں دنیا کی ساری خرافات ہیں اگر نہیں ہے تو اسلام نہیں ہے۔ آپ کو کتنے مرد اور عورتیں بے لباس نظر آئیں گے یعنی جو کچھ مغرب میں ہے وہ یہاں ہو رہا ہے اور جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ پامال کیا جا رہا ہے نام کو دو چار مساجد بنا دی گئی ہیں وہ بھی بڑی حد تک بعض لوگوں کی سیاست کی امانگاہ بنی رہتی ہیں چند لوگوں کے لیے چندہ جمع کرنے کا اہتمام ہوتا ہے ورنہ اسلام کا وہاں کوئی عمل دخل نہیں ساری حکومت وہاں رہتی ہے لیکن حکومت کرنے کے لیے جو طریقے اپنائے جاتے ہیں وہ اسلام کے نہیں ہیں۔ شہر کا نام اسلام آباد رکھ دیا۔ یہی حال ملک کا ہے نام پاکستان ہے لیکن قانون شرعی نہیں ہے یعنی قانون سارے کا فرانہ ہیں پورے اسلامی ممالک کی یہی حالت ہے حتی کہ سعودی عرب کو بھی آپ دیکھ لیں تو وہاں بھی دو چار حدود جو حکومت نے نافذ کر رکھی ہیں وہ اپنی حفاظت کے لیے اسلام کے لیے نہیں۔ اسلام کو وہاں بھی کوئی نہیں پوچھتا اور ساری سعودی حکومت سود بھی کھاتی ہے اور سود بھی دیتی ہے اور سارا سرمایہ مغرب میں رکھ کر وہاں سے سود لیتی بھی ہے اور ساری مغربی تہذیب سعودیوں کے گھروں میں پلتی ہے اور ساری مغربی فلمیں رات دن ہر گھر میں چلتی ہیں بیشتر لوگ شراب پیتے ہیں بدکاری کرتے ہیں بچوں اور عورتوں کی خرید و فروخت کرتے ہیں اور دنیا کا ہر برے سے برا کام اس مقدس زمین پر بیٹھ کر کرتے ہیں نام کی اسلامی حکومت ہے۔

تو آج اسلام کو شکوہ اغیار سے نہیں اور نہ اغیار سے پہلے تھا اصل شکوہ ان لوگوں سے ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن کام کافروں کے کرتے ہیں روزی کافرانہ انداز سے کماتے ہیں سود کھاتے ہیں حرام کھاتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں دھوکا دیتے ہیں بدکاری کرتے ہیں قتل کرتے ہیں ڈاکے کرتے ہیں اور اللہ کا خوف ان کی زندگی میں نظر نہیں آتا تو واقعی اسلام کو اگر اللہ اسے مجسم کر دے تو دونوں ہاتھ اُٹھا کر ان لوگوں کو بددعائیں دیتا ہوا نظر آئے اگر آج ہمیں اللہ دیکھنے کی قوت دے دے

اور اسلام کو ہم مجسم دیکھیں کسی انسانی شکل میں تو میرے خیال میں وہ دونوں ہاتھ اُٹھا کر اللہ سے فریاد کر رہا ہوگا کہ یا اللہ اس دور کے مسلمانوں سے مجھے بچالے۔ اسلام کے سینے میں ہم خنجر گھونپ رہے ہوں۔ یہ تو اسلام کا منہ چڑانے والی بات ہوئی کہ بندہ نام تو اسلامی رکھے مسلمان کا دعویٰ کرے شکل بھی کافرانہ ہو لباس بھی کافرانہ ہو غذا بھی کافرانہ ہو قانون بھی کافرانہ ہو اسلام کو کہیں گھسنے نہ دے تو آپ اپنے دل میں سوچ کر بتائیے کیا یہ اسلام کا مذاق اڑانے والی بات اور اسلام کو ذلیل کرنے والی بات نہیں ہے۔ آپ ایک شخص کی دعوت کرتے ہیں اسے کہتے ہیں کہ آج دوپہر کا کھانا آپ کا ہمارے ساتھ ہے جب وہ گھر آتا ہے تو اُسے گھسنے نہیں دیتے اسے پانی نہیں دیتے کھانا نہیں دیتے اسے عزت نہیں دیتے۔ بٹھاتے بھی نہیں بلکہ اس کے سامنے اس کے دشمنوں کے پاؤں دھوتے ہیں انہیں کھانا کھلاتے ہیں ان کی عزت کرتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ جی آپ کے ساتھ تعلق تو ہے لیکن آپ سے بات کرتے ہوئے شرم آتی ہے تو وہ کتنا راضی ہوگا کتنا خوش ہوگا کیا کافر کے مقابلے میں ہمارا اسلام کے ساتھ یہی سلوک نہیں ہے کہ اسلام کا دعویٰ تو کرتے ہیں کھانا کافرانہ ہے لباس کافرانہ ہے حلیہ کافرانہ ہے قانون کافرانہ ہے نصاب تعلیم کافرانہ ہے پوری معاشرت ہماری غیر اسلامی ہے تو اسلام کے ساتھ اس سے زیادہ سنگین مذاق اور کیا ہوگا ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام کو اپنانے سے شاید ہماری عزت کم ہو جائے گی اسی لیے اللہ نے ہمیں پوری دنیا کی مخلوق کے سامنے ذلیل کر دیا ہے حتیٰ کہ ہم وہ ذلیل لوگ ہیں جو کافر کا بچا کھچا کھاتے ہیں یہاں تو لوگ بڑے خوش ہوتے ہیں کہ بیٹا باہر گیا ہوا ہے۔

میں نے باہر جا کر دیکھا ہے کوئی ہوٹل میں خنزیر کاٹنے پر ملازم ہے اور کوئی ان کے جوٹھے برتن دھونے پر حتیٰ کہ پاکستانیوں کو میں نے ان جہازوں میں بھی کام کرتے دیکھا ہے جنہیں وہ لوبوٹس Love Boats کہتے ہیں۔ جہازوں میں لوگ چھٹیاں منانے جزیروں پر جاتے ہیں ان میں مرد عورتیں شراب نوشی اور بدکاری کرتے ہیں شراب کے نشے میں جہاز میں اتنی غلاظت پھیلا دیتے ہیں کہ جب وہ دو تین دن بعد واپس آتا ہے تو سارا جہاز متعفن ہو رہا ہوتا ہے کافر اتر جاتے ہیں اور مسلمان جھاڑو لے کر دھو رہے ہوتے ہیں یہ جن کے باہر سے منی آرڈر آتے ہیں ان کو میں نے وہاں دیکھا ہے۔

اب یہ بندہ جو کافروں کی غلاظت صاف کر رہا ہے اور ان کا بچا کھچا کھانا کھاتا ہے یہ بھی کہتا ہے میں مسلمان ہوں اور یہ بھی اللہ سے خفا ہے کہ مجھے اللہ دنیا کی حکومت نہیں دے دیتا آپ اپنے دل میں سوچئے کہ اسلام کیساتھ ہم کیا کر رہے ہیں جو سلوک اسلام کے ساتھ آج کا مسلمان کر رہا ہے یہ ظلم تو اس کے ساتھ کافر بھی نہیں کرتا۔

تو صفارہ نظام تعلیم کی سعی ہو۔ سلسلہ نقشبندیہ اویسہ کی بات ہو یا الاخوان کی یہ اسی ایک تحریک کے تین مختلف شعبے ہیں جنکا مقصد یہ کہ مسلمان کو غیرت دلائی جائے اور اس کو اس کے مقام سے آگاہ کیا جائے اور اسے وہ رول اپنانے پہ تیار کیا جائے جو انصار مدینہ نے اپنایا تھا کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر لائے آج کے دور میں اسلام کو اپنانا ایسا ہی ہے جیسا کہ انصار مدینہ نے مکہ جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی تھی کہ آپ تشریف لائیے ہم جانیں قربان کر دیں گے۔ گھر لٹوا دیں

مے۔ بیٹے ذبح کرادیں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر حرف نہیں آنے دیں گے۔ آج کے دور میں جو بندہ دین کو اپنے گھر لاتا ہے اپنے وجود پہ لاگو کرتا ہے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چہرے پہ سجاتا ہے اسلامی قوانین کو اپناتا ہے سود کھانے سے توبہ کرتا ہے جھوٹ بولنے سے توبہ کرتا ہے اور عملی زندگی میں اسلام کو لاتا ہے تو گویا وہ اپنے گھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے آیا۔ اب ہمارے گھروں میں دعویٰ اسلام کا ہے لیکن ہمارے گھر یہودیوں اور نصرانیوں کے قبضے میں ہیں ہمارے گھروں کی زیب وزینت یہودیت ونصرانیت ہے ہمارا طرز معاشرت یہودی اور نصرانی جیسا ہے ہمارے کاروبار ہمارا لین دین سارا سودی ہے یہودیانہ ہے ہماری شکلیں نصاریٰ کی طرح ہیں ہماری رسومات ہندوؤں جیسی ہیں تو اس تحریک نے جسے آپ خواہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے نام سے یا صقارہ نظام تعلیم کے نام سے یا الاخوان کے نام سے جانتے ہوں اعلان کیا ہے۔ کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جانیں دیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائیے ہم اپنی شکل سے لیکر اپنے دل تک اپنے ظاہر سے لیکر باطن تک اور اپنے کاروبار سے لیکر اپنی معاشرت تک اور اپنی گھریلو زندگی سے لے کر قومی زندگی تک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کریں گے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے۔ یہ نرا اسلام کو لانا نہیں ہے یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر لانے والی بات ہے اور اس کے ساتھ آج بھی وہ وعدہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ جو یہ نعت اپنا لے گا۔ اللہ کی زمین کی بڑی بڑی طاقتیں اس کے قدموں میں جھک جائیں گی اور انشاء اللہ ایک دن آپ دیکھیں گے کہ اس تحریک کے قدموں میں بھی بڑے بڑے سلاطین کے تاج پڑے ہوں گے یہ قانون فطرت کا ہے۔ یہ معیار ہے اللہ کی کتاب کا اور یہ ارشاد ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اب جو خوش نصیب ہے جو اسے اپنا لیتا ہے۔ بے شمار تحریکیں چل رہی ہیں۔ بے شمار جماعتیں بن رہی ہیں لیکن جماعتیں اقتدار کو گھر لانا چاہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر بلانے کو کوئی بھی تیار نہیں کسی جماعت میں کیا یہ فکر ہے کہ اس کے سارے ممبر کم از کم فرائض پنجگانہ تو ادا کرتے ہوں کم از کم روزہ تو رکھتے ہوں بعض دینی جماعتوں نے تو الیکشن لڑنے کے لیے شرابیوں اور بدکاروں کو ٹکٹ دے رکھے ہیں اس لیے کہ ان کی غرض دین بھی کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر لانا نہیں ہے بلکہ یہ سارے لیلائے اقتدار کو اپنے گھر بلانا چاہتے ہیں۔ تو کیا دنیا کے دو سو کروڑ مسلمانوں میں کوئی بھی ایسا باغیرت مسلمان نہیں رہا جو اپنا دل اور دامن کھول دے کہ میں حاضر ہوں رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائیں کہیں کوئی تو یہ کہہ دے کہ مجھے اقتدار نہیں چاہیے مجھے دولت نہیں چاہیے لیکن اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم چاہیے اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے میں وہ کروں گا جو آپ فرمائیں اپنی زندگی پر اسلام نافذ کرے اپنے خاندان پر اسلام نافذ کرے اپنے کردار پر اسلام نافذ کرے آپ دیکھیں گے کہ یہی وہ لوگ ہوں گے جن کے قدموں میں روئے زمین کی طاقتوں کو الٰہ سرنگوں کر دے گا۔

☆☆☆

معاملات:

سبق نمبر۲۳: سورۃ الفتح

آیت ۲۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ

(اے مخاطب)! تو ان کو دیکھے گا (کبھی) رکوع کر رہے ہیں (کبھی) سجدہ کر رہے ہیں اللہ کے فضل اور

رِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ

رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں (اور) ان کے آثار ان کے سجدوں کی وجہ سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڔ كَزَرْعٍ

ان کے یہ اوصاف تورات میں ہیں اور انجیل میں ان کا یہ وصف ایسے ہے جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی

اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ

پھر اس نے اس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہو گئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کسانوں کو بھلی

يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

معلوم ہونے لگی تاکہ اس سے کافروں کا جی جلائے۔ جو لوگ ان میں سے

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۲۹

ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ نے (گناہوں کی) بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

دنیا کا ایک قاعدہ ہے کہ بہت سے لوگ بہت سی باتوں کی تھیوری یا طریقہ کار وضع کرتے ہیں اور دعوت یا دعویٰ یہ ہوتا

ہے کہ عمل کر کے دیکھ لو اس میں یہ یہ فوائد ہیں لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ لوگ خود اس پر عمل کرنے میں پورا نہیں اترتے۔ مغرب کی جمہوریت ہو یا اشتراکی فلسفہ ہو جمہوریت کے سب سے بڑے علم بردار امریکہ کا انتہائی اہم عہدہ امریکن صدر کا ہے کیا اس پر بھی یہ الزام نہیں لگا کہ اس نے انتخابات میں دھاندلی کی۔ تو پھر جمہوریت کی برکات اور اس کے فوائد کا کیا ہوا ان پر خود عمل کیوں نہیں کرتے یہی حال اشتراکی فلسفے کا ہے دنیا کی کثیر آبادی کو جکڑ کر اسباب وذرائع کو قومی تحویل کا نام دے کر ایک شخص ان پر مطلق العنان حکمران بن جاتا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے جتنا جتنا کسی کے پاس اثر ورسوخ ہے اقتدار ہے اتنے اتنے وسائل اس کے لیے ہیں۔

پاکستان میں ایک طبقہ روس کی تباہی کے بعد بھی یہ ماننے کو تیار نہیں کہ سوشلزم ناکام ہو گیا یعنی اس تجربے کے بعد بھی سوشلزم کے گماشتے جو کھاتے اس ملک کا ہیں جیتے یہاں ہیں کلمہ اسلام کا پڑھتے ہیں اور گیت سوشلزم کے گاتے ہیں اور یہ ماننے کو تیار نہیں ہیں کہ سوشلزم ناکام ہو گیا وہ کہتے ہیں کہ روس ٹوٹ گیا سوشلزم تو اپنی جگہ قائم ہے۔

تو کیا اسلام نے بھی ویسا ہی کوئی فلسفہ دے دیا اور اس کی برکات کا بہت زیادہ پروپیگنڈہ کر دیا یا اسلام میں اور ایجاد بندہ قسم کی تہذیبوں میں کوئی بنیادی فرق بھی ہے تو اللہ کریم دعوت نظارہ دیتے ہیں کہ اس کے لیے تم میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قریب آؤ۔ جو اللہ کے رسول ہیں جن کی اُن آیات مبارکہ میں خبر دی جارہی ہے جن کی پہچان کو معرفت الٰہی کا سبب قرار دیا اب ان کا کمال دیکھنا ہے تو ان لوگوں میں دیکھئے جنہیں ان کی غلامی کا شرف نصیب ہوا۔ والذین معہ جو لوگ ان کے ساتھ ہیں جن لوگوں نے انکی بات پر یقین کیا۔ جن لوگوں نے اپنے عمل اور کردار میں ان کا اتباع کیا تو رب جلیل نے ایک ایک عمل کو گننے کی بجائے ایک اصولی ضابطہ ارشاد فرما دیا جتنی حیوانی دنیا ہے جس میں انسان بھی شامل ہیں دو جذبے جبلی طور پر ان میں باقی جذبات سے بہت زیادہ طاقتور ہیں ایک قوت غضبیہ۔ جب کوئی جاندار غصے میں آجاتا ہے تو بہت بڑی جرأت کر گزرتا ہے وہ درندہ ہو چوپایہ ہو یا پرندہ۔ آپ نے دیکھا چھوٹی سی چڑیا بہت بڑے کوے سے لڑ جاتی ہے چھوٹی سی بلی کتے کے مقابلے میں کھڑی ہو جاتی ہے۔ تو جو ہوتے ہی طاقتور ہیں جب انہیں غصہ آجائے تو تباہی پھیلاتے چلے جاتے ہیں۔ انسان بھی چونکہ بنیادی طور پر ایک جانور ہے اگرچہ باشعور ہے اسے اللہ نے عقل دی ہے تو جب یہ غضب میں آتا ہے تو یہ ایسے منصوبے بناتا ہے کہ اگلے کی بخیئے اکھاڑ دیتا ہے۔ دوسرا جذبہ ہے قوت شہوانیہ اس میں چیزوں کے حصول کا لالچ۔ آسائشوں اور آرام کے پانے کا لالچ اپنی اغراض کی تکمیل کا لالچ شامل ہے یہ اتنی مضبوط جبلت ہے کہ آپ جانور کو ایک مٹھی چارہ کی دکھا کر پکڑ لیتے ہیں آپ پرندے کو دو دانے ڈال کر گرفتار کر لیتے ہیں اسی طرح انسان بھی اس میں پھنس جاتے ہیں اور سب کچھ لٹا بیٹھتے ہیں لالچ میں آکر قوت شہوانیہ سے مغلوب ہو کر۔ اللہ کریم دعوت نظارہ دیتے ہیں کہ ان لوگوں کو دیکھو جنہیں میری اور میرے نبی کی غلامی نصیب ہوئی انہیں ایسا کامل کر دیا کہ قوت غضبیہ اور قوت شہوانیہ پر وہ حکومت کرتے ہیں جبکہ سارے ذی

الارواح پر یہ دو قوتیں حکومت کرتی ہیں اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّار ان کی سختی ان کا غضب ان کا تشدد کفر کے لیے مختص ہو گیا یعنی بلاوجہ وہ اپنی سختی کا اظہار نہیں کرتے بغیر کسی سبب کے وہ غصہ نہیں کرتے کسی سے دشمنی نہیں کرتے کسی سے سخت مزاجی نہیں کرتے لیکن جہاں اللہ کی نافرمانی کی بات آتی ہے تو ان میں سمجھوتے کی گنجائش باقی نہیں رہتی کفر کے مقابلے میں تیغ برہنہ بن جاتے ہیں اور اسی لمحے وہی شخص دین حق کے لیے بادِ سحر بن جاتا ہے وہی ایک وجود۔ وہی ایک ذہن۔ وہی ایک قلب۔ وہی ایک انسان۔ وہی ایک لحہ ہے اسی لمحے کافر کے لیے انتہائی سخت ہے مومن کے لیے انتہائی نرم یعنی دونوں قوتیں جو جانداروں پر راج کرتی ہیں اللہ کے رسول کی معیت نے اپنے غلاموں کو ان جبلتوں پر حکومت کرنا سکھا دیا۔ دنیا کے انقلابات سے قطع نظر۔ سوشلزم کا ہو یا نازی ازم کا ہو آپ اپنے ملک کو دیکھیں کہ جس شخص کو ہمیں بھڑکانے کا یا لالچ دینے کا فن آ گیا اس نے حکومت کر لی لوگوں کو پیچھے لگا لیا کشمیر فتح کرنے کا جو نعرہ لگاتا ہے لوگ اس کے پیچھے چلے جاتے ہیں۔ کشمیر اپنی جگہ رہتا ہے وہ اپنی جگہ حکومت کرتا رہتا ہے۔ پھر لالچ کی مثال دیکھئے کہ روٹی کپڑا اور مکان مفت کا نعرہ لگا سارے لوگ اس لالچ میں آ کر بھاگ پڑے یار لوگوں نے حکومتیں کیں عیش کی اپنے لیے بنک بھر لیے لوگ جو پہلے ہی بھوکے تھے اور زیادہ بھوکے ہو گئے غریب، غریب سے غریب تر ہو گیا ایک اور نے دیکھا کہ یہ سارے نعرے استعمال ہو چکے ہیں اس نے کہا اسلام نافذ کر دیں گے یہ سب کیا تھا لوگوں کی ان جبلی عادات کو استعمال کر کے انہیں اپنے پیچھے لگا کر اقتدار حاصل کرنا تھا یہی حال آپ کو سوشلزم میں نظر آئے گا کہ انہوں نے نعرہ دیا کہ سب ضرورتیں پوری ہوں گی یہی حال نازی ازم میں نظر آئے گا کہ ہٹلر نے کہا تم ایک بہترین قوم ہو اور دنیا پر حکومت کے لیے پیدا ہوئے ہو تم حکومت کرو گے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ جذبات میں آ کر پیچھے دوڑنا شروع کر دیتے ہیں لیکن آخر جب نیند کھلتی ہے تو نازی ہٹلر پر تھوکتا ہے سوشلسٹ سٹالن کے مجسمے کو زنجیریں ڈال کر سڑک پر گھسیٹتا ہے چینی ماؤزے تنگ کو بھلا برا کہتا ہے اور پاکستانی اپنے جانے والے لیڈران کرام کے خلاف سرعام اشتہار نکالتے ہیں لعنتیں بھیجتے ہیں اور بیزاری کا اظہار کرتے ہیں یعنی قوموں کا وہ طلسم ایک خاص عرصے کے بعد ٹوٹ جاتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والے اپنے خدام کو جبلت کی طلسم کا اسیر نہیں کیا بلکہ کمال یہ ہے۔ کہ انہیں ان جبلی جذبوں پہ حکمران کر دیا۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّار قوت غضبیہ کا اظہار اللہ کی نافرمانی کے مقابلے میں رُحَمَآءُ بَیْنَھُم آپس میں شیر و شکر اور محبت ہی محبت تھی حق یہ ہے کہ ان کی آپس کی جنگ بھی عین محبت کا تقاضا ہے اگر دو فریق ہوئے تو اسی نقطے پر کہ منشاء نبوی یا منشاء باری کو ایک نے ایک انداز سے سمجھا اور دوسرے نے دوسرے انداز سے تو کسی نے کسی کا لحاظ نہیں کیا اپنے موقف پر ڈٹ گئے اس پر انکار او بھی اگر ہوا تو جب کسی نے سمجھا دیا کہ دونوں کا مفہوم اس نقطہ اتحاد کو ملتا ہے تو وہیں شیر و شکر بھی ہو گئے پھر اگر ذاتی رنجشیں یا ذاتی اغراض ہوتیں تو ان کی جنگیں کبھی ختم نہ ہوتیں ان کی جنگیں تو امت کے حق میں رحمت ثابت ہوئیں کہ ہر ایک بات پہ سارے سارے پہلوؤں کی وضاحت ہو گئی ان کے اس جذبے میں بھی ایسی دیانت و

امانت تھی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کچھ لوگ تھے دوسرے لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم کیساتھ تھے تو درمیان میں ایک طبقہ ایسا بھی ملتا ہے جو نماز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پڑھتا ہے اور کھانا حضرت امیر معاویہؓ کے لنگر سے کھاتا ہے۔ ان سے کسی بے تکلف دوست نے سبب پوچھ ہی لیا تو فرمایا کھانا ادھر بہت مزے دار ہوتا ہے نماز وہ بہت مزے کی پڑھاتے ہیں۔ دراصل ان کی جنگ بھی ایک دھوکا تھا۔ شیعہ ازم کے خلاف اسلامی تحریک کے منافقین نے جنہیں عبداللہ ابن سباء نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت جیسے تباہ کن منصوبے پہ مامور کیا تھا انہیں کی ریشہ دوانیوں سے جنگ بھی ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کسی تاریخ میں کوئی مطالبہ نہیں ملتا کہ انہیں حضرت علیؓ کی خلافت سے انکار تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کوئی ارشاد نہیں ملتا کہ انہیں امیر معاویہؓ کے اسلام یا ایمان میں کمی نظر آئی ایک سیاسی نقطہ تھا جس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ انہوں نے ایک بندہ شہید نہیں کیا بلکہ انہوں نے اسلامی نظام حکومت کو تباہ کیا اور یہ سارے قتل کئے جانے چاہئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ثابت ہو جائے کہ کس بندے کی ضرب سے حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو اس بندے پر حد جاری کی جائے۔ یہ دونوں نقطہ نظر اپنی اپنی جگہ حق بھی تھے اور ان کی اپنی اپنی اہمیت بھی تھی اور نتیجتاً سیاسی اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بصیرت نے وہ ثابت کر دیا جس کا انہیں اندیشہ تھا وہ فرماتے تھے سازش یہاں ختم نہیں ہوگی یہ آپ کو بھی کھا جائے گی اور آپ کے بعد والوں کو بھی اور واقعی ایسا ہوا کہ اسی سازش نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خون کیا اسی سازش کے ڈانڈے میدان کربلا تک پہنچتے ہیں اور اسی سازش نے میدان کربلا کو سٹیج بنا کر خلاف اسلام تحریک کو اسلام کے نام پر جاری کر دیا۔ تو بہر حال جتنا آپ آگے جائیں گے آپ کو وہاں محبت والفت ایک دوسرے کی خیر خواہی کے جذبات نظر آئیں گے اور کفر کے لیے نافرمانی کیلئے کوئی سمجھوتے کی گنجائش نہیں پائیں گے پھر مزے کی بات یہ ہے کہ یہ جنگ کریں یا صلح وہ کاروبار کریں یا تجارت وہ اہل وعیال میں ہوں یا مساجد میں اے مخاطب تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا تو انہیں ہر حال میں اللہ کا اطاعت شعار پائے گا۔ اس خلوص سے اطاعت کرتے ہیں گویا رکوع وسجود کر رہے ہیں ان کا ہر حال اس خلوص سے اللہ کی اطاعت میں لگا ہوتا ہے کہ جس خلوص سے سجدہ بھی کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے اور اس ساری غلامی سے ان کی غرض کیا ہے نہ اقتدار نہ دولت نہ اپنی عظمت منوانا بلکہ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا محض اللہ کی رضا حاصل کرنے محض اللہ کا نام بلند کرنے کیلئے اور کیا انہیں یہ مقصد حاصل بھی ہوا فرمایا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ روئے زمین پر طور پر ایک تجلی آئی اور غائب ہوگئی نشانی میں جلے ہوئے پہاڑ جلی ہوئی چٹانیں سرمہ بن کر رہ گئیں لیکن یہ وہ طور ہے جن پر تجلی آئی تو ہمیشانیاں ابدالآباد تک میری تجلیات اور میرے جمال کی مظہر بن گئیں اور یہ لوگ اب تو اپنا آپ ثابت کر چکے اب تو دنیا کو دکھا چکے اب تو وہ تاریخ مرتب ہو چکی یہ نہیں آئے تھے۔ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ تو میں نے تورات میں جب اپنے نبی کی بات کی تو اسکے خدام کے یہ اوصاف بیان کیے اور انجیل میں ان کی مثال بیان کر دی تھی کہ وہ ایسے ہوں

گے كَزَرْعٍ اَخْرَجَ جس طرح کھیتی سے ایک چھوٹی ٹہنی کونپل پھوٹتی ہے۔ایک ایک غریب ومفلس مسلمان کہیں کمل پڑھے گا فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ پھر وہ بڑھتی ہے پھر وہ طاقت پکڑتی ہے فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ پھر وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر ایک پودا بنتا ہے۔ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لبھانے لگتی ہیں کہ کاشتکار کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔یہی حال ان کا ہوگا ایک ایک کر کے پھر طاقت پکڑتے اسلامی ریاست بنا کر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شادمانی کا سبب بھی بنیں گے اور مزے کی بات یہ ہے کہ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ کہ کفر کا جی جلے گا انہیں دیکھ دیکھ کر اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ کفر کے ساتھ اس کا سمجھوتہ نہیں ہوتا وہ کفر کو چبھتا ہے اور کفر جلتا ہے اس سے کافروں کا جی جلتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ سے جو جلتا ہے اس میں اسلام نہیں کفر ہے اور صحابہ کرامؓ سے جس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں خواہ کوئی نظریہ ہو یا فرد ہو کہ یہ خصوصیت ہی کفر کی ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ان لوگوں کے ساتھ اللہ کا صرف بخشش کا نہیں بہت بڑے اجر اور بہت بڑے انعام کا وعدہ ہے اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ہماری ساری امیدیں معیت رسالت کے ساتھ وابستہ ہیں ہمارا سارا اسلام ہمارا سارا ایمان ہماری ساری پارسائی ہماری ساری نیکی ہماری موت ہماری قبر ہمارا برزخ کا حال اور سوال و جواب سے گزرنے کی ساری امید ہمارے پاس کیا طاقت ہے کہ ہمیں موت سے ڈر نہیں ہمارے پاس کیا خانت ہے کہ عذاب قبر کا خوف نہیں ہمارے پاس کیا دلیل ہے کہ حشر کے نام سے پسینہ نہیں آتا ہمارے پاس کیا جواب ہے جو بارگاہِ الوہیت میں پیش کریں گے صرف یہ کہ اے اللہ ہم تیرے حبیبؐ کے خادم، غلام ماننے والے ایمان لانے والے مسلمان اور اطاعت گزار ہیں معیت رسالتؐ مسلمان کا سارے کا سارا سرمایہ ہے اور معیت رسالت کی خصوصیات یہ ہیں کہ جہاں ہوگی وہاں دین سے نیکی سے نیکوں سے محبت ہوگی کفر سے کافر سے بدی سے نفرت ہوگی اگر ہم مل کر کافروں کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معیت رسالت کے اثرات ہم میں نہیں ہیں پھر ہمیں دیکھنا ہوگا کہ میدان حشر میں اللہ کے حضور ہم کون سی معیت پیش کریں گے۔

قرآن حکیم میں اللہ نے خبر دی ہے اللہ کا رسولؐ میدان حشر میں اللہ کو پکار کر کہے گا يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (الفرقان:30) لوگ دعویٰ کریں گے مسلمان ہونے کا وہ قبروں سے اُٹھیں گے وہ دوڑیں گے اس طرف جدھر انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا اور اس کے نیچے جائے پناہ نظر آئے گی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کریں گے بارالٰہا ایسے بے دینوں کو میرے قریب مت آنے دے۔ ارحم الراحمین کی بارگاہ میں رحمت اللعالمین یہ درخواست کریں گے۔ تو اس قدر بے رخی مخلوق سے نہیں اس کردار سے ہوگی جس کردار نے اللہ کے دین سے بے رخی اپنائی۔ اس کردار کو وہاں پناہ دینے کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے لہٰذا وجہ ارشاد فرمائیں گے کہ اللہ انہیں اس لیے دور رکھ کہ انہوں نے اپنے زندگی کے نظام سے تیرے قرآن کو خارج کر دیا تھا اور جو قوم اس جگہ پہنچ جائے کہ نہ صرف عملاً خارج کر دے بلکہ اعلان بھی کرے کہ

اسلام قابل عمل ہی نہیں ہے تو اس کی مسلمانی کیسی ہے کتنی عجیب بات ہے کہ عملاً تو ہم ترک کر ہی چکے لیکن مسلمان رہنے کی کم سے کم شرط یہ ہے کہ ہر بندے کو یہ احساس ہو کہ بہترین عمل وہی ہے جو شریعت کے مطابق ہے اگر میں نہیں کرتا تو قصور مجھ میں ہے خطا میری ہے مجھے کرنا چاہیے بندہ گناہ گار ہوگا مسلمان تو رہے گا لیکن جو اسلام کو قابل عمل ہی نہیں سمجھتا وہ کیسا مسلمان ہوگا یہ تو صریح کفر ہے یہ اسلام سے بیزاری اور اسلام کی مخالفت ہے۔ تو میرے بھائی معیت مصطفوی کی نشانی یہ ہے کہ کفر سے نفرت، دین سے۔ دین دار سے محبت اللہ کی اطاعت کے لیے کوشش زندگی کے ہر پہلو میں اللہ کی رضا کی تمنا اور اللہ کی خوشنودی کی آرزو اور اگر یہ ساری باتیں جمع ہو جائیں تو تجلیات باری نصیب ہو جاتی ہیں اس دنیا میں پیشانیاں منور ہو جاتی ہیں چہرے روشن ہو جاتے ہیں وجود روشنی کا مینار بن جاتے ہیں اور صحابہ کرام کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ انہیں فنا فی الرسول کا وہ مقام حاصل ہے۔ انہوں نے اتباع رسالت کا وہ حق ادا کیا اور محبت و عشق کا وہ معیار انہوں نے ثابت کیا کہ ان کے آنے سے پہلے بھی ان کی صداقت پہ ایمان لانا ضروری تھا تورات وانجیل میں ان کے اوصاف موجود تھے اگر اس زمانے میں کوئی ان کی عظمت کا انکار کرتا تو تورات وانجیل کے انکار کی وجہ سے کافر ہو جاتا جب یہ پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اور اب جبکہ یہ دنیا پہ تشریف لائے دین حق کا بول بالا کیا اللہ کی زمین پہ انصاف پھیلایا۔ ایسے ہی لوگوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں نہ صرف بخش دے گا بلکہ بہت بڑے انعامات سے نوازے گا۔ اب اگر کوئی ان کی عظمت کا انکار کرتا ہے تو اس کے کفر میں شبے کی گنجائش نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆

معاملات:

سبق نمبر۲۴: سورۃ الحجرات

آیات ۹ تا ۱۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا ۚ

اور اگر ایمان والوں میں سے دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں (انصاف کے ساتھ) صلح کرا دو۔

فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰىہُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی

پھر اگر ان میں سے ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو اس فریق سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ

تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا

اللہ کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے۔ پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں میں

بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ۝۹

عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کا خیال رکھو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ وَ

بے شک ایمان والے تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو اور

اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝۱۰

اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

انسانی معاشرے کی ایک بہت بڑی ضرورت کو یہاں بیان فرمایا گیا اور ایک بہت بڑا سوال جو ہر انسانی معاشرے میں سب سے زیادہ اہم ہے اسے بہت حسن وخوبی سے اسلام نے حل کر دیا ہے جہاں چند لوگ مل کر رہتے ہیں۔ وہاں ایک ایسا ڈھانچہ بناتے ہیں جو ان کے معاشرے کو کنٹرول کرتا ہے جسے ہم حکومت کہتے ہیں لیکن پھر ایسا ہوتا ہے کہ کبھی اس حکومت کے اندر دو مسلمان حکومتوں میں اختلافات اس حد تک بڑھ جاتے ہیں کہ ایک دوسرے کے خلاف میدان میں اتر آتے ہیں لڑ

پڑتے ہیں جو اس سطح سے لیکر ذاتی سطح تک ہونا ممکن ہے یعنی شہری شہریوں سے گاؤں والے گاؤں والوں سے محلے والے محلے والوں سے، گھر والے اپنے گھر کے اندر حتی کہ بھائی بھائی سے اور میاں بیوی سے لڑ سکتا ہے یہ ایک انسانی فطرت ہے جہاں رہتے ہیں وہاں کوئی نہ کوئی ایسی اختلافی صورت بن جاتی ہے اسلام میں اتنی تنگ نظری نہیں ہے کہ ذرا کسی کا پاؤں پھسلا تو اسے کافر کہہ دیا نہیں بلکہ جب تک کوئی بندہ اللہ کے احکام کا منکر نہ ہو تو مسلمان رہے گا اسلام سے خروج کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا انکار کر دے یا اس طرح نہ مانے جس طرح ماننے کا حکم ہے۔ اپنے ڈھب سے ماننا شروع کر دے۔ یہ بھی انکار ہی کی ایک صورت ہے تو فرمایا وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا اگر دو گروہ ایسے ہوں جو دونوں اللہ کی نافرمانی اور اللہ کے حکم سے بغاوت کا تو نہ سوچتے ہوں لیکن آپس کے اختلافات کی وجہ سے لڑ پڑیں۔ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا تو جو مسلمان ان دو گروہوں میں شامل نہیں ہیں ان سب پر ضروری ہے کہ ان دونوں کی صلح کرائی جائے ان دونوں کے ساتھ بات کی جائے اور صلح ایسی ہو کہ جس کی زیادتی ہے اسے زیادتی سے روکا جائے۔

فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِي حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ تو دوسرے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس کے خلاف میدان میں نکل آئیں اور اس سے جہاد کریں اسے لڑ کر مجبور کر دیں اور دوسرے کو مارنے کے لیے اسے آزاد نہ چھوڑیں بلکہ جو حق پر نہیں ہے اگر وہ سمجھانے نہیں سمجھتا تو اس کے خلاف تب تک جہاد ہو گا جب تک وہ واپس اطاعت میں اور صلح میں آ جاتا لیکن۔

فَاِنْ فَآءَتْ اگر وہ واپس آ جاتا ہے اور زیادتی سے باز آ جاتا ہے تو اَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ تو انصاف کے تقاضوں کے مطابق ان میں صلح کرا دی جائے۔

جس طرح یہ جھگڑا ہو گیا تھا دو مسلمانوں کی حکومتوں میں۔ حکومت تو تب مسلمان ہوتی ہے کہ اس کا نظام سلطنت اسلامی ہو عراق نے کویت پر چڑھائی کر دی اب حق یہ تھا کہ دنیا کی تمام مسلمان ریاستیں مل بیٹھ کر فیصلہ کرتیں کہ زیادتی کون کر رہا ہے اور زیادتی کرنے والے کو سمجھاتے اسے روکتے اور اگر وہ باز نہ آتا تو سارے اس کے خلاف جنگ کرتے اور بنوک شمشیر اسے واپسی پر مجبور کر دیتے اور جب وہ اپنی زیادتی سے باز آ جاتا تو سب بھائی آپس میں مل کر ہونے والے نقصان کا جائزہ لیتے۔ نقصان کی تلافی کروائی جاتی اور آئندہ کے لئے صلح کر دی جاتی۔ کیا یہ طریقہ اسلامی ہے کہ کفار کو دعوت دے کر ان سے مسلمانوں کو قتل کرایا جائے۔ یہ ایک سنگین غلطی تھی۔ اب کفار اس لیے مسلمانوں کو قتل نہیں کریں گے کہ انہوں نے ایک مسلمان پر زیادتی کی ہے بلکہ ان کا انداز یہ ہو گا کہ کفر کے خلاف مسلمانوں کی طاقت تباہ ہو جائے اور جن کے حامی بن کر آئیں گے اور دوسرے کی گردن میں غلامی کا جوا ڈالیں گے یہ الگ بات ہے کہ زیادتی کس کی تھی یا کون مظلوم تھا یہ جانچنا مسلم امت کا فرض بنتا تھا اس طرح اسی اصول کو نیچے لے آئیں۔

تو ہمارے ملک کے اندر سیاسی جماعتوں کے جھگڑے ہیں۔ پھر علماء میں اختلاف ہے اس سے آگے چلئے تو ہمارے روسا۔

میں اختلاف ہے ہمارے گھروں میں۔ خاندانوں میں قبائل میں اختلاف ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ جس خاندان میں اختلاف ہے اور جو لوگ اختلاف میں ملوث ہیں ان کو چھوڑ کر باقی کے ذمے ہے کہ جو زیادتی کر رہا ہے اسے سارے مل کر منع کریں اگر وہ باز نہیں آتا تو دوسرے کی حمایت میں اس سے قطع تعلق کر لیں اسے رکنے پر مجبور کیا جائے یہ نہ کہ اختلاف کی آگ کو اور بھڑکایا جائے اس لیے یہاں یہ بھی فرمایا کہ جب صلح ہو تو عدل کے ساتھ کرو۔ عدل یہ ہے کہ جس کا نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کی جائے اور جس نے زیادتی کی ہے اس سے تلافی کرائی جائے صرف صلح ہی نہ ہو بلکہ انسانی فطری تقاضا کی تکمیل بھی ہو آپ زبانی زبانی صلح کر کے فارغ ہو جاتے ہیں تو جس سے زیادتی ہوئی اس کے ذہن میں بات کھٹکتی رہے گی کہ مجھ سے معافی تو کسی نے نہیں مانگی میرے نقصان کا بدلہ تو مجھے نہیں دیا گیا اس لیے قرآن کریم نے یہ طریقہ بتایا کہ عدل کے ساتھ نقصان کی تلافی کرائی جائے۔

وَاَقْسِطُوا یعنی اگر ایک نے زیادتی کی ہے تو اس کے جواب میں اس پر زیادتی نہ کی جائے بلکہ جو زیادتی وہ کر چکا ہے بالکل انصاف سے اسکی تلافی کرائی جائے عجیب اتفاق ہے کہ معاشرے کا ایک طبقہ پستا رہتا ہے مظلوم ہوتا ہے اسکے ساتھ زیادتی ہوتی ہے پھر کچھ لوگ اس مظلوم کے ہاتھ میں بندوق پکڑوا دیتے ہیں تو اس سے ظلم مٹ نہیں جاتا اس سے ظلم بڑھتا اور پھیلتا ہے بلکہ مظلوم ظالم بن جاتا ہے اور درندگی پہ اتر آتا ہے ہم اپنے معاشرے میں جو ڈاکو دیکھتے ہیں ان میں سے نوے فیصد وہ مظلوم لوگ ہیں جن پر روساء نے۔ سرداروں نے۔ وڈیروں نے عرصہ حیات تنگ کر دیا ان کی عزتیں لوٹی گئیں ان کی زمینیں چھین لی گئیں ان کے خاندان کے افراد کو قتل کیا گیا۔ جیلوں میں بند کروایا گیا۔ پریشان کیا گیا تو وہ ڈاکو بن گئے۔ لیکن ڈاکو بن کر ان کا ردعمل صرف اس آدمی کے خلاف صرف اس نظام تک محدود نہیں رہا جس نے انہیں ڈاکو بنا دیا تھا بلکہ وہ ہر مظلوم پر بھی ظلم کرتے چلے گئے اور درندے بن گئے جو سامنے آیا اسی کو نباہ کرتے چلے گئے یہ وہ عمل ہے کہ مظلوم کے ہاتھ میں جب تلوار آئی تو وہ ظلم کرنے میں ظالم سے بازی لے گیا نتیجہ یہ ہوا کہ ظلم میں ترقی ہوئی خواہ کوئی بھی مظلوم بن گیا کوئی بھی پستا رہا اسلام نے اس سے روک دیا ہے فرمایا زیادتی کرنے والے کو زیادتی سے روکا جائے اور جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اس کی تلافی بھی کی جائے اس کی اشک شوئی بھی کی جائے اگر کسی نے زبانی کلامی نقصان کیا تو وہ معافی مانگے کسی مالی نقصان کیا ہے تو وہ اس کا بدلہ دے۔ جس طرح کا نقصان کیا ہے حتیٰ کہ قتل کے بدلے میں بھی وہ خون بہا دے یا قبائل کا طریقہ ہوتا ہے کہ رشتے دے دیتے ہیں جس سے نہ صرف دکھ کی تلافی ہوتی ہے بلکہ تعلقات استوار ہو جاتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ○ "اللہ انہی لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو معاملہ انصاف کے ساتھ کرتے ہیں فرمایا اصل بات یہ ہے کہ:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ایمان کے رشتے میں پروئے ہوئے لوگ دراصل بھائی بھائی ہیں ایمان کا رشتہ نسبی رشتوں سے مضبوط ہوتا ہے اگر عقیدہ بدل جائے ایمان کا رشتہ ٹوٹ جائے تو نسبی رشتے ٹوٹ جاتے ہیں باپ مومن ہے بیٹا کافر ہو گیا تو اسکی میراث سے محروم ہو جائے گا باپ کافر ہے بیٹا مومن ہو گیا تو کافر کی میراث نہیں پائے گا اس کا نسب ختم ہو گیا

حتیٰ کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے جس کی ایک درخواست پر رب کریم نے ساری خدائی کو غرق کر دیا۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح:26) کہ ان کے مزاجوں میں ان کے خون میں انکے صلب تک میں کفر رچ بس گیا ہے۔ اگر تو نے انہیں چھوڑ دیا ان کی اولاد بھی فاسق فاجر بدکار اور کافر ہوگی اس لیے انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دے اللہ کریم نے ساری دنیائے کفر کو ڈبو کر تباہ کر دیا صرف وہی نفوس قدسیہ بچ سکے جو نبی علیہ السلام کے متبعین تھے اور ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے اللہ کے اس پیامبر علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو ڈوبتے ہوئے دیکھ کر دل پسیج گیا اور دعا کی کہ اے اللہ تو نے میرے خاندان کو میرے گھر والوں کو تو بچانے کا وعدہ کیا تھا۔

اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ (ھود:45) اے اللہ آخر میرا بیٹا ہے میرے اھل میں سے ہے یہ دعا قبول نہیں ہوئی بلکہ اللہ نے فرمایا اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اس کا آپ کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں۔ وہ آپ کے اھل سے نہیں ہے اس لیے کہ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ وہ بدکار ہے تو جب عقیدے اور عمل کا رشتہ نہیں ہے تو صلب کے رشتے کی کوئی حیثیت نہیں۔ یعنی جب نبی علیہ السلام کا بیٹا اتباع چھوڑ دے تو اس کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے تو کسی دوسرے کا رشتہ کس زمرے میں ہوگا ہاں ایمان کا رشتہ اتنا مضبوط ہے کہ حقیقتاً مومن۔ مؤمن کا بھائی ہے جس رشتے کو قیامت کا زلزلہ بھی نہیں توڑ سکتا۔

تو دو بھائیوں میں اگر کوئی اختلاف پیدا ہو، فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ قرآن کریم کا عجیب انداز ہے یہ نہیں فرمایا کہ دو بھائیوں میں صلح کرا دو بلکہ فرمایا کہ اپنے بھائیوں میں صلح کرا دو۔ تم بھی انہی کے بھائی ہو۔ یعنی رشتہ ایمان میں سب منسلک ہو اور تم سب ایک دوسرے کے بھائی ہو۔

اب اگر ہم اپنے معاشرے میں اس طریق کو اپنائیں تو آپ دیکھیں گے کہ ہمارے خاندانوں میں کس قدر آرام و سکون کی فضا پیدا ہو۔ ہماری سیاسی فضا کتنی صاف ہو جائے اگر ہمارے حکمران طبقے کو کوئی یہ سمجھانے والا ہو کہ تمہارے سیاسی اختلافات بجائے خود اپنی جگہ پر رہیں لیکن ایمانیات میں تو تم مسلمان ہو۔ مسلمان کی عزت ایک ہے مسلمان کی آبرو ایک ہے مسلمان کی جان اور مال ایک ہے اپنی ہی جان کے دشمن مت بن جاؤ اپنی ہی آبرو کو مت اچھالو۔ اپنے ہی مال کا نقصان مت کرو اپنے ہی بھائیوں کو اپنے ہاتھوں رسوا مت کرو۔ اگر یہ فضا معاشرے میں ہو تو دیکھیں کتنا خوبصورت معاشرہ بنتا ہے یہ اسی معاشرہ کے خدوخال ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو اور آدم علیہ السلام کی نسل کو قائم فرما کر دیا تھا اور یہی وہ معاشرہ تھا جو کفر کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا۔ کفر میں صرف بتوں کی پوجا نہیں ہوتی بلکہ ہر کافر خود ایک بت ہوتا ہے جو ہر کمزور سے اپنی پوجا کروانا چاہتا ہے ان میں سے جو خدائی کے دعوے دار ہوتے ہیں ان کی جنگوں میں ان کے ماننے والے پستے ہیں۔

اب اسلام نے جب ساری الوہیت ساری خدائی ایک اللہ کے لیے مختص کر دی اور سارے بندے اس نے ایک سطح پر لا کر کھڑے کیے تو کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ یہی وہ بہت بڑی تبدیلی ہے جو نور ایمان سے

بندے کے دل میں آتی ہے اور بندہ اگر اپنی فرعونیت کا بت ہی پاش نہ کر سکا اپنے آپ کی پوجا کروانے کی طلب ہی کو نہ مٹا سکا تو اس سے کسی اور بھلائی کی توقع فضول ہے بلکہ خود اسے بھی اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہیے ہاں اگر اپنی انانیت کا بت ٹوٹ جائے تو وصال الٰہی میں کوئی لمحہ تاخیر نہیں ہوتی۔

سیالکوٹ سے ہمارے ایک دوست ڈاکٹر صاحب بڑے مزے کے آدمی تھے حافظ قرآن بھی تھے۔ ان کی ایک بڑی خوبصورت عادت تھی جیسے ہی مسجد سے اذان کی آواز آئی اور انہوں نے قلم رکھ دیا آدھا نسخہ یا جو دوائیں لکھ چکے تھے بتاتی ہیں تو تیسری نہیں لکھتے تھے لوگ کہتے بھی کہ جناب اٹھتے اٹھتے ہی لکھ جائیں فرماتے نہیں میں یہ سمجھتا ہوں جیسے میرا نام لے کر بلایا جا رہا ہو کہ تمہیں اللہ کریم حاضری کا حکم دیتے ہیں کہ ڈاکٹر فلاں فوراً آؤ۔ نماز سے فارغ ہو کر باقی کا لکھتے۔ ایک دن میں وہاں تھا علی الصبح ذکر کر کے چلے گئے اور نماز کے فوراً بعد آ گئے بیٹھتے ہی کہنے لگے میں پریشان ہو گیا ہوں مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ ہمارے اور اللہ کریم کے درمیان دیوار کون سی ہے جسے ہمیں عبور کرنا ہے جب اللہ ہر جگہ موجود ہے شاہ رگ سے قریب ہے پھر اس کی تلاش کا بھی حکم ہے اسے پانے کے لیے کوشش بھی کرے۔ ذکر بھی کرے۔ سجدے بھی دے۔ روزے بھی رکھے اور وہ ہمارے وجود میں سب سے قریب تر بستا ہے ہمارے دل کی دھڑکن سے قریب تر ہے تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ درمیان میں دیوار کونسی ہے جسے ڈھانا ہے۔ میں نے عرض کی حضرت وہ دیوار ہمارا وجود ہے ہم خود اپنی ذات کے اسیر ہو کر اس سے بیگانہ ہو گئے۔ درمیان سے خود کو ہٹا لیں تو وصول الٰہی دور نہیں ہے یہ سارا مجاہدہ یہ ساری محنت یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ اپنی انا کو جو بت بن گیا ہے اسے مٹا کر اس کی جگہ اللہ کی ذات کو وہاں رکھیں یہی سارا مجاہدہ ہے کفر میں "میں" "میری" اور "انانیت" کی تکرار ہوتی ہے۔

اب ہم میں جو جھگڑے ہیں۔ اختلافات ہیں یا جو قتل و غارت ہو رہی ہے تو اس کی سب سے بڑی وجہ ہماری تفرقہ بازی یا ہماری دین سے محرومی ہے اپنی اپنی ذات کا بت ہر کوئی پوج رہا ہے اور اسے دوسروں سے پوجوانا چاہتا ہے اسی لیے کلمہ اسلام اثبات سے نہیں نفی سے شروع ہوتا ہے کیا عجیب بات نہیں ہے چاہیے تو یہ تھا کہ کہتے اللہ ہی ہے۔ باقی کوئی نہیں۔ اللہ نے اتنا بھی گوارا نہیں کیا کہ باقی بھی ہوں اور اس کے ساتھ اللہ کو بھی مانیں۔ اسلام نے یہ گوارا نہیں کیا اسلام نے کہا پہلے سب معبودان باطلہ کی نفی کرو لا الہ کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں میدان خالی کر دو کوئی بھی نہیں ہے۔ پھر کہو الا اللہ، اللہ ہے۔ اسلام اس کا نام نہیں ہے کہ سارے کفریات نیچے ہوں اوپر ایک ملمع اسلام کا بھی چڑھا لیں نیچے لوہا ہے پیتل ہے تانبا ہے اس کے اوپر سونے کا پانی چڑھا دو اور وہ سونا بن گیا نہیں وہ تانبا وہ لوہا وہ پیتل سارا جلا دو اور اس کی جگہ خالص سونا رکھو یہ اسلام ہے اب دیکھیں تھوڑی سی بات تھی کہ بندہ اس کا لا نافیہ کو پہلے نہ لاتا پہلے اقرار کرتا اللہ کے معبود ہونے کا اور پھر انکار کرتا۔ معبودانِ باطلہ کا تو درمیان میں ایک لمحہ تھا کہ پہلے لمحے اس نے اللہ کے ہونے کا اقرار کیا دوسرے لمحے باقی سب کے باطل ہونے کا اعلان کر دیا۔ اللہ نے یہ گوارا نہیں کیا کہ اسے ایک لمحے کی شراکت بھی منظور نہیں نہ کوئی اس کا ہمسر ہے اور نہ وہ ایک لمحے کی شراکت کسی کی برداشت کرتا

ہے نہ اس کی غیرت گوارا کرتی ہے اس لیے اس نے کہا کہ پہلے سب کی نفی پہلے میدان صاف کر دو کچھ بھی نہیں ہے لا الہ کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں جب میدان خالی ہو گیا اب کہو اللہ ہے۔ تو جہاں کوئی بھی بت ایک لمحے کے لیے رکھنے کی اجازت نہ دی جائے وہاں اگر بندہ اپنی ذات ہی کا بت رکھ دے تو اسلام کہاں ہو گا اللہ کیسے گوارا فرمائے گا۔ اللہ کیسے اس قوم پر رحم فرمائے گا اللہ کیسے اس قوم کو آبرو دے گا اللہ کیسے اس قوم کو عزت دے گا۔ تو اس کا معنی یہ ہوا کہ ہم نے جو چھوٹے چھوٹے کاموں میں اپنی ذات کے بت پال رکھے ہیں ان کا اثر یہ ہے کہ ہمارے اس کردار کی وجہ سے مسلمان قوم بحیثیت قوم رسوا ہو رہی ہے۔

خطایا گناہ کے اثرات دو طرح سے ہوتے ہیں ایک وقتی طور پر جو ظلمت یا سیاہی آئی آپ ایک تالاب میں کنکر پھینکتے ہیں۔ ایک گڑھا پڑتا ہے پانی ڈسٹرب ہوتا ہے اور بھر جاتا ہے یہ فوری اثر ہے ایک کا مال چھینا اس ایک آدمی کو تکلیف ہوئی ایک آدمی کو قتل کر دیا ایک بندہ مراکیکن وہ حلقہ جو اس سارے تالاب پہ پھیلتا ہے وہ سارے تالاب کو ڈسٹرب کرتا چلا جاتا ہے اس گناہ کی ظلمت جب قومی کردار پہ آتی ہے تو پوری قوم کو رسوا کرتی چلی جاتی ہے مال چھیننے سے کسی کی آبرو چھیننے سے کسی کی جان چھیننے سے بڑا جرم یہ ہے ہاں اگر اللہ کے لیے یہ کام کیا جائے تو پھر تو جرم ہی کوئی نہ رہا جب اللہ نے جہاد کا حکم دیا اور میدان جہاد میں آپ کسی کو قتل کرتے ہیں تو وہ عبادت ہے خود قتل ہوتے ہیں تو عبادت ہے اور اگر اللہ نے حکم نہیں دیا تو پھر قتل کیوں کرتے ہیں اپنے آپ کو بت بنا کر اس بت کی پوجا کرنے کے لیے اسکو راضی کرنے کے لیے کرتے ہیں۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ کیا دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے اپنی خواہشات کو ہی اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ خواہشات کو تو کبھی کسی نے مجسمہ کر کے ماتھا نہیں ٹیکا خواہشات کی تعمیل کی جاتی ہے انہیں پورا کرنے کیلئے جرم کیا جاتا ہے اللہ نے اسی کو خواہشات کی عبادت قرار دے دیا۔

تو اسلام خود پسندی۔ انانیت۔ تکبر کے بتوں کو پاش پاش کر کے اخوت اور بھائی بھائی ہونے کے رشتے میں پرو دیتا ہے اور فرماتا ہے اگر دو بھائیوں میں جھگڑا ہو بھی گیا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ایمان کے رشتے سے تو وہ بھائی ہیں۔

فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ اپنے بھائیوں میں صلح کرا دو اور بات بات پر وہیں آ پہنچی۔ واتقو الله یہ ساری محنت اس لیے کرو کہ اللہ کے ساتھ تمہارا تعلق مضبوط سے مضبوط تر رہے۔ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ یہ تقویٰ ہی ہے جو تمہارے لیے اللہ کی رحمت کا سبب ہے تاکہ تم پر رحمت کی جائے اگر تم نے اللہ کا حیا کرنا چھوڑ دیا اس بات سے ڈرنا ہی چھوڑ دیا کہ اللہ خفا نہ ہو جائے اس بات کو خاطر ہی میں نہ لائے کہ اللہ میرے کردار سے روٹھ نہ جائے تو اللہ کیوں تم پر رحم فرمائے جب تمہیں اللہ کی پرواہ نہیں ہے تم محتاج ہو کر اس کی پرواہ نہیں کرتے وہ بے نیاز ہو کر تمہاری پرواہ کیوں کرے گا۔ یعنی تقویٰ ہی، اور اللہ سے وہ رشتہ ہی، اور اللہ سے امید کی وہ وابستگی ہی آپ کو یہ مقام دلائے گی کہ اللہ کی رحمت کے زیر سایہ ہوں اور اللہ آپ پر رحم فرمائے۔

☆☆☆

معاملات

سبق نمبر ۲۵: سورۃ ہود

آیت ۸۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو (بھیجا) انہوں نے فرمایا اے میری قوم!

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ

اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ماپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو

وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ

بے شک میں تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور یقیناً مجھے تم پر ایسے دن کے

عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾

عذاب کا ڈر ہے جو (تم کو) گھیر کر رہے گا۔

اس آیہ مبارکہ میں حضرت شعیب علیہ السلام کا معبوث ہونا اور ان کی قوم کے خاص کردار کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس قبیلے یا قوم کو مدین کہتے تھے اور ان کی آبادیوں کا نام بھی پھر یہی پڑ گیا۔ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا مدین کے پاس ہم نے انہیں میں سے ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام جن اقوام کی طرف معبوث ہوئے عموماً انہی اقوام کے افراد تھے اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ساری انسانیت کی طرف معبوث ہوئے مگر سب سے پہلے آپؐ کے مخاطب چونکہ عرب اور قریش تھے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں مبعوث فرمائے گے۔ انسانیت کو جب تخلیق کیا گیا تب ہی اللہ کریم نے ہر قوم کے لیے اور ہر عہد کے لیے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام منتخب فرما لیے۔ نبوت وہبی شے ہے اللہ کریم جسے چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں اس کا کسب سے تعلق نہیں کہ کوئی بندہ محنت اور مجاہدہ کر کے نبی بن جائے۔ تو شعیب علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف معبوث کیا گیا جس میں دو باتیں تھیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ وہ اللہ سے بیگانہ تھے اور اللہ کی جگہ انہوں نے فرضی باطل معبود گھڑ لیے ہوئے تھے۔

دوسری بات یہ تھی کہ وہ ناپ تول میں پیمانے پورے نہیں رکھتے تھے۔ اگر یہ خریدرہے ہوتے تو یہ کوشش کرتے کہ زیادہ سے زیادہ چیز لے لیں، جب یہ بیچ رہے ہوتے تو یہ ہر حیلہ آزماتے کہ ہم کم سے کم چیز دیں۔ ان کے دہرے معیار تھے لینے کے لیے الگ دینے کے لیے الگ۔ دنیا کی دولت جمع کرنے کے لیے اور حصول زر کے لیے یہ حیلہ کرتے تھے۔ اب یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم کوئی پیمانہ جو ماپنے کا ہے یا تولنے کا ہے اسی میں کمی کریں بلکہ کام تھوڑا کرنا اور پیسے زیادہ لینا یہ ظاہر کرکے کہ میں نے زیادہ کیا ہے یا دوسروں کو دھوکا دے کر جیسے آج کل دفاتر میں کیا جاتا ہے کہ تنخواہ لیتے رہنا اور کام نہ کرنا یہ چیزیں بھی اسی ضمن میں آتی ہیں۔

اب ہر قوم میں جو ایک بہت ہی بڑا عیب تھا اور جس کی خاطر نبی مبعوث ہوئے اور جنہوں نے نہ مانا وہ غرق ہوئے وہ ساری خرابیاں چونکہ عالم انسانیت میں متعارف ہو چکی تھیں اور ہم سب سے آخر آنے والی امت ہیں تو ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ جب ہم اپنی راہ سے ہٹتے ہیں یا ہمارے عہد کے انسانوں کا تعلق اللہ کریم سے کمزور ہوتا ہے تو اس دور کے انسان اس سارے عیبوں کو اختیار کر لیتے ہیں جو ان قوموں میں انفرادی طور پر تھے۔ قرآن حکیم نے مختلف اقوام کا ذکر فرمایا ہے اور جس عیوب کی وجہ سے وہ قومیں تباہ ہوئیں گنوائے ہیں لیکن آج کے انسان میں بیک وقت ایک ایک کرکے وہ سارے عیب موجود ہیں اور یہ لینے دینے کے دو غلے معیار تو اب اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ حکومتیں تک ان میں ملوث ہیں اور عام افراد روزمرہ کی زندگی میں اسے جرم ہی نہیں سمجھتے۔ حالانکہ لین دین کے معاملے میں تو اتنا کھرا پن چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار سے گزرے تو کسی خادم کے پاس گندم کا ڈھیر لگا تھا۔ جس طرح آجکل آڑھتی باہر ڈھیر لگا دیتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے کے لیے اس میں سے کچھ دانے اُٹھائے جو اوپر سے خشک نظر آرہے تھے لیکن اندر سے گیلے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ گیلے ہیں تو عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں مٹی وغیرہ ہوتی ہے صاف کرنے کے لیے دھویا جاتا ہے یہ دھو کر صاف کر کے رکھی ہوئی ہے فرمایا یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ ظاہراً خشک نظر آتی ہے اور اندر سے گیلی ہے اس لیے گاہک کو پہلے بتا دیا کرو ایسا نہ ہو کہ وہ اسے خشک سمجھ کر خرید لے اور بعد میں پتہ چلے کہ یہ گیلی تھی تو یہ صحیح نہ ہوگا۔

دراصل حصول زر کے لیے دو غلے معیار کو بنا لینا اس بات کی دلیل ہے کہ بندہ اللہ کو اپنا رب نہیں سمجھتا۔ بنیادی طور پر کاروبار یا محنت و مزدوری جو ہم کرتے ہیں اس سے رزق وابستہ نہیں ہے بلکہ بندہ اس بات کا مکلف ہے کہ اسے اللہ نے جو عقل دی ہے، جو طاقت دی ہے، جو اعضاء و جوارح دیئے ہیں انہیں حصول رزق کے لیے استعمال کرے اس سے نتیجہ کیا ہوتا ہے کتنا رزق اسے ملتا ہے یہ اللہ کریم کی اپنی تقسیم ہے۔ دو کاشتکار کھیت بوتے ہیں اور دونوں محنت کرتے ہیں، دونوں کھاد ڈالتے ہیں، دونوں اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں ضروری نہیں کہ دونوں کا غلہ ایک جیسا ہو اس کی مرضی کسی کا زیادہ ہو جاتا ہے

کسی کا کم ہو جاتا ہے کسی کو بارش یا آسمانی بلائیں کم کر دیتی ہیں، کسی پر اولے برس جاتے ہیں، دوسرا سلامت رہتا ہے تو نتائج اس کے دست قدرت میں ہیں۔ انسان جب اللہ سے دور ہوتا ہے تو اسے جو دولت مل رہی ہوتی ہے اسے وہ اپنی ہوشیاری یا اپنی کاریگری یا اپنی محنت ومشقت کا پھل سمجھ لیتا ہے۔ عموماً دیکھا یہ گیا ہے کہ دعائیہ کلمات میں بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ آپ کو آپ کی محنت کا پھل دے۔ حالانکہ کسی کی محنت کسی پھل کے قابل نہیں ہوتی محنت کرنا ایک الگ شعبہ ہے کہ اللہ کریم کا حکم ہے کہ رزق حلال کے لیے محنت کرو جس طرح نماز۔ روزہ۔ حج زکوۃ فرض ہیں اس طرح فکر معاش بھی فرض عین ہے رزق حلال کی طلب میں محنت کرنا یا فکر معاش کرنا یہ فرض عین ہے یہ معمولی بات نہیں ہے۔

ایک دفعہ حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ایک مسئلہ آ گیا کہ کوئی آدمی نقلی سونا بناتا ہے جس طرح کچھ کیمیا گر تانبے کو یا پارے کو دھات بنا کر مختلف کیمیکل سے اسے سونے کی طرح رنگین بنا لیتے ہیں۔ تو اگر اس طرح کا کوئی سونا بنا لے اور بازار میں بیچ دے اب لینے والے کی مرضی اسے دیکھ کر پسند کر کے لیتا ہے تو اسکی شرعی حیثیت کیا ہوگی۔ تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شرعاً قلب ماہیت ممکن نہیں یعنی کسی چیز کی اصل کو تبدیل کرنا انسان کے بس میں نہیں ہے۔ اب گدھے کو کوئی انسان بنا دے یہ ممکن نہیں گدھا گدھا ہی رہے گا۔ پھر آپ رحمتہ اللہ علیہ نے مثال بھی دی کہ جن مختلف شکلیں اختیار کر سکتا ہے۔ کبھی انسان بن کر کبھی گدھا بن کر یا سانپ بن کر نظر آ سکتا ہے نظروں سے غائب بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن بہر حال رہتا جن ہی ہے قلب ماہیت نہیں ہوتی یعنی وہ واقعی انسان نہیں بن جاتا انسان کی طرح متشکل ہو کر نظر آتا ہے اصل میں جن ہی رہتا ہے۔ اس کا محاسبہ یا اس سے سوال و جواب یا اس کی جواب دہی جو ہوگی بحیثیت جن ہی ہوگی۔ عنداللہ اس کی حیثیت نہیں بدلتی۔ اسی طرح فرشتہ انسان بن کر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے یا حضرت مریمؑ سے مخاطب ہو تو انسان بننے سے اس کی فرشتگی مجروح نہیں ہوگی اصل تو فرشتہ ہی رہا بظاہر کچھ دیر کے لیے انسان دکھائی دینے لگا۔ تو اسی طرح آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کوئی پارے کو یا تانبے کو اگر اس طرح کا رنگ دے دیتا ہے تو اس میں سے تانبے کا تانبا سونا یا پارے کا پارا ہونا وہ اصل ضائع نہیں ہوتا۔ اس پر صرف رنگ آ جاتا ہے۔ اب جو بیچتا ہے وہ دھوکا دے رہا ہے کہ جنس اور ہے اور اس پر جھوٹا رنگ ملمع کاری کر کے دوسری جنس کے پیسے لے رہا ہے۔ یہ تو سرے سے حرام ہے اس کیساتھ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض لوگوں کو یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ وظیفہ پڑھو زیادہ پیسے مل جائیں گے یا سرہانے کے نیچے، جانماز کے نیچے سے رقم نکل آئے گی۔ یہ سارے حرام ہیں۔ رزق کے حصول کے ذرائع معروف ہیں اور ہر وہ ذریعہ جو معروف نہ ہو وہ حرام ہے یہ بڑی سادہ سی بات ہے۔

معروف ذرائع کاشتکاری، مزدوری، ملازمت یا کاروبار کرنا ہے۔ یہ چار معروف ذرائع ہیں باقی سارے ذرائع انہی کے کسی نہ کسی شعبے میں آ جاتے ہیں تو اگر کوئی غیر معروف ذرائع سے رزق حاصل کرتا ہے تو فرمایا اس کا غیر معروف ہونا ہی اس کی حرمت کے لیے کافی ہے۔ طلب معاش یا روزی پیدا کرنے کے لیے محنت کرنا یا اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو استعمال کرنا یہ

اللہ کا حکم ہے اور محنت اللہ کی اطاعت سمجھ کر کی جائے۔ یہی حال تھا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا۔ تو جو محنت و مشقت ہم کرتے ہیں یا کاروبار کرتے ہیں یا دوکانداری کرتے ہیں تو یہ ایک اطاعت الٰہی کا شعبہ ہے جسے پورے اہتمام سے اللہ کے احکام اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کیا جائے اگر یہ بات سمجھ آجائے تو پھر آدمی کے لیے مشکل نہیں ہوتا کہ عبادت کے وقت یا فرائض کے وقت یا نماز کے لیے وہ دکان بند کر سکے یا کام روک سکے۔ اب اگر ہماری عبادات پر بھی ہمارا کام غالب آجاتا ہے تو اس لیے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ روزی ہمارے اس کام کی وجہ سے آرہی ہے اور چار منٹ کی تاخیر سے ہماری روزی میں خلل پڑ جائیگا۔

تو کاروبار انسان کے فرائض میں سے ایک فریضہ ہے کہ اللہ نے جو استعداد دی ہے یا اسباب مہیا ہیں ان کے مطابق اپنی روزی پیدا کرنے کے وسائل اختیار کرے اب اسے کتنی روزی ملتی ہے وہ دولت مند ہو جاتا ہے یا فقیر رہتا ہے یہ اللہ کی مرضی اس نے رزق تقسیم کر دیا ہوا ہے۔ جو اس نے مقدر کیا ہے وہ ضرور ملے گا یہاں سے بندہ اگر پھسل جائے اور اس کا ایمان اور عقیدہ صحیح نہ رہے تو صرف یہ کہ عبادات میں کوتاہی کرتا ہے بلکہ حصول رزق کے لیے ناجائز ذرائع استعمال کرتا ہے تول میں دھوکا دے گا مول میں جھوٹ بولے گا چیز بتا کر اور بیچے گا اس میں اصل اور ہوگی تو یہ ساری باتیں اللہ سے دوری پہ دلالت کرتی ہیں۔ اب ہماری آج کی مارکیٹ کا حال یہ ہے کہ ہم کسی کافر یا باہر کے ملک کی بنی ہوئی چیز پر جو مہر ہوتی ہے اس پہ کسی حد تک اعتبار کر لیتے ہیں اپنے ملک کی بنی ہوئی چیز پر جو مہر ہوتی ہے اس پر اعتبار کرنے کو جی نہیں چاہتا واقعی اتنی ان میں ملاوٹ آگئی ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔

میں ایک دفعہ دواؤں کے کارخانے میں گیا کچھ کیپسول بھرے جا رہے تھے غالباً بخار کے لیے کیپسول بھی اتنا بڑا نہ تھا لیکن اس میں جو دوائی کی مقدار تھی وہ بہت تھوڑی سی تھی باقی خالی رہتا تھا ساتھ ہی گرائنڈر چینی کو باریک کئے جا رہے تھے۔ جو کیپسول کے خلا میں بھری جا رہی تھی۔ میں نے پوچھ لیا کہ یہ کیوں کر رہے ہیں تو کہنے لگے تھوڑی سی دوا کی وجہ سے کیپسول کھل جانے کا امکان ہے اس طرح سے بھر کے پیک ہو جاتا ہے تو پھر کھلتا نہیں میں نے کہا یہ ٹھیک ہے کہ دوائی تو آپ نے قابو کر لی لیکن یہ اگر چھ کیپسول یا آٹھ کیپسول کسی دن میں کھانے پڑیں تو اس نے پسی ہوئی چینی کے دو چمچ کھا لیے اور اگر وہ شوگر کا مریض تھا تو مارا گیا اس نے دوائی تو کھائی بخار ٹھیک کرنے کیلیے آپ نے اسکی شوگر بڑھا دی۔ پھر اس پر میں نے باقاعدہ تحقیق کی تو پتہ چلا کہ باہر ملکوں میں بھی کیپسولوں میں چینی بھرنے پر قانوناً پابندی ہے جو یہاں بھی ہے لیکن وہاں ایک بے رنگ اور بے ذائقہ چیز جس کا کوئی فائدہ یا نقصان طبی طور پر نہیں ہوتا خانہ پری کیلئے کیپسولوں میں بھری جاتی ہے لیکن چونکہ وہ چینی سے مہنگی ہے اس لیے ہمارے ہاں چند روپے بچانے کے لیے چینی بھری جاتی ہے۔

تو صرف چند ٹکوں کے لیے پتہ نہیں کتنے لوگ ایسے ہوں گے جو موت کے گھاٹ اتر جاتے ہوں گے۔ ہر آدمی کے

پاس تو پر کھنے یا چیک کرنے کے لیے سامان مہیا نہیں ہمارے ہاں جسقدر ملاوٹ غذا میں اور دوا میں ہوگئی ہے اکثر اوقات موت کا سبب بن جاتی ہے۔ اس بے دردی سے لوگوں کو مارا جاتا ہے۔ بوجہ ایمان کی کمزوری کہ بندہ سمجھتا ہے میں ہوشیاری سے زیادہ پیسے کمار ہا ہوں۔ اب وہ نمازیں بھی پڑھتا رہے، حج بھی کرتا رہے اصل ایمان کی پرکھ تو عملی زندگی میں ہوتی ہے ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ہماری عملی زندگی کو کتنا متاثر کرتا ہے اور ہمارا کردار کتنا اس کے ساتھ مطابقت کرتا ہے اور کردار میں سب سے نازک پہلو رزق کا ہے جو ہر آدمی کا مسئلہ ہے شعیب علیہ السلام نے فرمایا:

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اور اَوْفُوا الْمِکْیَالَ وَ الْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ اپنا ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا پورا رکھو لینے دینے میں کھرے ہو جاؤ معاملہ کھرا رکھو۔

وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَ ھُمْ (ھود:85) اور لوگوں کو جو چیزیں بیچتے ہو ان میں مال مار نہ لیا کرو۔ اگلا تو یہ سمجھ لے کہ میں پورا لے جا رہا ہوں جیسے ہمارے یہاں کوئلے کا کاروبار ہوتا ہے ہزاروں روپے کا ایک ٹرک ہم بیچتے ہیں اور لوگ کروڑ پتی ہو گئے لیکن کوئلوں کا مال نہیں دیں گے الا ماشاء اللہ نماز بھی پڑھتے ہیں، ہاتھ میں تسبیح بھی ہوتی ہے، تسبیح پڑھ رہے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں اس میں اتنی مٹی ملا دو اس میں اتنا گھٹیا مال ملا دو۔ یعنی اسے جرم سمجھا نہیں جاتا بلکہ اپنے کاروبار کا کمال سمجھا جاتا ہے اور فرمایا۔

اِنِّیْ اَرٰکُمْ بِخَیْرٍ میں تمہیں بھلائی میں دیکھتا ہوں اگر تم یہ بات مان لو تم ہی اس بہتر نتیجے کو اور اللہ کی رضامندی کو پا سکتے ہو۔ ایسی کوئی بات نہیں کہ کوئی شخص یہ سمجھے کہ ہم برائی کریں یا نیکی کریں ہمیں تو ذلیل ہی ہونا ہے ہماری قسمت میں تو رسوائی ہے ایسی بات نہیں ہے فرمایا جو بھی اللہ کی اطاعت اختیار کرے وہی بھلائی کو پالیتا ہے۔

وَّ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ O اور تم ہی لوگوں پر مجھے اس دن کے عذاب کا ڈر ہے جو گھیر گھیر کر مارے گا اس سے کوئی بھاگ نہیں سکے گا۔

تو یہ احکام معاملات کے ہیں اللہ کریم ہمیں سمجھنے کی اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دراصل معاملات کی بنیاد ایمان ہی ہے جو بندے کو اللہ جل شانہٗ کی ذات اور اس کی صفات کیساتھ نصیب ہوتا ہے۔ جب تک وہ یقین ذاتی طور پر راسخ نہ ہو دوسروں کے مشورے سے یہ چیزیں نہیں آتیں۔ دوسرا بندہ ہزار مشورے دیتا رہے جب تک اپنے دل میں اللہ کیساتھ یقین راسخ نہ ہو جائے تب تک عملی زندگی میں انقلاب نہیں آتا۔ تو اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ ہمارے دلوں میں یہ یقین راسخ فرمائے آمین۔

☆ ☆ ☆

معاملات

سبق نمبر ۲۶: سورۃ النحل

آیات ۵۸ تا ۵۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا

اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی (پیدا ہونے) کی خوشخبری ملتی ہے تو اس کا چہرہ (افسوس کی وجہ سے) کالا پڑ

وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝۵۸ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ

جاتا ہے اور وہ دکھ سے بھر جاتا ہے۔ (اور) اس خوشخبری کی برائی سے جو اسے دی گئی لوگوں سے چھپتا

بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ

پھرتا ہے (سوچتا ہے) کہ ذلت برداشت کر کے اس (بیٹی) کو زندہ رہنے دے یا اسے زمین میں گاڑ دے۔

اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۵۹

خوب جان لو! ان کی یہ تجویز بہت بری ہے۔

دنیا میں انسانی مزاج عجیب ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ بیٹے کاروبار کرتے ہیں، ملازمت کرتے ہیں، دولت کمانے کا سبب بنتے ہیں اور بیٹیاں عموماً والدین کو پالنا پوسنا پڑتی ہیں۔ اخراجات کرنے پڑتے ہیں پھر ان کی شادی ہو جاتی ہے وہ اپنے گھر کی ہو جاتی ہے اور والدین کیساتھ مالی معاملات میں جائیداد و وراثت کے معاملے میں وہ لوٹانے کے قابل کچھ نہیں ہوتیں اس لیے بیٹی کی خبر سن کر لوگ برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوتے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ بڑی بدنصیبی ہے کہ میری بیٹیاں ہی بیٹیاں ہیں اس لیے نہیں کہ اگر بیٹے ہوتے تو میدان جہاد میں شہید ہوتے تو بیٹیاں کیوں ہیں ہوتا یہ ہے کہ ہر بندہ یہ سمجھتا ہے کہ بیٹے ہوتے تو مالی منفعت کا سبب بنتے۔ بیٹیاں تو مجھ پر بوجھ ہیں۔ ان کی روزی ان کا کھانا پینا ان کا سامان اور ان کی شادی کے اخراجات یہ سارے میرے ذمہ پڑ گئے اور ساری عمر صرف دینا ہی دینا ہے۔ کوئی وصولی کی صورت نہیں اور بڑی عجیب بات یہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت مشرکین عرب بہت سے تصورات باطلہ کے ساتھ یہ بھی تصور رکھتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں تو ان کی اس بات کو رد کر دیا گیا۔ کہ یہ ایسے عجیب لوگ ہیں کہ اپنے لیے تو دعا کرتے ہیں کسی بت کے سامنے یا

کسی کاہن کے پاس جا کر کہ بیٹا نصیب ہو اور اللہ کے لیے شرک کا بھی راستہ اختیار کیا اور بیٹیاں تجویز کیں فرمایا ان کا انصاف دیکھئے کہ خود جس چیز کو پسند نہیں کرتے وہ اللہ کے لیے تجویز کرتے ہیں حالانکہ اللہ تو پاک ہے بیٹوں سے بھی بیٹیوں سے بھی۔ وہ واحد لاشریک ہے۔ اب ان کا اپنا حال یہ کہ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ اگر ان میں سے کسی کو یہ خبر ملے کہ اس کی بیٹی پیدا ہوئی تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ دکھ سے مشکیزے کی طرح بھر جاتا ہے یعنی ان کے اندر اتنا غیض وغضب پیدا ہوتا ہے اور پھر لوگوں کے سامنے آنے سے گھبراتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے کہ ان کی بیٹی ہوئی ہے اور اس حد تک سوچتے ہیں کہ یہ شرمناک بات میں برداشت کر جاؤں یا اس مٹی میں گاڑ دوں بیٹیوں کو۔ زندہ دفن کر دیتے تھے اور اسکی وجہ یہی تھی کہ یہ ہمارے لیے محض بوجھ ہیں۔ ان سے ہمیں کسی چیز کے لوٹائے جانے کی کسی مالی منفعت کی کسی قوت بازو کی اور کسی فائدے کی کوئی اُمید نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ " اَلَاسَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ" کتنا برا فیصلہ ہے جو انہوں نے کر دیا۔

اسلام نے اس سارے عقیدے کو باطل قرار دیا اور فرمایا کہ بیٹی دینا یا بیٹا دینا یا کسی کو اولاد نہ دینا یا کسی کو اولاد نہ دینا یہ اس کا اپنا کام ہے مخلوق کو پیدا کرنا، کتنے بندے پیدا کرنے ہیں، کس کو کیسی صحت دینی ہے، کسی کو کتنا رزق دینا ہے، کس کے لیے کب موت مقدر ہے یہ اس کا اپنا ایک نظام ہے۔ والدین کا چونکہ وہ جزو بدن ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے شفقت پدری، شفقت مادری والدین کو ودیعت کر دی ہے اس لیے کہ وہ بچے کی تربیت اور پرورش کے لیے ضروری ہے یہ صرف انسان میں نہیں جانوروں میں پائی جاتی ہے اور رب العالمین نے نسل کو قائم رکھنے کا سبب بنا دیا ہے اب وہ فطری الفت اس کے چھن جانے پر آدمی کو دکھ میں مبتلا کرتی ہے یہ اس کی فطرت ہے وہ اسے روک نہیں سکتا نہ ہونے پر اس کا دل چاہتا ہے کہ میری اولاد ہو۔ اب خواہش کی حد تک تو ٹھیک ہے لیکن اسے اتنا بڑا مسئلہ بنا لینا کہ اسی بات پر بعض خواتین کو طلاق دے دی جاتی ہے کہ اس کی اولاد نہیں اس میں خاتون کا کیا قصور ہے یا یہ کہ اس کی بیٹیاں ہی بیٹیاں ہیں یہ ہمارے لیے منحوس ثابت ہوئی یا بیٹیاں پیدا ہونے پر ایک افسوس ناک صورت حال پیدا ہو جاتی ہے یا پھر جو مسائل معاشرے میں ہم نے پیدا کر دیئے ہیں بیٹی کے ساتھ اتنا جہیز ہونا چاہیے اور بیٹیوں والے اس بات پر خوش ہیں کہ کسی کے گھر سے یہ دولت لائیگی جس کی یہ بیٹی ہے وہ مر رہا ہے کہ میں یہ سب کچھ کہاں سے پورا کروں گا تو یہ ساری باتیں اسلامی نقطہ نظر سے ایمان کے منافی ہیں بلکہ رسول کریم کا ارشاد ہے کہ جس کی بیٹیاں ہی ہیں اور وہ ان سے محبت کرتا ہے۔ ان کی تربیت کرتا ہے انہیں نیک بناتا ہے، پالتا پوستا ہے تو اس کی نجات کے لیے یا اس کی بے شمار خطاؤں کی معافی کے لیے اللہ کے نزدیک اس کا یہ عمل بہت ہی پسندیدہ ہے کہ اس نے اس کی مخلوق کی خدمت کی تربیت کی اور انہیں ان کی منزل تک پہنچایا۔ اسے نبی کریمؐ نے باپ کی نجات کا سبب قرار دیا ہے۔ کہ اس نے اتنا مجاہدہ کیا اور خوشی خوشی اللہ کی اس دی ہوئی امانت کی تربیت کی۔

پچھلے دنوں مجھے ایک خط آیا کہ شادی کو بارہ سال ہو گئے اور جو کچھ پونجی سرمایہ زمین جائیداد تھی وہ ہم علاج پر لٹا

چکے ابھی تک کوئی اولاد نہیں۔ ہم بڑے پریشان ہیں اب اولاد کی تمنا کرنا تو عین فطری بات ہے لیکن یہ تمنا تو نہیں ہے یہ نظام ربوبیت میں کھلم کھلا مداخلت ہے کہ ضرور ہی بچہ پیدا ہو گا تب دم لیں گے ورنہ ہم نہیں مانیں گے۔ اتنا شدید ہو جانا اور اپنے لیے مسئلہ بنا لینا اسی پر اپنا سرمایہ، اپنی ساری جانیداد بیچ کر لگا دینا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ شدید ہو جانا اور اپنے لیے مسئلہ بنا لینا اسی پر اپنا سرمایہ اپنی ساری جانیداد بیچ کر لگا دینا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس بندے کو اللہ کی ربوبیت کے ساتھ کوئی یقین بھی ہے اسے یہ بھی اعتماد ہے کہ میری ضد سے پیدا نہیں کرے گا۔ بندے وہ اپنی پسند سے پیدا کرتا ہے اور وہ نظام بندے پیدا کرنے سے پہلے اس نے طے کر دیا ہے بلکہ اہل علم کے نزدیک دعا کے نتیجے میں اگر کسی کو اولاد ملتی ہے یہ بھی ازل سے طے شدہ تھا اللہ کے علم میں تھا کہ فلاں دعا مانگے گا تو اس کی دعا کے صدقے اس کو اولاد دے دوں گا اس کے اسباب بھی رب کریم پیدا فرما دیتا ہے تو اولاد کے ضمن میں یہ اتنی دکھتی رگیں ہیں جن پر قرآن کریم ہاتھ رکھتا ہے اور ایسی کمزوریاں ہیں جو ہم اپنے اسلام کے ساتھ چھپائے چھپائے پھرتے ہیں تو اللہ کے نظام ربوبیت کے ساتھ جو یقین ہے اصل یہ ایمان ہے جنہیں ایمان نصیب نہیں ہے جنہوں نے مذاہب باطلہ جوڑ رکھے ہیں وہ بھی آخر میں کسی بہت بڑی طاقت کو مانتے ہیں مشرکین عرب بھی اللہ کا نام لیتے تھے لیکن جب بات ربوبیت پہ آتی تو پھر ان کے پاؤں پھسل جاتے کہ صرف ایک ہی ہستی سب کو رزق بھی دے ایک ہی ہستی پیدا کرنے والی بھی ہے ایک ہی ہستی صحت و بیماری بھی دے اتنے سارے کام یقیناً کوئی اور بھی کرتے ہوں گے تو عظمت باری پہ اعتماد کی جو بہت کڑی منزل ہے وہ یہ ہے کہ اس کی ربوبیت پہ اس کے خالق حقیقی ہونے پہ۔ اس کے مالک حقیقی ہونے پہ، اس کے رزاق ہونے پہ بھی یقین رکھا جائے اور جس حال میں وہ رکھنا چاہے راضی رہے اولاد ہے یہ اس کا احسان ہے اگر نہیں دیتا تو وہ ہم سے یقیناً بہتر جانتا ہے یقیناً ہماری ہی بہتری ہو گی۔

☆ ☆ ☆

معاملات

سبق نمبر ۲۷: سورۃ المائدہ

آیت ۹۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

اِنَّمَا یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّوۡقِعَ بَیۡنَکُمُ الۡعَدَاوَۃَ

بے شک شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے

وَ الۡبَغۡضَآءَ فِی الۡخَمۡرِ وَ الۡمَیۡسِرِ وَ یَصُدَّکُمۡ عَنۡ

تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کر دے اور تم کو اللہ کے ذکر سے

ذِکۡرِ اللّٰہِ وَ عَنِ الصَّلٰوۃِ ۚ فَہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَہُوۡنَ ﴿۹۱﴾

اور نماز سے روک دے تو کیا تم اب بھی باز (نہیں) آؤ گے۔

دو چیزیں ہیں۔ ایک وہ جو حرام ہیں لیکن انسان انہیں عیش پرستی کے لیے پسند کرتے ہیں جیسے شراب دوسرے وہ کام جو انسان کو مالی نفع پہنچانے کے سبب بنتے ہیں لیکن شریعت نے حرام کر دیئے ہیں جیسے جوا۔ جب اس میں ایک انسان کا نقصان ہے تو دوسرے کا نفع بھی تو ہے یا شراب پینے والا اگر چند لمحے اپنے دکھوں کو فراموش کر دیتا ہے تو اسلام کو اس سے کیا تکلیف ہے اسلام کا اس نے کونسا ستون گرا دیا کہ اسے حرام کر دیا گیا ایک آدمی شراب پیتا ہے اپنے کمرے میں بند پڑا ہے تو اسلام کو چاہیے تھا کہ شراب پی کر غل غپاڑہ مچانا حرام قرار دیتا۔ شراب پی کر گالی گلوچ کرنا حرام قرار دیتا یا شراب پی کر کسی کا نقصان کرتا۔ پی کر ایک آدمی کمرے میں پڑا ہے اسلام نے اسے بھی حرام قرار دے دیا تو یہ کیا بات ہوئی یا جوا کھیلتے ہیں تو لوگ اپنی پسند سے دو دو چار چار دس دس روپے لگاتے ہیں۔ ایک کو پچاس مل گئے دوسرے اپنے دو دو چھوڑ کر چلے گئے اسلام کا اس میں کیا ہوا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جہاں ناپسندیدہ ذرائع سے انسانی حقوق مجروح ہوتے ہیں وہاں شیطان سرگرم عمل ہو جاتا ہے اور ان ذرائع سے انسانی معاشرے کی تباہی کے اسباب پیدا کرتا ہے۔

اِنَّمَا یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ بے شک شیطان یہ چاہتا ہے۔ اَنۡ یُّوۡقِعَ بَیۡنَکُمُ الۡعَدَاوَۃَ کہ تمہارے اندر دشمنی پیدا کرے۔ وَ الۡبَغۡضَآءَ ایک دوسرے کا بغض۔ رنجش۔ فِی الۡخَمۡرِ وَ الۡمَیۡسِرِ شراب اور جوئے کے ذریعہ کہ تم شراب پی کر حواس کھو

بیٹھو کسی کو گالی دو۔ کسی کا نقصان کرو۔ کہیں کام کرتے ہو وہ کام پورا نہ کرو۔ کرنے کو اور کہا جائے تم اور کر بیٹھو۔ اگلے کو دکھ ہوگا اس دکھی طبیعت سے جو تم نے نقصان کیا اس کا مداوا تو شاید ہو جائے اس کے دل میں جو تمہارے خلاف نفرت پیدا ہوئی اس کا مداوا نہیں ہو سکے گا۔ شیطان اس نفرت کو بھڑکائے گا۔ اس طرح جوئے میں مذاق میں دس آدمیوں نے دس دس روپے لگائے تھے تو ایک نے 100 جیت لیا اور نو تھے وہ چھوڑ کر چلے گئے لیکن وہ چھوڑ کر نہیں گئے اندر سے وہ دکھ لے کر گئے ہیں۔ وہ خوش نہیں گئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ دس روپے کھو کر خوش ہیں چونکہ ان میں سے ہر ایک نے دس دس روپے کچھ لینے کے لیے لگائے تھے یعنی انہوں نے خرچ تو دس کیے ہیں لیکن انہیں دکھ سو کے جانے کا ہے تو اس دکھ کو مزید شیطان ہوا دے گا اور انسانی معاشرے میں تباہی پیدا ہوگی۔ اسلام نے ان سوراخوں کو جن سے انسانیت کو ڈسنے کے لیے سانپوں کے نکلنے کا اندیشہ ہو جس کردار سے انسانی امن کی تباہی کا اندیشہ ہو جن اشیاء کے کھانے سے انسانی صحت کے نقصان کا اندیشہ ہو اس طرح کے سارے دروازے بند کئے ہیں اور جس چیز کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اسکا حرام قرار دیا جانا ہی انسانی بہتری کے لیے ضروری تھا۔ اگر اس میں انسانی منفعت ہوتی تو اس کریم نے نعمتیں انسان کو دی ہیں کہ جو گنی نہیں جا سکتی تو ان چند اشیاء پر جب اس نے پیدا فرما دیں تو قدغن کیوں لگاتا۔

اب یہ سوال کہ حرام پیدا ہی نہ کرتا اس مصلحت کو ہم نہیں سمجھ سکتے اس لیے کہ کتنے حرام یا موذی جانور جن کو ہم پہلے مارا کرتے تھے اب ہماری سائنس کہتی ہے کہ انہیں نہ مارا جائے کہ یہ دوسری طرف بہت فائدہ دیتے ہیں۔ فلاں پرندے کو مت مارو کہ یہ وہ سنڈیاں کھا جاتا ہے۔ جو کپاس کی فصل کو خراب کرتی ہیں اب وہ پرندہ پہلے مارا جاتا تھا اس طرح کے بے شمار خبریں غیر شعوری طور پر یا فطری طور پر ہمارے علم میں آئے بغیر نظام کائنات کو چلانے کے لیے اپنا اپنا کام کر رہی ہیں۔ ہم کہتے ہیں ان گدوں کو مارو لیکن دنیا کی ساری غلاظت کو صاف کر جاتی ہیں۔ جغرافیہ والے پروگرام دکھا رہے تھے کہ یہ غلیظ ترین جانور ہے اور سب سے بری عادات والا جانور ہے حتیٰ کہ جو شکار اسے ایک دفعہ مل جائے اس سے جو بچ جائے اس پر لیٹتا ہے کہ اس کی اپنی ناقابل برداشت بدبو گوشت کو چھو جائے تو اور کوئی نہ کھا سکے اس کے ہی کام آئے۔ یہ سب دکھانے کے بعد آخری جملہ یہ کہتے ہیں کہ بلاتنخواہ پورے جنگل کا سوپر بھی ہے یعنی اسے ان برائیوں کی بنا پر مار نہ دیا جائے یہ کسی سے تنخواہ نہیں لیتا لیکن سارے ویرانے کی صفائی یہی کرتا ہے جہاں کوئی انتہائی گلا سڑا لاشہ بھی پڑا ہوتی کہ اسے گدھ بھی ملے یہ اس کو بھی کھا جاتا ہے تو جہاں تک تخلیق باری کا تعلق ہے یہ وہی سمجھتا ہے کہ کس چیز کے پیدا کرنے سے نظام کائنات میں کیا کام لینا ہے ایک کیڑے سے لے کر ایک پہاڑ تک ہر چیز اپنے اپنے کام پر ہے موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں ملتا ہے کہ آپ آرام فرما رہے تھے کہ آپ نے دیکھا چھپکلیاں چھت پر ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہی ہیں یا لڑ رہی ہیں چھپکلی اگر کھانے میں گر جائے تو اسے زہر آلود کر دیتی ہے آدمی دیکھے تو کراہت پیدا ہوتی ہے تو انہوں نے کہا کہ بارالہا تو بھی بے نیاز ہے اب گھروں

میں یہ چھپکلی نہ ہوتی تو فرق کیا پڑتا اس سے کون سے چراغ روشن ہیں کہ اسے بنا کر تو نے چھت سے لٹکا دیا۔ تو اسی روایت میں ہے کہ موسیٰ چھپکلی کی طرف بھی ذرا توجہ کرو۔ اپنی بات تو آپ نے کہہ لی دیکھو وہ کیا کہہ رہی ہے۔ تو جب متوجہ ہوئے تو اللہ نے اس کی بات سنوادی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ بارالہا کوئی تجھے مانتا نہ مانتا تیرا کیا بگڑ جاتا تھا لوگ آرام سے بیٹھے تھے یہ موسیٰ نہ آتا یہ لڑائی نہ پڑتی تو ایک بندہ پیدا کر کے سب کو لڑا بھڑا دیا۔ یہ اگر نہ آتا لوگ بتوں کو پوجتے تھے تو تیرا کیا بگڑ رہا تھا پوجتے رہتے خود جہنم میں جاتے۔ یہ سن کر ہکا بکا رہ گئے کہنے لگے بارالہا یہ تو مجھ سے اپنے آپ کو ضروری سمجھتی ہے کہ میں تو ٹھیک ہوں یہ خواہ مخواہ آ گیا۔ اس لیے اس کی تخلیق کا مقصد تو خود ہی بہتر جانتا ہے ان چیزوں کو کیوں پیدا کیا ان سے کتنے کام کتنی خدمت لینی ہے یہ تو ہی بہتر جانتا ہے۔

آپ دیکھیں کہ ایک حلال جانور ہے اس کا ہم دودھ پیتے ہیں وہ جب مر جاتا ہے اور ذبح نہیں ہوتا تو وہ حلال بھی اس وقت حرام ہو گیا۔ یعنی اس کے ذبح نہ ہونے سے اس میں خرابیاں آ گئیں کہ ہمارے لیے مضر ہو گیا حالانکہ وہ ایک وقت میں ہمارے لیے مفید تھا۔ اسی طرح حرام جانور اور ناپسندیدہ چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں وہ ایک وقت میں ہماری خدمت کر رہی ہیں انسانیت کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ کارگاہِ حیات میں کوئی نہ کوئی خدمت ضرور ادا کرتی ہیں۔ ہم انہیں اللہ کی اجازت کے بغیر براہ راست استعمال کریں تو ہمارے لیے مضر ہیں اس لیے اللہ نے ہمیں منع کر دیا۔

اسی طرح کسی بھی ناجائز ذریعے سے روزی حاصل کرنا انسانی معاشرے کی تباہی کا سبب ہے۔ یاد رکھیں کہ صرف جوا حرام نہیں ہے بلکہ ہر غیر معروف ذریعے سے روزی حاصل کرنا جوئے کے حکم میں آتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اتنی تسبیحات پڑھتا ہوں تو مصلے کے نیچے سے دس روپے نکلتے ہیں وہ بھی حرام ہیں۔ غیر معروف ذریعے سے روزی حاصل کرنا حرام ہے اور معروف ذرائع میں تجارت، زراعت، مزدوری یا ملازمت ہے کوئی پانچواں ذریعہ نہیں ہے ان کے علاوہ جو ذریعہ رزق کا ہوگا وہ حرام ہے اس لیے کہ اس غیر معروف ذریعے میں یقیناً کسی کا حق مارا جاتا ہے۔ اب مصلے کے نیچے کوئی نوٹوں کی مشین اللہ نے نہیں لگائی شیطانی عملیات ہیں اور شیطان نے یہ طریقے ایجاد کئے ہیں۔ غلط قسم کا وظیفہ پڑھا ہے وہ کسی دوسرے کے گھر سے دس روپے نکلوا کر اس کے مصلے کے نیچے رکھ دیتا ہے چوری خود نہ کی شیطان سے کروالی وہ حلال نہیں ہو جائے گی ہم گولی مار کر ایک بندے کو قتل کرتے ہیں تو وہ جرم ہے۔ اگر ہم کوئی ایسا چاقو بنا لیں کہ اگلا مر جائے تو اللہ کے نزدیک اتنا ہی جرم ہے جتنا گولی مار کر قتل کرنے میں ہے۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ گولی مارنے سے دنیا کی حکومت پکڑ لے گی چاقو کا نٹے سے سارا وبال تم میں اور آخرت میں ملے گا۔ تو اس طرح کے وظائف اختیار کرنا کہ ان سے خواہ مخواہ دوسرے کا رزق میرے پاس آ جائے یا دوسرے کو نقصان پہنچے یا کوئی بندہ مر جائے یہ سارے ناپسندیدہ، بعض حرام، بعض میں شرک ہے۔ یہ سارے جوئے ہی ہیں ناجائز طریقے یا نامناسب ذریعے سے دوسرے کا حق لے لیا جائے۔

اسی طرح شراب میں بھی دوسرے کے حقوق کا ضیاع زیادہ ہے اور خود انسان اپنے وجود کے حق سے بھی غافل ہو جاتا ہے، اپنی آبرو سے غافل ہو جاتا ہے، اپنی نیکی، بدی، گری عمر دی، اچھے، برے سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ ایسی ہیں کہ شیطان ان کو استعمال کر کے انسانی معاشرے میں دشمنی، عداوت اور ایک دوسرے کے خلاف نفرت پیدا کرتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ناجائز ذرائع سے دولت حاصل کرنے والے یا ان چیزوں کو جو شرعاً حرام ہیں استعمال کرنے والوں کو اللہ کا ذکر نصیب نہیں ہوتا یعنی حرام اور اللہ کا نور یک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، حرام ظلمت ہوتی ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد سے شکایت کی کہ مجھے بات یاد نہیں رہتی انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کی نافرمانی سے بچو۔ میں نے بات سبق کی کہ حضرت میرا حافظہ ٹھیک نہیں ہے۔ میرے دماغ میں کچھ کمزوری آگئی ہے جو آپ سے سبق لیتا ہوں وہ یاد نہیں رہتا انہوں نے مجھے کہا کہ بھائی اللہ کا حکم مانا کرو اور گناہ نہ کیا کرو اور نافرمانی چھوڑ دو نماز میں سستی نہ کرو وضو باقاعدہ کرو۔ اس طرح کی چھوٹی چھوٹی جو خطائیں ہیں وہ نہ کیا کرو تو میں حیران رہ گیا کہ میں نے پوچھا کیا ہے اور یہ کیا فرماتے ہیں تو انہوں نے مزید کہا کہ دین کا علم اللہ کا نور ہوتا ہے اور اللہ کا نور اور خطائیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں یعنی اگر دین کو یاد رکھنا چاہتے ہو تو دیندار ہو جاؤ۔ بے دینی میں دین یاد نہیں ہوگا۔ یہاں یہی وجہ اللہ نے ارشاد فرمائی کہ جو چیزیں حرام ہیں یا جو ذرائع ممنوع ہیں ان کو اختیار کرنے سے ایک تو یہ ہوگا کہ شیطان کو تمہارے دل میں پیر جمانے کی جگہ مل جائے گی اور مزید نفرت اور دشمنی اور بغض پیدا کرے گا۔ دوسرا یہ ہوگا کہ وہ تمہیں اللہ کے ذکر سے روک دے گا۔ اللہ کی عبادت سے روک دے گا نماز سے روک دے گا۔ تم سے اللہ کا ذکر چھوٹ جائے گا۔ تم سے نماز چھوٹ جائے گی اور قرآن کریم حیرت سے پوچھتا ہے فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ تو کیا تم چھوڑ دو گے یعنی کہ مسلمان بھی ہو اور ذکر چھوڑ دے اور اللہ کی عبادت چھوڑ دے یہ کیسے ممکن ہے۔

تو کیا ہم یہ دیکھتے نہیں کہ ہماری اکثریت واقعی چھوڑ چکی ہے کتنی حیرت کی بات ہے کہ مسلمان ہو اللہ کا دروازہ اس کے سجدہ سے خالی ہو کتنی حیرت کی بات ہے کہ مسلمان ہو اور اس کا دل اللہ کی یاد سے آباد نہ ہو تو قرآن اس پہ حیرت اختیار کرتا ہے فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ تو کیا مسلمانو! تم یہ دو نعمتیں چھوڑ دو گے اللہ کی یاد بھی، اللہ کی عبادت بھی یعنی مسلمانوں کا اور یاد الٰہی کا الگ الگ تصور کوئی قرآن میں نہیں ہے شیطان تو تم پر اتابڑ وار کرنا چاہتا ہے۔ کہ جوئے اور شراب سے حرام غذا سے اور حرام ذرائع آمدن سے وہ تم سے یہ نعمتیں چھیننا چاہتا ہے تو قرآن کے نزدیک کوئی ایسا تصور نہیں ہے کہ مسلمان ایمان کی حالت میں اتنی بڑی دولت سے محروم ہو جائے، اللہ کریم ہمیں یہ دولتیں ہمیشہ نصیب رکھیں، ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائیں۔ ہمیں قرآن حکیم سمجھنے کی اور دین سمجھنے کی اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

☆ ☆ ☆

اخلاقیات

سبق نمبر ۲۸: سورۃ ہود

آیت ۱۱۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَاصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۱۵﴾

اور صبر کیا کیجئے پس بے شک اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔

اس آیت کریمہ میں زندگی کا ایک بنیادی طریقہ ارشاد فرمادیا گیا ہے وَ اصۡبِرۡ اپنے آپ کو تھام کر رکھو ہر بات پر سیخ پا ہونا شروع نہ کردو چھوٹی چھوٹی باتوں کا شدید ردعمل نہ دو معمولی سی بات کو بڑھا کر فساد تک نہ لے جاؤ بلکہ وَ اصۡبِرۡ یعنی اپنے آپ کو تھام کر اور یہ یاد رکھو کہ تم اپنی مرضی کے لوگ نہیں ہو جو تمہارے جی میں آئے کر گزرو۔ اگر کسی معاملہ میں دوسرا کوئی ناگوار بات بھی کرتا ہے اور اخلاق کو ہاتھ سے چھوڑ بھی رہا ہے تو ایک حد تک ضرور برداشت کرو کہ اس لیے اگر تمہارے برداشت کرنے سے کسی بڑے فساد سے بچا جاسکتا ہے تو ایک فرد کو بھلا برا کہہ دینے سے کسی کو کوئی انعام نہیں مل جائیگا یا اس کی کوئی بڑی بات نہیں بن جائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ اللہ کریم کا حکم ہے جس کے اللہ۔ جس کے خالق۔ جس کے رازق اور جس کے مالک ہونے کا آپ نے اقرار کرلیا تو اقرار کرنے کے بعد آپ کے پاس اپنی پسند نہ رہی۔ اللہ کریم حکم دے رہے ہیں کہ اخلاقیات میں سب سے پہلے اگر تمہارا پالا کسی بااخلاق بندے سے پڑتا ہے اور آپ بھی اس سے اخلاق سے پیش آتے ہیں تو یہ ایک فطری عمل ہے آپ نے کوئی بڑا کام نہیں کیا ایک آدمی نے آپ کو جناب کر کے بات کی اور آپ نے اسے بھائی جان کہہ کر بات کرلی یہ تو ایک فطری طرز عمل ہے پتہ تو اس وقت چلے گا جب دوسرا اخلاق سے عاری ہے وہ بدتمیزی سے بات کر رہا ہے۔ یا وہ معاملہ سلجھانے کی بجائے الجھا رہا ہے آپ اس وقت کیا کرتے ہیں فرمایا وَ اصۡبِرۡ صبر کیجئے جب دوسرے کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے صبر کرنے کا حکم ہے تو بلاوجہ کسی کو بھڑکانے کے لیے گالی دینا یا کسی کو بھڑکانے کے لیے بداخلاقی کرنے یا بدزبانی کرنے کی گنجائش ہی نہ رہی۔

نبی کریم ؐ نے فرمایا کہ بڑا ہی بدبخت ہے وہ جو اپنے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے تو عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا بدنصیب کون ہوگا کہ اپنے ماں باپ کو گالیاں دے فرمایا وہ جو کسی کے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے اور جواب میں اس

کے ماں باپ کو گالیاں پڑتی ہیں۔ جب وہ بداخلاقی کسی کے ساتھ کرتا ہے وہ کسی کے والدین کو بھلا برا کہتا ہے یا کسی کو گالی دیتا ہے تو جواب میں جو اس کے والدین کو پڑیں گی۔ اس کا سبب وہ خود ہے یعنی وہ خود ایسا بد بخت ہے کہ اس نے اپنے والدین کی لیے ایسا ماحول پیدا کر دیا کہ انہیں گالیاں پڑیں۔

تو اخلاقیات میں سب سے پہلا سبق جو اس کورس میں منتخب کیا گیا وہ یہ آیہ کریمہ ہے کہ اخلاقیات کی بنیاد تو قوت برداشت پر ہے کہ آدمی صبر سے کام لے اپنے آپ کو تھام کر رکھے اور برداشت سے کام لینا محض اس فساد کو ٹلنے کا سبب ہی نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کے حکم سے آپ برداشت کریں گے تو اللہ احسان کرنے والوں یا خلوص سے اطاعت کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کسی شخص نے بھلا برا کہنا شروع کر دیا تو بڑی حد تک آپؓ نے اسے برداشت فرمایا پھر اسے جواب بھی دیا۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ جب تک تم خاموش تھے تمہاری طرف سے ایک فرشتہ اسے جواب دے رہا تھا اور فرشتے کا کہنا اللہ کی طرف سے اس پر وارد ہو رہا تھا لیکن جب آپؓ نے خود جواب دینا شروع کیا تو وہ چھوڑ کر چلا گیا کہ اب تو نے معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا لہذا خود کرو۔ چونکہ برداشت کرنا اللہ کے حکم سے ہے تو فرمایا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ خلوص سے اس کی اطاعت کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتے تو یہ نہ صرف دنیاوی فساد سے بچت ہوگی بلکہ آخرت کی تعمیر اور اللہ کے نزدیک اجر و ثواب بھی ہوگا۔ اللہ کریم ہمیں اخلاق حسنہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆ ☆ ☆

اخلاقیات

سبق نمبر ۲۹: سورۃ یوسف

آیت ۵۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَ مَاۤ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ

اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتی بے شک نفس تو (انسان کو) برائی ہی سکھاتا ہے

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾

مگر جس پر میرا پروردگار رحم فرمائے۔ بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔

عجیب بات ہے کہ بیشتر تفاسیر اور تراجم یہ اقوال حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ پھر اس کی مختلف تعبیریں اور تاویلیں زیر بحث لائی جاتی ہیں۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے سفر حج کے دوران مکہ مکرمہ میں رہ کر تین ماہ میں سورۃ یوسف کی تفسیر لکھی جو دستیاب ہے۔ انہوں نے باقی مفسر سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ قول زلیخا کا ہے یوسف علیہ السلام کا نہیں اور کسی بھی نبی کے نفس کو نفس امارہ کہنا یا لکھنا عقل میں آنے والی بات نہیں ہے کیونکہ نبی کا نفس امارہ نہیں ہوتا۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر پیدا ہونے والے کے ساتھ ایک شیطان بھی پیدا ہوتا ہے یعنی اتنی کچھ اولاد شیطان کی ہے کہ ہر بندے کے ساتھ ایک شیطان موجود ہے کسی نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کے ساتھ بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی فرق یہ ہے کہ میرے ساتھ والا مسلمان ہو گیا ہے یعنی انبیاء کی برکات کا اندازہ اس سے کیجئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو شیطان تھا وہ بھی مسلمان ہو گیا چہ جائیکہ خود نبی کے اپنے نفس کو نفس امارہ کہا جائے یہ روایتی میں کسی ایک مفسر نے لکھ دیا اور بعد والے سارے حضرات اس کو دیکھ کر لکھتے چلے گئے یہاں بات بڑی واضح ہے۔

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا یا نہیں دیتی“ مذکر یا مونث وَ مَاۤ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ہی آئے گا۔ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ بیشک نفس برائی ہی کا حکم دیا کرتا ہے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ سوائے اس کے کہ کسی پر اللہ رحم کر دے۔ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ بیشک میرا رب بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اب یہ جو اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ہے یہ انبیاء کے

لیے نہیں ہے وہ تو پہلے ہی سراپا رحمت ہوتے ہیں یہ غیر نبی کیلیے ہی ہوگا دوسری بات یہ ہے کہ جب بادشاہ کو خواب کی تعبیر کی ضرورت پیش آئی تو یوسف علیہ السلام جیل میں تھے۔ وہ شخص جو کسی زمانے میں جیل میں تھا۔ اس نے یوسف علیہ السلام سے تعبیر لی تھی اسے خیال آیا کہ جیل میں ایک ایسا بندہ ہے جو خواب کی بہت اچھی تعبیر دیتا ہے وہ بادشاہ کا خواب لیکر جیل میں گیا۔ قرآن میں پیچھے یہ سارا واقعہ اسی طرح آرہا ہے۔ جب جیل میں گیا تو یوسف علیہ اسلام نے اسے بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتائی جس وہ واپس آکر سورت کے پہلے رکوع بارھویں پارے کے آخر میں ہے۔ وہ تعبیر لیکر جب بادشاہ کے پاس پلٹا۔ اور بادشاہ کو وہ تعبیر سنائی تو بادشاہ نے کہا وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ کہ اس بندے کو یہاں لے آؤ چنانچہ وہ پھر واپس گیا۔ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ جب وہ واپس یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ انہوں نے فرمایا کہ مجھے ساتھ لے جانے کے بجائے تو خود واپس جا۔ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ اور اسے کہہ کر وہ یہ تحقیق تو کرے کہ ان عورتوں کا کیا بنا کہ جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے یعنی جس جرم کی پاداش میں مجھے جیل میں ڈالا گیا اس کی شہادت تو اتنی واضح تھی اور وہاں اتنی خواتین موجود تھیں جن کے اپنے ہاتھ کٹ گئے تو ان سے اصل واقعہ کی تحقیق کی جائے کہ اصل واقعہ کیا تھا، کس کا تھا، سزا کس کو ملی اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ○ (یوسف:50) بے شک میرا رب ان کے مکر سے خوب واقف ہے۔

چنانچہ بادشاہ نے ان سب امراء کی بیگمات کو دربار میں طلب کرلیا اور پوچھا مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ تم نے یوسف کو جب اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا تو وہ کیا واقعہ تھا بتاؤ۔ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ (یوسف:51) تو سب نے کہا اللہ کی پناہ اب یہ حَاشَ لِلّٰهِ وہی عورتیں کہہ رہی ہیں جو امراء مصر کی ہیں اس کا مطلب ہے کہ ان کے پاس اللہ کا کوئی تصور موجود تھا فرشتوں کا تصور موجود تھا۔ پہلے جب انہوں نے ہاتھ کاٹے اس وقت بھی انہوں نے کہا تھا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ ○ (یوسف:31) یہ اولاد آدم سے نہیں یہ تو کوئی فرشتہ نظر آتا ہے یہاں بھی وہ کہہ رہی ہے حَاشَ لِلّٰهِ کہ اللہ کی پناہ اللہ جانتا ہے۔ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ہم نے اس میں کوئی قصور نہیں دیکھا۔ اب یہاں تک باقی عورتوں نے بات کی اس سے آگے عزیز مصر کی بیوی نے خود بات سنبھال لی۔ قرآن نے نام نہیں لکھا بعض مفسرین زلیخا نام لکھتے ہیں قرآن نے اسے عزیز کی بیوی لکھا ہے۔ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ عزیز کی بیوی کہنے لگی الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اب تو بات صاف ہوگئی کسی کی شہادتیں دینے اور اس لمبے جھمیلے میں پڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہے اصل واقعہ میں خود بتائی ہوں۔ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ میں اسے بہکانا چاہا تھا وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ بے شک وہ بندہ سچ کہتا ہے وہ سچا ہے وہ بے قصور ہے غلطی میری تھی قصور میرا تھا۔ پھر اس کے ساتھ کہتی ہے ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ (یوسف:52) اور یہ میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ اس وقت یوسف اور میں روبرو تھے۔ اب یوسف موجود نہیں ہے اور میں شاہی دربار میں بات کر رہی ہوں اس لیے کہ اسے پتہ چل جائے کہ میں نے پیٹھ کے پیچھے اس کے ساتھ بددیانتی نہیں کی

جس دربار میں یا جس تحقیق میں وہ موجود نہیں ہے وہاں میں نے جھوٹ نہیں بولا۔ اور یہ بھی پکی بات ہے اَنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ○ خیانت کرنے والوں کے مکر کا پول اللہ کھول دیتا ہے وہ دیر تک نہیں رہتا اس سے آگے یہ آیہ کریمہ ہے وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتی۔

اب یوسف علیہ السلام تو ہیں ہی جیل میں دربار میں موجود ہی نہیں ہیں بات دربار میں ہو رہی ہے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ بے شک نفس انسانی برائی کا حکم کرتا ہے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ سوائے ان لوگوں کے جن پر اللہ کی رحمت ہو اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ بے شک میرا رب بخشنے والا رحم کرنے والا ہے اس کے بعد بادشاہ کہہ رہا ہے وَ قَالَ الْمَلِکُ ائْتُوْنِیْ بِہٖٓ اب تو کم از کم یوسف کو لے ہی آؤ یہ وہی حکم ہے جو اس سے یوسف کو لانے کا اس نے پہلے دیا تھا یہ سارا کیس پراسس ہونے کے بعد پھر حکم دیا جا رہا ہے۔ کہ وَ قَالَ الْمَلِکُ ائْتُوْنِیْ بِہٖٓ اَسْتَخْلِصْہُ لِنَفْسِیْ اس لیے بندے کو تو لے آؤ میں تو اسے اپنے ساتھ رکھوں گا تب یوسف علیہ اسلام کو دربار میں لایا گیا فَلَمَّا کَلَّمَہٗ جب بادشاہ نے اس سے بات کی اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ تو کہا کہ تم ہمارے ساتھ رہو اور تمہاری عزت کی جائے گی اور تم بہت امین اور صاحب اعتبار ہو قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اگر آپ وزارت خزانہ دے دیں تو میں اس کی حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور میں اس فن کو بھی اللہ کے حکم سے جانتا ہوں۔ کہ کس طرح اس کا انتظام کیا جاتا ہے تو یہ اقوال درمیان میں یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کر دینے کا کوئی جواز بنتا ہی نہیں۔ نبیؑ کا نفس امارہ ہوتا ہی نہیں نفس امارہ اور نبوت دو چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ نبی سے اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے نبی سے غیر شعوری طور پر خطا کا ہونا ممکن ہے جس پر وہ قائم نہیں رہتا چونکہ معصوم ہوتا ہے اور من جانب اللہ فوراً اس خطا پہ نبی کو مطلع کر دیا جاتا ہے جس کا ازالہ ہو جاتا ہے نفس امارہ سے جو خطا کی جاتی ہے وہ مزاج میں جو نفس کی خرابی یا برائی ہوتی ہے اس سے عمداً بندہ جو برائی کرتا ہے اسے نفس امارہ کی برائی کہتے ہیں جو نبی کی شان کے ساتھ کبھی منطبق نہیں ہوتی اور یہ بڑا واضح اور بڑا صاف سا معاملہ ہے۔

تو نبی علیہ السلام کے لیے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ نہیں ہوتا بلکہ نبی پر اللہ کی رحمت دائمی ہوتی ہے نبوت اللہ کی طرف سے تخلیقی طور پر انبیاء کو عطا ہوتی ہے اور رحمت باری ہر آن ہر لحظہ ان کے ہمراہ رہتی ہے اور وہ ہمیشہ اللہ کی رحمت کے محیط رہتے رہیں جہاں رحمت نازل ہوتی ہے ان کی ذوات سے آگے تقسیم ہوتی ہے۔

تو یہ ایک اختلافی نقطہ نظر ہے ہمارے ہاں ایک بہت اچھی روایت ہے کہ جو کچھ بزرگوں نے لکھ دیا۔ اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ اس حد تک بھی نہیں کہ کہیں اگر کسی کو کوئی ٹھوکر لگ جائے تو ساری عمر اسی پر گزرتی چلی جائے یہ بھی صحیح نہیں ہے میں نے جس قدر تفاسیر دیکھی ہیں میری نظر میں قاضی صاحبؒ کی ایک تفسیر گزری ہے جس میں انہوں نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے ممکن ہے کسی اور میں بھی ہو میں نے کب ساری دیکھ لیں۔ قرآن حکیم کی تو کم بیش دو لاکھ تفاسیر طبع

ہو چکی ہیں کسی نے اتنی دیکھی ہوں گی کہ کسی کا نقطہ نظر کیا ہے۔ میری سمجھ کے مطابق جو کچھ اللہ کریم نے مجھے سمجھنے کی اہلیت بخشی ہے یہ زلیخا کا قول ہے۔

اور اخلاقیات میں اس کے لیے سبق یہ ہے کہ بندہ کتنا بھی پڑھ لکھ جائے یا عابد و زاہد ہو جائے، نیک ہو جائے، نمازی ہو جائے، ذکر اذکار کرنے لگ جائے اسے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ برائی کا عنصر اسکے وجود میں موجود ہے نفس انسانی اس کے اندر موجود ہے وہ اولاد آدم ہے اور اس میں خصوصیات بشری ہر لحظہ موجود ہیں۔ جس طرح برائی کرتے کرتے کوئی بندہ نیکی بھی کر جاتا ہے اسطرح نیکی اور عبادت کرتے کرتے اس سے بھی برائی صادر ہو سکتی ہے اسے خود کو فرشتہ نہیں سمجھ لینا چاہیے اور نہ کوئی بندہ فرشتہ بن سکتا ہے۔ جس طرح بعض لوگوں کا خیال یہ ہوتا ہے کہ دعا کریں ہم مشین کی طرح تہجد کے لیے اُٹھ جائیں یا نماز کے وقت ہم فٹافٹ نماز پڑھنے لگیں۔ ایسا نہیں ہوتا بندے کو ہر نماز کا اہتمام کرنا پڑتا ہے ہر تہجد کے لیے بیدار ہونا پڑتا ہے ہر عبادت کے لیے اسے کچھ کام چھوڑنے پڑتے ہیں۔ کہیں سے کوئی پریشر برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے ہر عبادت کا اجر ہے اگر وہ آٹو میٹک کر دی جائے تو بندہ اجر کس بات کا لے گا اس پر کوئی خارجی پریشر بھی نہیں ہے اس پر اپنے مزاج کا دباؤ بھی نہیں ہے اسے کسی نفع و نقصان کی فکر بھی نہیں ہے یہ عبادت تو فرشتہ کرتا ہے۔ کہ پیدا ہونے سے لیکر جب تک اللہ اسے قائم رکھے گا۔ جس کام پر اللہ نے لگا دیا ہے وہ کام کئے جا رہا ہے اور اسمیں کوتاہی نہیں کرتا جن کو ذکر اذکار پہ یا عبادات پہ لگا دیا ہے۔ کوئی سجدے میں، کوئی رکوع میں، کوئی ذکر میں، کوئی رزق کی تقسیم پر، کوئی سورج کے طلوع و غرب پر، کوئی بارش برسانے پر، کوئی ہوائیں چلانے پر لگا دیا ہے۔ تو ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر ساری زندگی اللہ کی اطاعت کر رہا ہے۔ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (الصفت: 164) وہ کہتے ہیں ہم میں سے ہر ایک کا ایک درجہ مقرر ہے وہیں اس نے رہنا ہے اسکی وہاں سے ترقی نہیں ہوگی۔ وہ مقام معلوم پر کیوں ہیں اس لیے کہ وہ عبادت ارادۃً نہیں کرتا مزاجاً کرتے ہیں ان کے مزاج میں وہ رکھ دی گئی ہے۔ نہ انہیں بھوک لگتی ہے، نہ نیند آتی ہے، نہ پیاس ستاتی ہے، نہ بیوی ہے، نہ بچے ہیں، نہ گھر کی فکر ہے، نہ مال مویشی ہیں، کچھ بھی نہیں ہے عبادت ہی عبادت اور تعمیل ارشاد ہے۔

اب بندے میں اللہ کریم نے شعور رکھا اپنی عظمت کو سمجھنے کی اہلیت و استعداد بخشی پھر اس کی فطرت میں دنیا کا لالچ اس کے وجود میں دنیا کی لذتوں کو چکھنے کا شعور اور نفس میں انہیں طلب کرنے کی پیاس رکھی اس کے سامنے اپنے ارشادات بتائے اب بندہ قربانی یہ کرتا ہے تو اس کا ہر سجدہ ترقی درجات کا سبب بن جاتا ہے۔ جہاں وہ سمجھتا ہے کہ جھوٹ بول کر دنیاوی دولت کمائی جا سکتی ہے وہاں اللہ سے ڈرتے ہوئے جھوٹ نہیں بولتا اور دنیاوی نقصان برداشت کر لیتا ہے اسے نیند ستا رہی ہوتی ہے۔ لیکن اذان کی آواز کان میں آتی ہے تو اُٹھ بیٹھتا ہے خواہ کتنی گہری نیند ہو تو پھر سونا اس کے لیے ممکن نہیں رہتا وہ اپنی نیند یا اسے مزاج کی خواہش قربان کر دیتا ہے اُٹھ کے تیاری کرتا ہے اور اللہ کے حضور حاضر ہو جاتا ہے۔ تو یہ جو اسے تکلف کرنا

پڑا جو خواہش نیند کی یا آرام کی چھوڑنا پڑی یا دولت کی خواہش یا دنیاوی لذت کی خواہش اس نے قربان کی۔ یہ چھوٹی چھوٹی قربانیاں اللہ کریم کو بڑی پسند ہیں ورنہ بندہ ہے کیا اس کی حیثیت کیا ہے یہی کہ اسے نیند آرہی ہے تو وہ سونے کی بجائے جب موذن کی آواز سنی تو عبادت کے لیے کمر بستہ ہو گیا تو بظاہر اللہ کی شان میں کوئی فرق نہیں پڑا لیکن اللہ کو یہ بات پسند آئی کہ میرے ایک بندے نے خواہ وہ کتنا کمزور۔ فقیر بھوکا اور کتنا بھی غیر معروف تھا لیکن اللہ تو اسے جانتا ہے اور ہر آدمی کی خواہشات اس کے اپنے لیے بڑی اہم ہوتی ہیں جس طرح کسی بادشاہ کیلیے اس کی خواہش بڑی اہم ہوتی ہے اسی طرح ایک گدا کے لیے اسکی اپنی خواہش کی اہمیت اتنی ہی ہوتی ہے تو وہ اپنی چھوٹی سی خواہش مثلاً نیند ہی کی اس نے چھوڑ دی اور اللہ کے حضور کھڑا ہو گیا تو اللہ کو یہ بات پسند آئی اللہ نے اس کے درجات بڑھا دیئے۔ اسے بھوک لگ رہی تھی یا پیاس لگ رہی تھی لیکن اس نے اللہ کی اطاعت میں رمضان کا روزہ شام تک پورا کیا پیاس برداشت کی بھوک برداشت کی جس سے اللہ کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ بندے کی طرف سے چھوٹی چھوٹی قربانیاں اس کے حضور پیش ہوتی رہیں اس تعلق کے اظہار کے لیے کہ اے اللہ میں اپنی خواہشات کو بھی اتنا عزیز نہیں رکھتا جتنا مجھے تیری رضا عزیز ہے اور اس بات کو اللہ کریم نے اپنی رحمت کا بہانہ بنا دیا۔ بہانا ہی تو ہے قیمت تو نہیں ہو سکتی فرمایا رحمت حق بہانہ می جوید یعنی رحمت الٰہی چھوٹے چھوٹے بہانے ڈھونڈتی ہے۔

تو کوئی بھی بندہ اپنے آپ کو فرشتہ یا مقدس تصور نہ کرلے ہر بندے سے غلطی کا امکان ہے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ نفس انسانی برائی کی خواہش کرتا ہے یہ دنیاوی لذت پہ مرتا ہے یہ دولت و اقتدار کی طرف آرام و آسائش کی طرف بندے کو کھینچتا ہے اگر وہ جائز ذرائع سے نہ مل سکے تو یہ ناجائز کی طرف بھی کھینچتا ہے کہ ایسا کر لینے میں کیا حرج ہے۔ آخر اتنا کچھ مل جائے۔ بچ صرف وہ سکتے ہیں اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ صرف وہ نفس صحیح رہتا ہے جس پر اللہ رحم فرمائے اور اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ O بے شک میرا رب معاف کرنے والا ہے ایسی بات نہیں ہے کہ کسی سے کوئی کوتاہی ہو جائے یا غلطی ہو جائے تو پھر وہ اللہ کی بارگاہ سے بھاگ ہی جائے کہ میں تو گناہگار ہوں میں کیا کروں۔ بھئی گناہگار کی جائے پناہ بھی تو اسی کی بارگاہ ہے اور جن سے غلطی ہوتی ہے اس کے لیے بھی اسی کا دروازہ ہے وہ بخشنے والا ہے غلطی یا کوتاہی اور قصور یا گناہ کا علاج بھی یہ ہے کہ بندہ واپس اسی کی بارگاہ میں جائے۔ وہی بخشنے والا بھی ہے اور آئندہ رحم کرنا بھی اسی کی شان ہے کہ اللہ کریم ہمیں قرآن کریم کا فہم عطا فرمائے۔ آمین

☆ ☆ ☆

اخلاقیات

سبق نمبر ۳۰: سورۃ ابراہیم

آیت ۱۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَکَّلَ عَلَی اللّٰہِ وَقَدۡ ہَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ

اور ہم اللہ پر بھروسہ کیوں نہ رکھیں اور یقیناً اس نے ہمیں ہمارے (دونوں جہانوں کے فائدے کے) راستے بتا دیئے

وَلَنَصۡبِرَنَّ عَلٰی مَاۤ اٰذَیۡتُمُوۡنَا ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ

اور جو تکلیفیں تم ہم کو دیتے ہو ہم اس پر ضرور صبر کریں گے اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی پر

الۡمُتَوَکِّلُوۡنَ ﴿۱۲﴾

بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

اس سورہ مبارکہ میں پہلے بہت سے انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خیر آ رہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام، نوح علیہ السلام، عاد اور ثمود اور ان سے بعد آنے والے انبیاء علیہ السلام اور ان سب کے ساتھ ان کی قوموں کے انکار کرنے والے لوگوں کے اس سلوک کا ذکر ہے۔ جو زیادتیاں ان کی قوم کے امراء نے یا منکرین و کفار نے اللہ کے مقبول و محبوب بندوں سے کیں اور باطل طاقتوں نے یہ زور لگایا کہ اللہ کے مقرب بندے اپنا راستہ چھوڑ کر ہمارے ساتھ کچھ سمجھوتہ کر لیں اگر ہمارے دین پر نہیں آتے تو کم از کم اپنے دین کو بیان کرتے رہیں اور ہمارے دین کی تردید کرنا چھوڑ دیں۔

یہ معاہدہ کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہل مکہ کا وفد آیا تھا آپؐ اگر ہمارے بتوں کو اس حیثیت سے نہیں مانتے تو ہم بھی آپ کے پروردگار کو اس حیثیت سے نہیں مان رہے۔ جس طرح آپ مانتے ہیں۔ یہ قوبات برابر ہو گئی اب اس کے بعد آپؐ سے تعاون کریں کہ آپؐ اپنے رب کی عبادت کریں اپنے طریقے پر رہیں لیکن ہمارے بتوں کی بات کرنا چھوڑ دیں۔ آپؐ جس ہستی کو اپنا خدا سمجھتے ہیں سمجھیں۔ جو آپؐ کیساتھ ہیں وہی کچھ کریں جو آپ کرتے ہیں۔ لیکن جو کچھ ہم کرتے ہیں آپؐ اس کی تردید نہ کریں۔ آپؐ بتوں کو باطل کہنا چھوڑ دیں۔ آپؐ یہ نہ کہیں کہ یہ بت جھوٹے ہیں یا ہمارا مذہب غلط ہے یہ نہ کہیں تو گزارا ممکن ہے۔ ہم اور آپ مل کر ایک شہر میں رہ سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر

میں اپنی طرف سے کچھ کہہ رہا ہوتا تو اس میں گھٹانا بڑھانا یا اس میں سمجھوتا کرنا میرے بس میں ہوتا میں تو اللہ کا رسول ہوں اور وہ جو کہتا ہوں جو اللہ کی طرف سے مجھے کہنے کا حکم دیا جاتا ہے اب جب اللہ ہی کہے کہ انہیں باطل کہو تو میں تمہارے ساتھ کیسے سمجھوتہ کرسکتا ہوں۔ اس میں تم خوش رہو یا ناراض ہو اس میں گزارا ہو سکے یا نہ ہو سکے اس پہ سمجھوتہ ممکن نہیں ہے کیونکہ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا اور جو کچھ وحی نازل ہوتی ہے۔ اسے بیان کرنا میرا فرض منصبی ہے وہ میں بیان کروں گا۔

آج بھی ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ جی اسلام تو ہم نافذ کرلیں لیکن دنیا کیساتھ گزارا کیسے ہوگا۔ آج ہم سود بند کردیتے ہیں لیکن پوری دنیا میں جو سودی نظام ہے جبکہ ایک حصہ ہمارا ملک بھی ہے۔ اس میں ہم کس طرح ایڈجسٹ ہوں گے۔ باہر سے ہمیں سود کے بغیر کوئی قرضہ نہیں دے گا تو ہم کیا کریں گے کوئی ہمارے ساتھ لین دین نہیں کرے گا۔ یہ جو عالمی منڈی ہے یا ورلڈ بنک وغیرہ ہیں ان کے ساتھ ہمارا نباہ کس طرح ہوگا۔ دوسرے اگر ہم اپنا سیاسی نظام اسلام کے مطابق لے آتے ہیں اور باقی ساری سیاسی طاقتوں کا نظام تو غیر اسلامی ہے کہیں جمہوریت ہے۔ کہیں شہنشاہیت ہے۔ کہیں سوشل ازم ہے تو ہمیں ان میں سے کوئی راستہ اپنانا پڑے گا جو ان کا ہے اگر ہم اس سے الگ ہوتے ہیں۔ تو ہم کیسے زندہ رہ سکتے ہیں یہی بات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو ہر دور میں پیش آئی کہ بھئی آپ پورے معاشرے سے کٹ کر جو ایک راستہ بنا رہے ہیں تو یہ ایڈجسٹ ہونے والی بات نہیں ہے یہ بات ہے ٹکراؤ والی میں دھماکہ ہوگا اور آپ اپنی حیثیت دیکھئے کہ آپ کے ساتھ دو۔ دو۔ چار۔ چار۔ بندے ہیں جو آپ کو مانتے ہیں۔ دوسری طرف پوری قوم ہے، حکومت ہے، سلطنت ہے، طاقت ہے تو آپ کیسے زندہ رہ سکتے ہیں اس حالت میں ان کا جواب یہ تھا کہ تم بڑے بیوقوف ہو جس اللہ کو ہم پروردگار عالم کہتے ہیں جسے ہم اکیلا معبود صرف مانتے نہیں بلکہ تم سے بھی منوانا چاہتے ہیں۔ جس اللہ کے لیے ہم تم سب کو دعوت دے رہے ہیں کہ تم بھی اس پر بھروسہ کرو اپنی امیدیں اس سے وابستہ کرو تمہاری ہر ضرورت کی نگہبانی وہ کرے گا وَ مَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ تو ہمارا دماغ خراب ہوگیا ہے کہ ہم خود اپنے لیے اس اللہ پر بھروسہ نہ کریں ہمارے پاس تو کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ ہم زندہ کیسے رہیں گے ہماری ایک ہی دلیل ہے کہ جس اللہ کی عظمت ہم سارے معاشرے سے منوانا چاہتے ہیں اس کی عظمت خود کیوں نہ مانیں۔ سب سے پہلے اگر دنیا ہمیں چھوڑتی ہے تو چھوڑ دے کافر طاقتیں مخالفت کرتی ہیں تو کریں کافر تو ہیں بگڑتی ہیں تو بگڑ جائیں اگر سودی نظام میں اپنی دولت روکتے ہیں تو روک لیں۔ وَ قَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا وہ اللہ جس نے ہمیں زندگی کے تشیب و فراز میں جینے مرنے کے راز سکھا دیئے جس نے ہمیں زندگی گزارنے کا خوبصورت راستہ بتا دیا جس نے ہمیں ہر کام کرنے کا صحیح اسلوب لکھا دیا۔ اس پر بھروسہ نہ کریں۔ وَ لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا اور اگر تمہاری طرف سے متوقع تکالیف یا وہ ایذائیں جو تمہاری طرف سے پہنچ رہی ہیں ان پر ہم صبر نہ کرسکیں تو پھر ہمارا۔ ایماندار ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ کہ جدھر سے ٹکراؤ کا دباؤ آیا ہم ادھر جھکتے جائیں تو پھر اللہ کیساتھ ہمارا رشتہ ایمان کیا ہوا۔ ہم اگر آج کے اس سارے پس منظر میں

خود کو دیکھیں تو ہمارا یہی حال ہے۔ کہ ہم اللہ کو مانتے تو ہیں اس پر بھروسہ کرنے کو تیار نہیں۔ لیکن انبیاء کا طریق یہ ہے کہ جب وہ اللہ کو مانتے تو اسی پر بھروسہ کرتے اور کام وہی کرتے کہ جس کے کرنے کا وہ حکم دیتا ہے یا جس کے کرنے کی وہ اجازت دیتا ہے نتائج کیا ہوں گے کہ کفر مخالفت کرے گا کفر بھڑک اُٹھے گا روزی بند کرنے کی کوشش کرے گا قتل کرنے کی کوشش کرے گا ملک سے نکال دے گا تو فرمایا ان سب چیزوں کو ہم برداشت کریں گے۔ اس لیے کہ ایمان کا تقاضا ہی یہی ہے وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ کہ بھروسہ کرنے والے صرف اللہ ہی پر بھروسہ کیا کرتے ہیں وہی اس قابل ہے۔ اب ایک طرف دنیاوی طاقتیں یا کفر طاقتیں ہیں اور دوسری طرف اللہ کی عظمت ہے جو بندہ اللہ پر بھروسہ نہیں کرتا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ سے لڑائی مول لے لیتا ہے اور کافر پر بھروسہ کر لیتا ہے۔ دوسرا انداز یہ ہے کہ وہ کافر پر اعتبار کرنا یا بھروسہ کرنا یا اس سے ڈرنا چھوڑ دیتا ہے اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ پر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کافر طاقتیں اس کے خلاف میدان میں آجاتی ہیں دو میں سے ایک تو ہوگا۔ فرمایا کہ تقاضائے ایمان یہ ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ کریں تم جو کر سکتے ہو کر گزرو۔ جو بھی تم سے ہو سکتا ہے کرو۔

اب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو پوری سلطنت کی فوجوں نے مل کر آگ میں پھینک دیا لیکن نتیجہ کیا ہوا۔ کیا کافروں کی دھکائی ہوئی آگ ان کا کوئی بال بیکا کر سکی مفسرین لکھتے ہیں کہ جب انہیں آگ میں پھینکا جانے لگا تو میلوں میں لکڑیاں جمع کر دیں اور بہت بلندی تک آگ بھڑکانے کا حکم دیا نمرود نے۔ آگ اتنی بھڑک گئی کہ اس کے قریب کوئی کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ تو انہیں آگ میں پھینکتا کون اب ابلیس نے مشورہ دیا کہ بہت اونچے ہانس گاڑھ کر اس میں ایک جھولا سا باندھ دو اور اس بندے کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس جھولے پہ ڈال دو اور اسے زور۔ زور سے جھولاؤ اور اس کی گرہیں ایسی رکھو کہ جب وہ آگ کی طرف جھول کر جا رہا ہو تو گرہیں کھول دی جائیں تو اسی زور میں وہ آگ میں جا کرے گا۔ تو وہ بڑی بڑی لکڑیاں گاڑ رہے تھے۔ جھولے بنا رہے تھے اور آپؑ کے ہاتھ پاؤں باندھے جا رہے تھے مفسرین فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے عرض کی بار الہا تیرے خلیل کو تیرے دشمن ہاتھ پاؤں باندھ کر بے بسی سے آگ میں پھینکنے کی تیاری کر رہے ہیں صرف اس جرم میں کہ وہ تیرا نام لیتا ہے۔ تو ہمیں اجازت دے کہ ہم کفار کو اس کی سزا دیں اور اگر تو انہیں تباہ نہیں کرنا چاہتا تو اجازت دے کہ ہم ابراہیم کو وہاں سے اُٹھا لیں۔ ارشاد ہوا کہ یہ بات ضرورت مند سے پوچھی جائے اگر وہ کہتا ہے تو ضرور اس کی مدد کرو تو جب فرشتہ آپؑ کے پاس اس حال میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اللہ کریم نے سلام بھی بھیجا ہے اور سب ملائکہ کی دعا کا یہ جواب آیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کو اس آگ سے بچا لیں۔ آپ نے فرمایا کے اللہ کریم خود بھی دیکھ رہا ہے۔ عرض کیا بے شک دیکھ رہا ہے۔ جانتا ہے۔ بے شک جانتا ہے۔ بچا بھی سکتا ہے تو تمہیں درمیان میں مداخلت کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ اور اگر وہ اسی بات پر خوش ہے کہ یہ کفار مجھے جلا دیں تو پھر میں بھی اس کی خوشی پہ راضی ہوں تمہیں اس میں کیا اعتراض ہے تو فرشتے حیران رہ گئے کہ جس بندے کو ہم بچانا چاہتے تھے اس میں تو اللہ نے وہ قوت رکھ دی کہ جہاں اس کے پاؤں لگے وہ زمین گلزار ہو گئی جس

درخت کی لکڑیاں جل رہی تھیں وہی درخت سرسبز و شاداب ہو کر جھومنے لگے گرد اگرد آگ جلتی رہی درمیان میں ایک خوبصورت باغ بن گیا جس پر نہ آگ کا اثر تھا نہ دھوئیں کا نہ گرمی کا۔ اللہ کے مقرب بندے تو فرشتوں کا آسرا بھی نہیں لیتے۔

یہی سبق اس آیہ کریمہ میں ہے کہ انبیاء اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے ان کی قوموں نے زیادتی کی اور انہیں مشورہ دیا کہ خواہ مخواہ اپنی سادگی میں مارکھاؤ گے سارے قبائل۔ سارے دولت مند۔ سارے وسائل۔ ساری حکومت تمہارے خلاف ہے۔ تمہارے پاس دو چار۔ غریب مسکین بندے ہیں مارے جاؤ گے۔ فرمایا کہ ہم اللہ پر بھروسہ کیوں نہ کریں تمہاری طاقت۔ تمہارے وسائل۔ تمہاری شان و شوکت اور حکومت پر بھروسہ کرنے کی بجائے جس اللہ پر بھروسہ کرنے کی دعوت ہم تمہیں دے رہے ہیں ہم خود اس پر بھروسہ کیوں نہ کریں۔ وَ قَدْ هَدٰنَا سُبُلَنَا اس کا کتنا احسان ہے ہم پر کہ جب بڑی بڑی حکومتیں بڑے بڑے لوگ بڑے بڑے امیر گمراہ ہو رہے ہیں ہمیں اس نے ہدایت نصیب فرمادی اور جو ایذا تمہاری طرف سے آرہی ہے یہ ابتلاء الٰہی ہے وہ آزمانا چاہتا ہے تو آرہی ہے۔ اگر وہ اس سے بچانا چاہے تو تم کون ہوتے ہو ہمیں ایذا دینے والے تمہیں تو ایک آن واحد میں تباہ کر کے رکھ دے اگر تمہیں اس نے کچھ موقع دے رکھا ہے جس میں تم ہمیں ستا رہے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ ہمیں وہ آزمانا چاہتا ہے اور اس کی آزمائش کا جواب صبر ہے کہ اس پر استقامت کے ساتھ قائم رہا جائے۔ وَ لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا کیوں نہ ہم صبر کریں کہ جو ایذا تم ہمیں دے رہے ہو وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ O اور بھروسہ کرنے والے تو اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں اور یہی تقاضائے ایمان ہے۔

☆ ☆ ☆

اخلاقیات

سبق نمبر ۳۱: سورۃ الحجر

آیت ۸۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

لَا تَمُدَّنَّ عَیۡنَیۡکَ اِلٰی مَا مَتَّعۡنَا بِہٖۤ اَزۡوَاجًا

آپ ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھیں بھی نہیں جو ہم نے (کفار کی) کئی جماعتوں کو (دنیا کے)

مِّنۡہُمۡ وَ لَا تَحۡزَنۡ عَلَیۡہِمۡ وَ اخۡفِضۡ جَنَاحَکَ

فائدے کے لئے دے رکھی ہیں اور ان پر غم نہ کیجئے اور مومنوں پر

لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸۸﴾

شفقت رکھیے۔

اس آیت مبارکہ میں انسان کا اصل سرمایہ کیا ہے اور کس وجہ سے وہ باعث تکریم ہے کہ اس کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا۔

لَا تَمُدَّنَّ عَیۡنَیۡکَ اِلٰی مَا مَتَّعۡنَا بِہٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡہُمۡ وَ لَا تَحۡزَنۡ عَلَیۡہِمۡ ایسے لوگ یا وہ جماعتیں یا وہ معاشرہ جسے اللہ نے دولت دنیا تو دے دی ہے لیکن وہ دین سے محروم ہیں نہ صرف یہ کہ ان کا کوئی احترام نہ کیا جائے بلکہ انہیں رغبت کی نگاہ سے دیکھا بھی نہ جائے یہ نہ سوچا جائے کہ یہ کتنے خوش بخت لوگ ہیں کتنے آزاد ہیں کتنے طاقتور ہیں یا ان کے پاس کیا ہے فرمایا دراصل ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ دولت دنیا کا اور وسائل دنیا کا ہونا بھی کسی طاقت یا کسی قوت یا کسی عظمت کی دلیل نہیں بنتا۔ اللہ کریم کا ارشاد تو برحق ہے اس میں شبے کی گنجائش نہیں تاریخ انسانی بھی اس بات پر گواہ ہے کہ نور ایمان سے خالی قومیں دینوی وسائل کے ہوتے ہوئے بھی کبھی طاقتور ثابت نہیں ہوتیں۔

کوئی زمانہ بعید کی بات نہیں ہے جب ویت نام میں امریکہ ظلم ڈھا رہا تھا جبکہ ویت نام کا نصف حصہ بھی اسکے ساتھ تھا ویت نامی دو حصوں میں بٹ گئے تھے اور اس کی کوئی حیثیت کسی امریکہ کی چھوٹی سے چھوٹی ریاست کے برابر بھی نہ تھی۔ امریکہ اپنی ساری قوت کے باوجود کئی سال سر کھپاتا رہا لیکن آپ نے دیکھا کتنی رسوائی سے۔ کتنی ذلت سے۔ کتنا نقصان

اُٹھا کر آخر اسے پسپا ہونا پڑا حالانکہ مقابلے میں کوئی ایمان دار قوت نہیں تھی بلکہ ایک کافر طاقت تھی صرف اس کے ڈٹ جانے سے اسے ہزیمت اُٹھانا پڑی اور جہاں ایمان کی قوت تھی اس کی مثال ہمارے پاس دورِ حاضر میں افغانستان ہے کہ روس اتنی بڑی طاقت تھی جس سے امریکہ بھی دبتا تھا۔ امریکہ کے مقابل ویت نام غیر اسلامی طاقت تھی تو اسے صرف شکست ہوئی۔ لیکن روس کے مقابلے میں چند نہتے کمزور اور دینوی اسباب سے بالکل خالی لوگ تھے جن کے پاس نور ایمان تھا تو اس ٹکر میں اسے صرف شکست نہیں ہوئی صرف کامل سے اسے واپس نہیں جانا پڑا بلکہ وہ خود پاش پاش ہو گیا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ بظاہر دیکھنے میں کافر ایک طاقت نظر آتے ہیں تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى حالانکہ ان کے دل الگ الگ دھڑکتے ہیں۔ یعنی کوئی ایسی بنیاد کفر کے پاس نہیں ہوتی جس پر ان سب کے دل ایک آواز پہ دھڑکیں یا کسی ایک بات پہ متفق ہوں یا سب کی خواہش ایک ہو ہر دل کی اپنی آواز ہوتی ہے ہر دل کا اپنا جذبہ ہوتا ہے کہ وہ کہاں تک جا سکتا ہے لہٰذا کفر کی بہت بڑی طاقت بھی ہو تو وہ طاقت نہیں کہلاتی۔

ہمارا اس دور کا بہت بڑا سوال یہ ہے کہ آخر مسلمان جو دنیا میں بہت بڑی تعداد میں ہیں۔ کافروں سے کیوں مار کھا رہے ہیں یہ اس لیے مار نہیں کھا رہے کہ کافر بہت بڑی طاقت ہے بلکہ اس لیے مار کھا رہے ہیں کہ یہ نام کے مسلمان ہیں اور عملاً اسلام سے دور ہیں۔ مار کھانے کا سبب کفر کی طاقت نہیں ہے بلکہ آج کے کافرانہ نظام کی طاقت مسلمانوں کا سرمایہ ہے آج اگر مسلمان ممالک اپنا سرمایہ مغربی ملکوں کے بنکوں سے نکال لیں تو ان کی معیشت نہیں چل سکتی وہ زندہ نہیں رہ سکتے جب تک مسلمانوں کے پاس تیل کی دولت نہیں آئی تھی امریکہ کینیڈا یورپ میں گھوڑا گاڑیوں کا رواج تھا انیسو پچاس کی دہائی تک ان کے پاس اس طرح گاڑیاں نہیں تھیں چند سرکاری موٹریں ہوتی تھیں عام آدمی کے پاس گھوڑا گاڑی تھی نہ ان کے پاس رہنے کے لیے یہ سہولتیں تھیں ابھی تک ان گھوڑا گاڑیوں کے ڈھانچے بطور نمونہ انہوں نے وہاں رکھے ہوئے ہیں۔ تیل مسلمان ملکوں میں نکلا اور قسمت ان کی بدل گئی ٹھیکے ان کے۔ کمپنیاں ان کی۔ خریدنا بیچنا انہوں نے پھر کوڑیوں کے بھاؤ خرید کر ان کا سرمایہ بھی ان ہی کے پاس جمع کیا جاتا ہے۔ اب صرف سعودی عرب کا سرمایہ جو امریکہ کے پاس ہے۔ برطانیہ یا بیرونی ممالک کے بنکوں میں بادشاہوں اور شہزادوں کے ذاتی اکاؤنٹ چھوڑ کر وہ پندرہ فی صد فکس ڈیپازٹ سود پر جمع ہے۔ اور سعودی حکومت کا سالانہ پورا بجٹ اس پندرہ فی صد سے چلتا ہے اور اسی خالص سود سے حرمین کا نظام بھی چلایا جاتا ہے مدینہ یونیورسٹی کا بھی اور سارا سرکاری نظام مثلاً پولیس۔ فوج۔ شاہراہوں کی تعمیر۔ دفاع۔ صنعت وغیرہ اس پندرہ فی صد سود پہ چلتا ہے اور ماہرین نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ جس سرمائے پر پندرہ فی صد سود وہ سعودی عرب کو دیتے ہیں وہ سرمایہ جدید جنگی جہازوں کے بنانے اور دیگر سامان حرب یعنی اسلحہ گولہ بارود پر لگایا ہوا ہے۔ اور جس پر ان کا منافع ایک ہزار فی صد ہے۔ یعنی جہاں سو روپیہ خرچ کرتے ہیں گیارہ سو واپس آتا ہے۔ اس گیارہ سو میں سے پندرہ روپے سعودی عرب کو ملتے ہیں اور

1085 روپے امریکہ کے پاس رہتے ہیں۔

یہ صرف ایک مسلمان ملک کا حال ہے باقی مسلمان حکومتوں کا سرمایہ یا شاہی خاندانوں کا اپنا اپنا ذاتی سرمایہ بالکل الگ ہے جو اس سے کئی گنا زیادہ ہے اب جو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر ہوئی اس کے اخراجات کا ایک حصہ بلدیہ مدینہ منورہ نے۔ایک حصہ سعودی حکومت نے اور ایک حصہ شاہ فہد نے اپنے ذاتی سرمائے سے دیا۔ان سب میں سے کوئی بھی اصلی سرمایہ خرچ کرنے کا روادار نہیں ہے سب کا اصل سرمایہ اصل فکس ڈیپازٹ میں ہے اور سود در سود وصول کرتے رہتے ہیں۔

اب اگر وہ اصلی سرمایہ امریکہ کی معیشت سے نکال لیا جائے تو کیا حال ہوگا جب گلف وار ہوئی تھی تو دوستوں کو یاد ہوگا میں نے کہا تھا کہ اصل بوجھ تو امریکہ پر آئے گا بظاہر خرچ سعودی عرب یا کویت یا متحدہ عرب امارات کا ہوگا لیکن وہ تو صرف چیکس دیں گے پیسے تو امریکہ کے بنکوں سے نکلیں گے۔اب لڑائی کے خاتمے پر یہ ہوا کہ امریکہ میں کوئی 72 تو ایرلائنیں گراؤنڈ ہوگئیں۔بڑے بڑے اسٹور اجڑ گئے ان کے تجارتی منصوبے تباہ ہوگئے اور اتنی بے روزگاری پھیلی کہ ابھی تک امریکہ واپس اپنی جگہ پر نہیں آسکا حالانکہ لڑائی کے سارے اخراجات عموماً عرب ملکوں نے اور بالخصوص سعودی عرب نے دیئے۔ اتنے سے کام سے امریکہ کی ساری معیشت تباہ ہوگئی تو اگر مسلمان صرف اپنا سرمایہ واپس لے لیں تو یہ طاقت ختم ہو جاتی ہے۔

آج مسلمان اگر مار کھا رہے ہیں تو اسلام سے بیگانہ ہونے کی سزا میں مار کھا رہے ہیں کافروں کی طاقت سے مار نہیں کھا رہے۔ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ کافر بڑے طاقتور ہیں اور مسلمانوں کو مار رہے ہیں مسلمان اگر مار کھا رہا ہے تو خود اللہ کی رحمت سے دور ہو کر اللہ کی اطاعت کو چھوڑ کر اسلام سے بیگانہ ہو کر مار کھا رہا ہے۔آج مسلمانوں پر ایسا دور ہے کہ ہر مسلمان اپنی انتہائی کوشش میں ہے کہ وہ انگریزوں جیسا نظر آئے اس کا رہن سہن انگریزی ہو اسے مغربی طاقتوں میں پذیرائی حاصل ہو اس کا بات کرنے کا انداز انگریزی ہو یعنی ہماری ساری کوشش ان کی تقلید ہے خواہ مسلمان حکومتیں ہیں یا مسلمان شہری بلکہ آپ دیکھیں کہ اگر وہاں ان کی عورتوں نے ایک طرح کے بال کٹوائے ہیں تو یہاں مسلمانوں کی بچیاں سینکڑوں روپے دے کر اس طرح کے بال بنوا کر پھرتی ہوں گی لباس اس طرح کے پہنیں گی۔اسلام کو بھی ہم ساتھ گھسیٹتے رہتے ہیں لیکن دلی آرزو یہ ہوتی ہے کہ ہم ان جیسے ہو جائیں۔تو مسلمانوں کو جو مار پڑ رہی ہے یہ اسلام سے بیگانہ پن کی سزا کے طور پر۔ابھی تو اللہ بہت کریم ہے کہ اس نے اتنی ڈھیل دے رکھی ہے ورنہ اس کی سزائیں بڑی سخت ہیں۔فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (المائدہ:54) عنقریب ہے کہ وہ تمہیں تباہ کر دے اور ایسی قوم کو پیدا کر دے جو اس سے محبت کرتی ہو اور جنہیں وہ محبوب رکھتا ہو۔

تاریخ اسلام کو آپ دیکھیں ہر دور میں اگر مسلمانوں پر زوال آیا ہے تو ان کی اسلام سے بیگانگی کے سبب آیا ہے۔کافر طاقت کی وجہ سے نہیں تو ارشاد ہوتا ہے۔ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ کافر کی نہ تو ریس کی جائے اور نہ اسکی طرف اس طرح دیکھا جائے کہ یہ بڑا خوش قسمت ہے یہ چیزیں اس کے کسی کام کی نہیں ہیں اور اس کے

کفر میں مبتلا رہنے کا دکھ بھی نہ اٹھایا کیجئے چونکہ یہاں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنے شفیق اتنے کریم تھے کہ آپ کو کافر کے کفر پر رہنے کا بھی دکھ لگتا تھا کہ آخر یہ اولاد آدم ہے ان سب کی طرف نبی مبعوث ہوا ہوں اور میری بعثت کے بعد بھی اگر یہ عذاب الٰہی میں جا رہا ہے تو اس بات کا صدمہ محسوس ہوتا تھا اب اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کافر کے کفر میں مبتلا ہونے کا دکھ محسوس کرتے تھے تو مسلمان بحالت ایمان جو کافرانہ روش اپنائے ہوئے ہے اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب بھی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی اس طرح سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا مت دیا کرو۔

موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام پر پتھر تو نہیں پھینکتے تھے بلکہ وہ اپنے افکار اور کردار سے کافروں کی طرح بھاگتے تھے جیسے موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے تو انہوں نے گوسالہ بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی۔ موسیٰ انہیں اللہ کی اطاعت کی طرف بلاتے تھے اور وہ کفار کی طرف بھاگتے تھے کہ یہ بڑے تگڑے لوگ ہیں جو کچھ یہ کر رہے ہیں ہمیں ایسا کرنا چاہیے۔ تو اللہ کریم نے مسلمانوں کو فرمایا کہ جس طرح قوم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی تم اس طرح سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سبب بھی ہے اب اتنے گھناؤنے جرم کے ساتھ ہم پھر جی رہے ہیں، سانس لے رہے ہیں یا سجدہ کرنے کو توفیق دے دیتا ہے تو میرے خیال میں یہ اس کی رحمت اور اس کی بے پایاں عنایت ہے کہ وہ پھر ڈھیل دیتا جا رہا ہے کہ شاید سمجھ جائیں تو یہ کر لیں باز آ جائیں اب حال جس پر رشک کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کسی کو نصیب ہو۔ کسی کو اللہ کے نام پر کچھ قربان کرنیکی توفیق نصیب ہو۔ کسی کی خواہش قربان ہو جائے اس کا مال اللہ کی راہ میں لگ جائے اس کے بیٹے اللہ کی راہ میں لگ جائیں جو تربیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی وہ یہ تھی کہ مسلمان کے پاس جو بھی ہے وہ اللہ کا مال ہے اس کی عطا ہے اور اس میں سے جتنا اللہ کے دین میں اللہ کے راستے میں کام آ جائے وہ اصل سرمایہ ہے۔ ایسا شخص اس قابل ہے کہ اس کے ساتھ رشک کرے اور اس جیسا ہونے کی کوشش کرے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔

وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ O اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم۔ مسلمانوں سے شفقت کا برتاؤ کیجئے اور یہ وہی شفقت کا برتاؤ ہے کہ مسلمان اس سب کے باوجود زندگی تو گزار رہی ہے اور کلمہ پڑھنے کی توفیق بھی ہے اگر اللہ توفیق دے اور اس قوم کو اپنا نصب العین معلوم ہو جائے اپنی زندگی کو اس کے مطابق یہ بدل سکے تو جہاں روئے زمین پر مسلمان ہے وہاں صرف اللہ کی طاقت قائم ہے باقی کوئی کافر طاقت اس کے مقابلے میں کھڑی نہ ہو آج بھی اگر یہ پچپن چھپن اسلامی ریاستیں متحدہ ہائے اسلامی بنالیں تو متحدہ ریاست ہائے امریکہ اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی نہ وسائل کے اعتبار سے نہ فوجی طاقت کے اعتبار سے اور نہ معیشت کے اعتبار سے امریکہ کی بھی تو بادن ترین چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہیں اور ہر ریاست کا گورنر الگ ہے، قانون الگ ہے، ٹیکس کا نظام الگ ہے، یعنی ہر ریاست ایک ملک ہے جس کے اندر ان کے قانون

اپنے ہیں اور کرنسی میں یا دفاع میں یا ایسی بین الاقوامی پالیسیوں میں سب کے اوپر ایک صدر ہے ورنہ وہ بھی تو الگ الگ ملک ہیں تو اس اتحاد نے انہیں اتنی بڑی طاقت بنا دیا۔ آج کی یہ مسلمان ریاستیں اگر اس طرح کا اتحاد بنالیں پھر بھی ان کے مقابلے کی طاقت دنیا میں کوئی نہیں۔ کیونکہ باقی ممالک ان کے سرمایہ پر پلتے ہیں۔ تو مسلمان جیسا بھی ہو اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے ساتھ حقارت کا سلوک نہ کیا جائے جو کافر سے کیا جاتا ہے وہ بہر حال نرمی کا اور شفقت کا مستحق ہے۔

☆ ☆ ☆

اخلاقیات

سبق نمبر ۳۲: سورۃ النحل

آیات ۴۱ تا ۴۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَ الَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا فِی اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا

اور جن لوگوں نے ظلم سہنے کے بعد اللہ کے لئے اپنا وطن چھوڑا

لَنُبَوِّئَنَّہُمۡ فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً ؕ وَ لَاَجۡرُ الۡاٰخِرَۃِ اَکۡبَرُ ۘ

ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے

لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۱﴾ۙ الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَ عَلٰی رَبِّہِمۡ

کاش ان کو خبر ہوتی۔ وہ ایسے ہیں جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے پروردگار پر

یَتَوَکَّلُوۡنَ ﴿۴۲﴾

بھروسہ رکھتے ہیں۔

اسلام کی تاریخ کا سنہری دور وہ ہے جب مسلمانوں نے ہر چیز اللہ کے نام پر چھوڑ دی یعنی باقی دنیوی طاقتیں مال لے کر طاقتیں بنیں، اسباب جمع کر کے طاقتیں بنیں، وسائل جمع کر کے طاقتیں بنیں، حکومت بنا کر قوت بنی لیکن مسلمانوں کا سب سے زریں دور وہ ہے جب مسلمانوں نے اللہ کے نام پر ہر چیز چھوڑ دی۔ گھر چھوڑ دیا، جائیداد چھوڑ دی، رشتہ دار۔ رشتے قبیلے چھوڑ دیئے اور دوست واحباب چھوڑ دیئے۔

وَ الَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا فِی اللّٰہِ صرف اس بات پر کہ وہ اللہ پر یقین رکھتے تھے، اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور وہ معاشرہ اور وہ ان کے دوست یا انکے رشتہ دار یا وہ ماحول یا وہ شہر وہ ملک اس بات کو برداشت نہیں کرتا تھا تو اللہ کے لیے اللہ کے ساتھ ایمان کو قائم رکھنے کے لیے انہوں نے صرف اللہ کا نام رکھا باقی ہر چیز چھوڑ دی دنیا کے سارے اسباب چھوڑ دیئے۔ ان پر بہت بڑے ظلم کیے گئے انہیں اذائیں دی گئیں انہیں تکلیفیں دی گئیں ان کی توہین کی گئی اللہ کریم فرماتے ہیں:

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ہمارا وعدہ یہ ہے کہ جو بھی دنیا کی دولت، دنیا کی نعمتیں میرے نام پہ قربان کردے گا میں دنیا میں ہی اس کو بہتر ٹھکانہ عطا کردوں گا اور اسلام کی یہ تاریخ ہے کہ مہاجرین کو مکے سے نکل کر اس کے بدلے میں روئے زمین کی سلطنت اللہ نے عطا کردی وہ لوگ جن پر مکہ مکرمہ کی زمین تنگ کردی گئی تھی انہوں نے تاریخ انسانی میں اتنی بڑی سلطنت پر حکومت کی جس کی مثال پوری تاریخ میں نہیں ملتی پوری انسانی تاریخ میں آپ کوئی اتنی بڑی سلطنت دکھایئے جو چین سے ہسپانیہ تک اور سائبریا سے افریقہ تک پھیلی ہوئی ہو کوئی بھی نہیں ہے یعنی پوری انسانی تاریخ میں صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور خلفائے راشدین وہ لوگ تھے۔ جنہوں نے اس زمانے میں جب گھوڑے کی پیٹھ پہ بیٹھ کر سفر کیا جاتا تھا سفر کا سب سے تیز ذریعہ گھوڑا تھا اس زمانے میں جنہوں نے چین سے ہسپانیہ تک اور سائبریا سے افریقہ تک ایک ریاست بنالی جس پر انہوں نے حکومت کی اور اللہ نے ان کچے گھروندوں کے بدلے روئے زمین کی سلطنت دے دی جو انہوں نے اللہ کے نام پر قربان کردیئے تھے یعنی اسلام کا فلسفہ حیات ہی یہ ہے یہ نہیں ہے کہ کافروں کی ریس میں مال جمع کیا جائے تو ہم نکمے مسلمان ہو جائیں گے بلکہ یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ رشتے کو مضبوط کیا جائے خواہ اس کے لیے سارے وسائل قربان بھی کرنا پڑیں۔ اور فرمایا میں قادر ہوں میں متبادل ذرائع عطا کردوں گا اور یہ دنیا کا نظام ہے فرمایا اس طرح میں دیتا ہوں۔ وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ۔ آخرت میں انہیں کیا ملے گا اکبر وہ بہت بڑا انعام ہے۔ اس کا اندازہ دنیا میں کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ دنیا کے ایسے اوزان نہیں ہیں دنیا کی کوئی ایسی پیمائش نہیں ہے جس سے آخرت کے اجر کو ماپا جاسکے لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ O کاش آج کا مسلمان بھی یہ بھید پالے کاش مسلمان بحیثیت قوم اس حقیقت کو جو ان کا تاریخی ورثہ ہے جو ان کے پاس محفوظ ہے جو ان کے باپ داداؤں کی ان کے بزرگوں کی پہلے مسلمانوں کی زندگی ہے کاش اسے ہی یہ سمجھ لیتے تو بھی بات بن جاتی اور سمجھتے صرف وہ ہیں۔

الَّذِیْنَ صَبَرُوْا جو لالچ سے بچ جائیں اپنے آپ کو صبر کا عادی بنالیں اللہ کی عطا پہ اکتفا کرسکیں اور اللہ پر بھروسہ کریں وَ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ اور جنہیں اللہ پر بھروسہ کرنا آجائے اللہ کریم پر اعتماد پیدا ہو تب اس حقیقت کی سمجھ آئے گی۔

☆ ☆ ☆

اخلاقیات

سبق نمبر ۳۳: سورۃ النحل

آیت ۷۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَاللّٰہُ اَخۡرَجَکُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّہٰتِکُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَیۡئًا ۙ

اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے

وَّجَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَۃَ ۙ

اور اس نے تم کو کان عطا فرمائے اور آنکھیں اور دل

لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾

تاکہ تم شکر کرو۔

فرمایا انسان اگر تجزیہ کر کے بھی دیکھ لے تو یہ سارے وسائل لے کر وہ دنیا میں نہیں آتا یعنی اگر اس کا اللہ پر بھروسہ کرنے کو جی نہیں چاہتا جو کچھ اس کے پاس ہے اسے اللہ کے لیے چھوڑنا نہیں چاہتا تو اس کی مثال اس بندر کی طرح ہے جسے نیشنل جغرافی والے وائلڈ لائف میں دکھاتے ہیں۔ شکاری بندر کو زندہ پکڑنے کے لیے بندروں کے سامنے کسی درخت کے تنے میں ایک کھوکھی بنا دیتے ہیں۔ جس کا منہ تنگ اور اندر سے اسے کھلا کر دیتے ہیں اور اس سوراخ میں دو چار اخروٹ یا بادام یا اس طرح کی کوئی چیز ڈال دیتے ہیں۔ بندر چونکہ دیکھ رہے ہوتے ہیں آدمی ذرا پرے ہٹے تو بندر لڑتے بھڑتے آجاتے ہیں ان میں جو تگڑا ہو وہ اندر ہاتھ ڈال دیتا ہے اور اس چیز کو نکالنے کے لیے اپنی مٹھی میں پکڑ لیتا ہے اب اس کی مٹھی اندر موٹی ہو جاتی ہے اور واپس نہیں آسکتی آدمی اسے آکر پکڑے چیختا چلاتا رہتا ہے لیکن وہ چیز نہیں چھوڑتا اس مٹھی کو پھنسائے بیقرار رہتا ہے شکاری رسی ڈال کر اسے باندھ کر اس کا ہاتھ چھوڑ واتا ہے لیکن اپنے آپ نہیں چھوڑتا اور اپنی آزادی ہار دیتا ہے۔

تو آج کل مسلمان نے بھی اسی بندر کی نقل میں دو چار کھلونے پکڑے ہوئے ہیں، چند چیزوں کی طمع پر ہر ایک نے ہاتھ ڈالا ہوا ہے اور اپنی آزادی کو، اپنے دین کو کافر کے سامنے رہن رکھا ہوا ہے، اللہ کریم فرماتے ہیں جن وسائل کے لیے آج تم ایمان سے بیگانہ ہو رہے ہو، جس دولت کو جمع کرنے کے لیے جھوٹ بول لیتے ہو، جس دولت کو جمع کرنے کے لیے عبادات

چھوڑ رکھی ہیں، جس دولت کو جمع کرنے کے لیے کافر کے در پہ جبہ سائی کرتے ہو کیا یہ دولت ساتھ لے کر پیدا ہوئے تھے۔

وَ اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا اللہ وہ ہستی ہے جس نے تمہیں جب ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کیا تو تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، تم ماں کو ماں نہیں جانتے تھے، اپنے وجود کی خبر نہ تھی، کھانے پینے کا تمہیں شعور نہ تھا، صفائی اور گندگی کی تمہیں کوئی تمیز نہیں تھی بھلے اور برے کو تم نہیں جانتے تھے تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے تم کون ہو۔ ماں کیا ہوتی ہے۔ گھر کیا ہوتا ہے۔ کھانا کیا ہے۔ پینا کیا ہے۔ سونا جاگنا کیا ہے۔ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا کچھ بھی تمہیں پتہ نہیں تھا پھر اللہ ایسا قادر ہے۔

وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ اس نے تمہیں قوت سماعت دے دی۔ جوں جوں شعور آتا گیا تو تم آوازوں کے سننے اور سمجھنے میں تمیز کرنے کے قابل ہوئے وَ الْاَبْصَارَ پھر اس نے تمہیں بصارت عطا کر دی اور تم دیکھنے لگے یہ نیلا ہے یہ خوبصورت ہے، یہ بدصورت ہے، یہ اچھا ہے، یہ برا ہے، یہ ماں ہے، یہ باپ ہے، یہ دوست ہے، یہ دشمن ہے، یہ کھانے کی چیز ہے، یہ پہننے کی چیز ہے اور پھر اس نے تمہیں دل دیا۔

وَ الْاَفْـِٕدَةَ ایسا خوبصورت دل دیا جس میں آرزوئیں اور خواہشات اور تمنائیں جنم لیتی ہیں۔ یہ تو ساری اس کی عطا تھی اور اس نے تمہیں اس لیے دیا تھا۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○ تاکہ تم ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کر سکو۔ اور اس دل میں اسے بسا سکو جب تمہیں یہ سمجھ آئے کہ تم تو کچھ بھی نہیں تھے اور تمہیں سب کچھ اس نے دیا۔ تو تمہارے پاس پہلے سے گارنٹی موجود ہے کہ تمہارے پاس اب کچھ بھی نہیں تھا اس نے سب کچھ اسے دے دیا اگر کوئی چیز اس کے نام پہ قربان ہو جائیگی تو وہ دینے پہ قادر ہے پھر دے دے گا۔ یعنی بے اعتباری کی بات تو تب تھی کہ تم ہر چیز ساتھ لائے ہوتم ہر چیز لائے ہو تم تو کچھ بھی نہیں لائے تھے۔ تمہیں تو اپنے آپ کا شعور بھی نہیں تھا۔ تو جس رب کریم نے پہلے دیا ہے۔ اب دولت دنیا یا دنیاوی وسائل اتنے قیمتی نہیں ہیں کہ ان سے آدمی بندر کی طرح چمٹا رہے اور یہ اللہ سے غافل ہو جائے بلکہ انہیں قربان کیا جا سکتا ہے اس امید پر کہ تمہارے پاس کچھ نہیں تھا سب کچھ اس نے تمہیں دیا اگر دوبارہ نہیں رہے گا تو وہ دوبارہ عطا کر دینے پر قادر ہے۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ جب خالق کیساتھ یہ تشکر پیدا ہو۔ تو اخلاق حسنہ اور اس کی مخلوق کے لیے جذبہ ایثار تمہارے اندر در آئے گا۔

☆ ☆ ☆

اخلاقیات

سبق نمبر ۳۴: سورۃ النحل

آیت ۹۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَ لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّتِىۡ نَقَضَتۡ غَزۡلَهَا مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ

اور اس عورت کی طرح نہ ہونا جس نے محنت سے اپنا سوت کاتا پھر اس کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے

اَنۡكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوۡنَ اَيۡمَانَكُمۡ دَخَلًا ۢ بَيۡنَكُمۡ اَنۡ

کر دیا۔ تم اپنی قسموں کو آپس میں اس بات کا ذریعہ بنانے لگو کہ

تَكُوۡنَ اُمَّةٌ هِىَ اَرۡبٰى مِنۡ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبۡلُوۡكُمُ

ایک گروہ دوسرے گروہ پر غالب رہے بے شک اس سے اللہ تمہاری

اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَـكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ مَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ

آزمائش کرتے ہیں اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے ہو قیامت کے دن ضرور ان سب کو تمہارے سامنے

تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۹۲﴾

ظاہر فرما دیں گے۔

اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں وَ لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّتِىۡ نَقَضَتۡ غَزۡلَهَا مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ اَنۡكَاثًا تم اس طرح سے نہ ہو جاؤ جس طرح کسی خاتون نے بڑی محنت و مشقت سے سوت کاتا ہو لیکن پھر اس کو خود ہی توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ اس روئی کے گالے کا ایک ایک ریشہ تو پہلے ہی الگ تھا بڑی محنت اور مجاہدہ سے ان ریشوں کو سوت میں تبدیل کر کے ایک گولا بنا دیا۔ اب خود ہی بیٹھ کر اس گولے کے ٹکڑے کر دیئے۔ اب اس ساری محنت اور مجاہدے کا حاصل کیا ہوا اس کے پاس تو کچھ بھی نہ بچا فرمایا۔

تَتَّخِذُوۡنَ اَيۡمَانَكُمۡ دَخَلًا ۢ بَيۡنَكُمۡ اَنۡ تَكُوۡنَ اُمَّةٌ هِىَ اَرۡبٰى مِنۡ اُمَّةٍ جس طرح ایک جماعت دوسری

جماعت پر غلبہ پانے کے لیے غلط راستے اختیار کرتی ہے، اللہ کے دین کو چھوڑ کر روایات یا رسومات پہ چل کر تم ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے ہو، اپنے آپ کو غالب ثابت کرنے کے لیے غلط باتوں کا اور جھوٹی قسموں کا سہارا لیتے ہو حتیٰ کہ اللہ کا نام تک بیچ کھاتے ہو اور اللہ کے نام پر غلط فیصلے دیتے ہو، غلط طرز عمل اختیار کرتے ہو اور اپنے عمل کو اسلامی ثابت کرنے کے لیے تاویلیں گھڑتے رہتے ہو حالانکہ تمہیں پتہ ہوتا ہے کہ اسلام کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہ سارا حیلہ کیوں کرتے ہیں کہ اللہ کے نام کو درمیان میں لا کر یا اللہ کے نام کی جھوٹی قسمیں کھا کر یا اللہ کے نام کو غلط انداز میں استعمال کر کے اپنا مسلمان ہونا بھی برقرار رکھیں اور دوسرے کو زچ بھی کر دیں اور اسے اپنے سے کمزور بھی ثابت کر دیں اور ہم اس سے ٹکڑے ثابت ہو جائیں فرمایا۔

اِنَّمَا یَبْلُوْکُمُ اللّٰہُ بِہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس امتحان میں بھی ڈالے گا۔ انسانی مزاج بھی یہ ہے کہ جب اس میں تھوڑی سی انانیت آتی ہے پھر وہ اپنے غالب ہونے کے لیے محنت شروع کر دیتا ہے۔ یہ من جانب اللہ انسانوں کے لیے بہت بڑا امتحان ہے کہ بچے کو جب کوئی تمیز نہیں۔ مار کھاتا رہتا ہے۔ جھڑک سنتا ہے لیکن جب تھوڑا سا سمجھ دار ہو جاتا ہے تو اپنے ہم عمروں کو مارنا چاہتا ہے مار کھانا نہیں چاہتا۔ اپنا غلبہ جمانا چاہتا ہے۔ سکول میں ہر بچے کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ پانچ دس لڑکوں پر حکمران ہو کوئی اس پر حکمرانی نہ کرے اسی طرح میدان عمل میں جب آتا ہے تو ہر بندے پہ اللہ کی طرف سے یہ امتحان ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ میں ہوں۔ ساری شہرت میری ہو۔ ساری ناموری میری ہو اور دوسروں کا کچھ نہ ہو۔ فرمایا یہ اللہ کی آزمائش ہے اور اس میں کامیابی یہ ہے کہ اللہ کا نام بلند ہو اس کا بول بالا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت غالب رہے۔ میں رہوں یا نہ رہوں۔ میرا رہنا یا نہ رہنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ مجھ جیسے کروڑوں دنیا میں آ کر چلے گئے کروڑوں دنیا میں موجود ہیں اور کروڑوں آئیں گے اور چلے جائیں گے اور ان کے آنے جانے سے نہ کوئی موسم بدلے گا نہ زمین پہ کوئی بہت بڑا پہاڑ کھڑا ہو جائے گا نہ کسی جگہ کوئی گڑھا پڑ جائے گا۔ کوئی تبدیلی نہیں ہوگی لاکھوں لوگ روزانہ دنیا میں قدم رکھتے ہیں اور لاکھوں زیر زمین چلے جاتے ہیں۔ کسی کے آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انہیں میں سے میں اور آپ بھی ہیں ہم موجود ہیں تو ہیں ہم نہیں ہوں گے تو کوئی جاننے والا بھی نہیں ہوگا۔ اور ہم سے اچھے اچھے گزر گئے کوئی ان کو پہچاننے والا بھی نہیں ہمارا ہونا یا نہ ہونا اس کی حیثیت نہیں ہے حیثیت یہ ہے کہ اگر ہمارے ہونے کی کوئی عظمت ہے تو اللہ کے نام کے ساتھ ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت کے ساتھ ہے کہ اگر ہم نے اپنے آپ کو اس میں فنا کر دیا تو شاید کچھ عرصہ ہمیں کوئی جاننے والا بھی ہو جو اس حوالے سے ہوگا کہ فلاں اللہ کا بندہ تھا فلاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق اور تابعدار غلام تھا۔ تو یہ حوالہ شاید ہماری بقا کا بھی سبب بن جائے ورنہ ہمارا ہونا یا نہ ہونا اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تو اپنی اس عارضی برتری کو ثابت کرنے کیلیے اپنا دین ضائع نہ کرو اللہ کے نام کو بھی بلیک میل نہ کرو اس لیے کہ یہ آزمائش تو انسانی زندگی کا حصہ ہے اور پھر یہیں بات ختم نہیں ہو جاتی۔

وَ لَیُبَیِّنَنَّ لَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ ○ تم کیا ہو اور کیا نہیں ہو اس کا بھی دودھ کا دودھ اور پانی کا

پانی کر دیا جائیگا۔ آج اگر دس آدمیوں پر ہم جھوٹا تسلط جما بھی لیتے ہیں تو کل میدان حشر میں جہاں ساری انسانیت موجود ہوگی اس کا پول کھل جائے گا کہ تمہارے دامن میں کیا ہے۔ تم بھلے ہو یا برے۔ تم اچھے ہو یا خراب۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں منوانا ہی کسی کے بس کا روگ نہیں ہے اور یہاں ہر آدمی اپنی انا میں گرفتار ہے اور اگر دس بندے کسی کو مان لیں تو فردہ قیامت ساری انسانیت کے سامنے وہ پول کھول دیا جائے گا۔ تمہیں بتا دیا جائے گا کہ تم واقعی کیا تھے۔ تمہاری حیثیت کیا ہے تمہارے دامن میں کیا ہے تم کیا کچھ کما کر لائے ہو اور تم نے کیا کیا اور کیا رہ گیا۔ تو جھوٹی انا کی تسکین کیلئے، محض اپنی بڑائی کے لیے، محض اپنی بات منوانے کے لیے اس حد تک چلے جانا کہ دین کے پلیٹ فارم کو بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بھی۔ اللہ کے نام کو بھی اس پر استعمال کر لیا جائے اور اس کے حوالے دے دے کر غلط کو صحیح بھی ثابت کیا جائے تو یہ اسلامی طرز حیات نہیں ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو اور اپنے ان امور میں اصلاح کرو۔

☆ ☆ ☆

اخلاقیات

سبق نمبر ۳۵: سورۃ النحل

آیت ۱۱۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

فَکُلُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّ اشۡکُرُوۡا

پس اللہ نے تم کو جو حلال اور پاکیزہ رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمت پر شکر

نِعۡمَتَ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اِیَّاہُ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۱۱۴﴾

ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

اس آیت مبارکہ کا موضوع تو اخلاقیات ہے لیکن شروع ہو رہی ہے کھانے پینے سے، غذا سے، رزق سے، آخر غذا اور اخلاق کا آپس میں رشتہ کیا ہے۔ اور قرآن حکیم اسے کس نگاہ سے دیکھتا ہے اور اللہ کریم نے اسے کس انداز میں ارشاد فرمایا ہے اخلاقیات میں سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ بندے کا اخلاق اپنے مالک کے ساتھ درست ہو اور جس بندے کی زبان جس بندے کا کردار اپنے مالک کی ناشکری کرتا ہے اس سے کسی دوسرے کے لیے حسن اخلاق کی توقع رکھنا عبث ہے۔ جو بندہ اللہ کے حضور گستاخی کر سکتا ہے یا جس کا کردار اللہ کریم کے ساتھ گستاخانہ ہے یا جس کی زبان بارگاہ الوہیت میں ناشکری کی مرتکب ہوتی ہے اس سے یہ امید رکھی جائے کہ اللہ کریم کے علاوہ کسی اور کے ساتھ اس کے اخلاق اچھے ہوں گے تو یہ مناسب بات نہیں ہے۔ اس لیے اخلاقیات کی بنیاد قرآن حکیم نے بندے کے کردار کے اس پہلو کے ساتھ رکھی ہے جس کا تعلق ذات باری تعالیٰ سے ہے۔ اب یہ تو ایک سمجھ آنے والی بات ہے کہ بندہ اللہ ہی کا شکر ادا نہیں کرنا چاہتا اس پر اللہ سے بڑھ کر اور کس کے احسانات ہوں گے کہ وہ کسی کا شکر ادا کرے پھر اس کا اخلاق ایک کاروبار ہوگا ایک تجارت ہوگی جہاں اس کی کوئی غرض ہوگی وہ بڑا اخلاق نظر آئے گا جہاں اسے کوئی غرض نہیں وہاں اس کا اخلاق بھی نہیں ہوگا یعنی اس کا اخلاق اس کی اغراض کے تابع ہو جاتا ہے اس میں حسن انسانیت یا کمال انسانیت نہیں ہوتا کہ وہ ایک اچھا آدمی ہے اس لیے بااخلاق ہے جیسے آج کل الیکشن کا زمانہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ قومی اسمبلی یا صوبائی اسمبلی کا ہر امیدوار بڑا بااخلاق ہے اور وہی لوگ جب وزارت میں تھے یا اسمبلی میں تھے تو جو بجز و انکساری آج ان کے ملنے میں ہے اس کا نام و نشان بھی نہ تھا بات ہی نہیں سنتے تھے اب وہ گاڑیاں لے کر لوگوں کو تلاش کرتے پھرتے ہیں کہ اسے ضرور مل کر جانا ہے تو

یہ انسانی اخلاق نہیں ہے بلکہ اس بندے کی وقتی ضرورتوں نے اسے با اخلاق بنا دیا تو یہ ایک کاروباری ضرورت ہے، جس کے لیے مزاج بھی نرم ہے جب ضرورت نہیں ہوگی تو مزاج بدل جائے گا۔

اب معاشرے میں اچھی طرح دیکھئے ایک دوکان دار آپ سے بڑی با اخلاق بات کرے گا اس امید پر کہ یہ کوئی چیز خرید لے۔ کہ ٹھنڈا پو چھے گا۔ کرسی پر پنکھوں کے نیچے بٹھائے گا یہ اخلاق نہ تھا اس کی ضرورت تھی اب اسی بندے سے دوسری دکان کا راستہ پوچھیں تو اس کا اصل روپ سامنے آجائیگا کہ یار مجھے تنگ نہ کر کسی اور سے راستہ پوچھ لے یہ ہم روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں محسوس کر سکتے ہیں تو قرآن حکیم کا انداز یہ ہے کہ سب سے پہلے بندہ اپنے مالک کے ساتھ جس کی مخلوق ہے جس کا ہر آن محتاج ہے اخلاق درست کرے اور بندے کا رب کیساتھ اخلاق کیا ہے کہ وہ اپنی زبان سے اپنے قول سے اور اپنے فعل سے بھی اپنے رب کا شکر ادا کرتا رہے بات کرے تو اندازہ ہو کہ اسے اللہ کی عظمت کا اور اپنی احتیاج کا احساس ہے کام کرے تو پتہ چلے کہ اپنے کردار سے بھی اللہ کا شکر گزار ہے۔

یہ بنیاد ہے سارے اخلاقیات کی اب اس کا تعلق کھانے سے کیا ہوگا۔ تو قرآن حکیم ذہن نشین کرانا چاہتا ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کا صرف ایک یہ پہلو نہیں ہے کہ کسی دوسرے کو کوئی تکلیف نہ ہو اور سارے آرام سے اپنا اپنا حق لیتے رہیں اور کسی کا حق نہ مارا جائے بلکہ اس کی اصل فلاسفی اور اس کی روح یہ ہے کہ جو بندہ کسی دوسرے سے چھین کر نوالا کھاتا ہے، کسی دوسرے پر ظلم کر کے کماتا ہے، دوسرے سے کسی ناروا طریقے سے لیتا ہے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ حرام کھانے سے خون بنتا ہے جو گوشت بنتا ہے جو ہڈی بنتی ہے جو دل کی دھڑکن کو بینائی کو، زبان کو، دماغ کو قوت ملتی ہے وہ حرام سے ملتی ہے اس قوت سے بہتر اور نیک نتائج کے میٹھے پھل نہیں لگتے۔ اس پر جو پھل لگتے ہیں وہ بھی کڑوے ہوتے ہیں اور بندہ ناشکر گزار اور نا سپاس ہو جاتا ہے یعنی حرام سے بندے کا معاملہ اپنے مالک کے ساتھ بھی درست نہیں رہتا اور وقتی ضرورت کے تحت کسی مصیبت کا مارا ہوا کسی پریشانی میں گھبرایا ہوا وہ پھر اللہ کو پکارتا بھی رہے تو اسے اللہ کی بارگاہ سے جواب نہیں ملتا۔ جیسا حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے کہ ایک شخص لمبا سفر کر کے آتا ہے اس کے کپڑے اثنائے سفر میں پھٹ جاتے ہیں گرد آلود ہیں پاؤں سوجے ہوئے ہیں بال پریشان ہیں ان میں مٹی جمی ہوئی ہے۔ کئی دن یا کئی مہینے سفر کرتا رہا اور منزلوں پر منزلیں مارتا بیت اللہ میں پہنچا اور بڑی بے تابی سے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے اور پکارتا ہے یا رب یا رب تو اس کی پکار کا کوئی جواب نہیں ملتا اس لیے کہ اس کا کھانا پینا حرام کا ہے یعنی اخلاق جس بنیاد پر ہوتا ہے وہ بنیاد ہی نہیں ہے۔

دور حاضر میں بڑی شکایت یہ ہے کہ اولاد گستاخ ہوگئی بڑھاپے میں خبر گیری نہیں کرتے۔ دین کی بات نہیں سنتے اور کہنا نہیں مانتے لیکن یہ ساری باتیں کرتے وقت ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ جس غذا پر ہم نے اولاد کی پرورش کی وہ کیسی تھی۔ اگر ہم نے ایک بچے کو بچپن سے ہی حرام کھلانا شروع کر دیا اور چوری ڈاکے رشوت اور جھوٹ سے حاصل کردہ غذا پر پال پوس

کرا سے جوان کیا تو وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرے گا۔ آپ کس اُمید پر ہیں کہ وہ آپ کی اطاعت کرے وہ تو اللہ کی اطاعت سے بھی محروم ہو جائیگا۔ میں ایک دفعہ خدام الدین پڑھ رہا تھا۔ مولانا احمد علی لاہوری اس وقت زندہ تھے وہ اپنی عمر کے آخری چار پانچ سالوں میں اپنے مشاہدات بے دریغ بیان کرتے رہتے تھے۔ ساری عمر انہوں نے اس طرح نہیں کیا لیکن آخری چار پانچ سال تو ان کے ضبط کا بندٹوٹ گیا تھا جو بھی مشاہدہ ہوتا وہ سرعام بیان کیا کرتے تھے اور وہ خدام الدین میں چھپتا رہتا تھا ایک دفعہ میری نظر سے گذرا کہ کوئی خاتون ان کے پاس آئی اور کہا کہ میرا بیٹا ولایت میں فوت ہو گیا اس کے لیے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے تو وہ فرمانے لگے بڑی بی تو نے بیٹے کو حرام کھلا کر بڑا کیا اور کفرستان میں بھیج کر اسے حرام موت کے سپرد کیا۔ خود سارے اسباب کیے اس کے دوزخ میں جانے کے اور احمد علی کو کہتی ہے کہ تو دعا کر جنت میں چلا جائے۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ بعد اس کی موت کی تصدیق ہوئی تو پتہ چلا کہ اس نے زہر کھا کر خودکشی کی تھی۔

بنیادی طور پر انسان کی ضرورتیں ہیں اور ان میں بڑی شدت ہے اس کی خواہشات ہیں اور ان میں بڑی قوت ہے اس کے گرد اگرد ان ضروریات کی تکمیل کے اسباب پھیلے ہوئے ہیں اور ان میں بھی رنگینی ہے یہی اس کا امتحان ہے کہ جو قانون اپنی ضرورت کی تکمیل کے لیے رب العزت نے دیا ہے اس کے مطابق اپنی ضروریات پوری کر کے دوسروں کو ان کے جینے کا حق دیتا ہے یا ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنا ہی پیٹ بھرنا چاہتا ہے تو اگر یہاں یہ ڈنڈی مارے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنا مزاج تباہ ہو جائے گا۔

رزق تمہیں اللہ نے دینا ہے ذرائع تم نے اختیار کرنے ہیں تم نے وہ ذرائع حلال اختیار کیے یا حرام یہ تمہاری پسند ہے اگر کوئی رشوت خور رشوت سے پیسے جمع کرنے کی بجائے حلال ذریعے اختیار کرے تو جتنا رزق مقدر ہے اسے ضرور مل جائے گا۔ حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں کہیں سفر پر جا رہے تھے۔ نماز کا وقت ہو گیا۔ ایک بندے کے ہاتھ میں سواری کی لگام دے کر آپ مسجد میں چلے گئے دوگانہ ادا فرمایا باہر آئے تو سواری کھڑی تھی بندہ غائب تھا اور لگام اتار کر لے گیا تھا انہوں نے کچھ درہم جیب سے نکال کر ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے کہ اس بندے کا اتنا وقت میں نے لیا ہے یہ اسے دے دوں گا۔ آپؓ بازار کیطرف نکلے تو آگے دوکان پر وہی لگام لٹکی ہوئی تھی قیمت پوچھی تو وہ اس رقم سے آدھی تھی جو انہوں نے اسے دینے کے لیے نکالی تھی تو ناجائز ذریعے سے آدھی ملی تو فرمایا رزق چھین کوئی نہیں سکتا ہر ایک بندے کا اپنا حصہ ہی اسکو ملتا ہے بعض اوقات ایک آدمی کروڑ پتی ہوتا ہے لیکن بے چارا ڈھیر لگا کر مر جاتا ہے جن کا حصہ ہوتا ہے انہی کو جا کر پہنچتا ہے ہر بندہ وہی کھا سکتا ہے جو اس کے وجود کا حصہ مقدر ہو چکا ہے۔ ناجائز ذرائع اختیار کرنے سے رزق میں برکت نہیں ہوتی جائز ذرائع اختیار کیے جائیں تو اس میں برکت بھی ہوتی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ صرف حلال ہی نہیں اس پر ایک قید اور اللہ نے بڑھا دی ہے فرمایا وہ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا حلال ہو اور اس کے ساتھ طیب بھی ہو، پاکیزہ بھی ہو، آپ حلال کما کر

لائے اور اسے آپ نے ناپاک ہاتھوں سے پکالیا یا ناپاک برتن میں پکالیا ناپاک پانی سے اسے پکالیا تو اس میں بھی حلال والی تاثیر نہیں رہے گی۔ اس کا اثر اس طرح سے بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ ہمارے ہاں گھروں میں خواتین نماز ادا نہیں کرتیں یا پاکیزگی کا خیال نہیں رکھتیں۔ اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ حلال کما کر لانے والے گھروں میں بھی وہ برکت نہیں رہتی اور اولاد کی تربیت اس انداز سے نہیں ہو پاتی جس انداز سے ہونی چاہیے تو حلال اور طیب اگر کھاؤ گے وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ تو تم اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کر پاؤ گے گویا شکر نعمت کی بنیاد واستوار ہو جائے شکر نعمت کا احساس بیدار ہوگا اور توفیق عمل ارزاں ہوگی جو اعلیٰ اخلاق کی بنیاد ہے۔

☆ ☆ ☆

اخلاقیات

سبق نمبر ۳۶: سورۃ النحل

آیات ۱۲۷ تا ۱۲۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا

اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور ان پر غم نہ کیجئے اور جو

تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿١٢٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ

کچھ یہ تدبیریں کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہوئیے۔ بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ

الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿١٢٨﴾

ہوتے ہیں جو پرہیزگار ہوتے ہیں اور جو خلوص دل سے نیک کام کرنے والے ہوتے ہیں۔

فرمایا بظاہر یہ نظر تو آئیگا کہ بہت سی نعمتیں ایسی ہیں کہ دوسرے لے گئے اور ہم اس سے محروم رہ گئے تو اس پر اپنے آپ کو روکنا ہوگا اس لیے کہ ہم دال روٹی کیلئے پیدا نہیں کئے گئے۔ ہم اللہ کی طلب اور اس کی رضا کی طلب کے لیے پیدا کئے گئے ہیں۔ ہمارا مقصد حیات یہ نہیں ہے کہ ہم نے کتا لذیذ کھانا کھالیا ہے۔ ہمارے ایک گاؤں کا بندہ جو بڑی حد تک معذور ہے بازو اور ٹانگیں بچپن سے فالج زدہ سی ہیں بڑی مشکل سے چلتا ہے اور عموماً دیکھوں یہ کنڈیکٹری سی کرتا رہتا ہے ڈرائیونگ کر نہیں سکتا کہ ہاتھ پاؤں کام نہیں کرتے لیکن مرغ یا چھوٹے گوشت کے بغیر کھانا نہیں کھاتا اور وہ بھی بھنا ہوا ہونا چاہیے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس بندے کو دیکھو یہ خدا کا شکر اس بات پر ادا نہیں کرتا کہ معذور ہونے کے باوجود اسے گدا نہیں کرنا پڑ رہا کوئی نہ کوئی وسیلہ اس کے رزق کا بنا دیتا ہے کچھ باپ کی زمینداری ہے کچھ غلہ آجاتا ہے حالانکہ اس جیسے لوگ بھکاری ہیں لیکن کھانے کا معیار اس کے باوجود اسے سجدہ کرنے کی توفیق نہیں ہے۔ میں نے نمازادا کرتے نہیں دیکھا اسے بھی اس سے غرض نہیں کہ یہ حلال ہے اور پاکیزہ بھی ہے یعنی دنیاوی لذت پیش نظر ہے حلت وحرمت کا کوئی تصور نہیں یہ ایک عام سی مثال ہے کہ جب انسان گرتا ہے تو اس کی زندگی کا معیار یہ ہو جاتا ہے کہ میں کتا لذیذ کھانا کھا رہا ہوں۔

ہاں اگر انسانیت نصیب ہو تو زندگی کا یہ معیار ہوتا ہے کہ کھانا تو زندگی باقی رکھنے کے لیے ہے میری عملی زندگی کس

طرف جارہی ہے اور مجھے اللہ کا شکر ادا کرنے کی کتنی توفیق ہے۔ لذات کا جو تصور یا معیار ہے وہ بدل جاتا ہے کچھ لوگوں کی لذات کا معیار کھانے پینے کی اشیاء میں ہوتا ہے اور دوسری قسم کے لوگوں کا معیار لذت کردار، تفکرات، تجلیات اور ایمانیات کی طرف چلا جاتا ہے۔ اگر اس طرف حسن ہو تو انہیں کھانے سے غرض نہیں ہوتی کھانا زندگی کی بقا کے لیے ہے زندگی کھانے کے لیے نہیں ہے زندگی کو کھانے پر نچھاور کر دیا جائے کھانا زندگی کیلئے ہے کہ اتنا ملتا رہے جس سے رشتہ حیات باقی رہے تو ان حالات میں جب آدمی اپنے اردگرد دیکھتا ہے کہ ایسے لوگ اس طرح سے موج کر رہے ہیں تو انسان ہوتے ہوئے اس میں بھی خواہش پیدا ہو تو فرمایا صبر ذرا اپنے آپ کو تھام کے رکھو اور یہ صبر بھی تو نے اللہ کے لیے کرنا ہے۔ وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ تیرا صبر اللہ کے ساتھ ہے اللہ کے ساتھ تیرا جو رشتہ ہے اس سے اللہ تجھے تو فیق بھی دیگا اور تیرے صبر کرنے کا حاصل بھی اللہ تعالیٰ اور رضائے الٰہی ہے یعنی اس صبر کرنے پر تجھے اللہ کی رضا بھی نصیب ہوگی اور جو لوگ اللہ کی یاد کو یا ایمان کو فراموش کر کے کردار کو ضائع کر کے محض دولت جمع کرنیکے لیے یا محض شکم پوری کرنے کے لیے حرام حلال جائز ناجائز کھاتے رہتے ہیں تو فرمایا وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ ان کی بھی فکر نہ کر نہ تو ان کی ریس میں مبتلا ہو اور نہ تو ان کے لیے پریشان ہو۔ اس لیے کہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں اللہ کا معاملہ ان کے ساتھ اپنے تو اپنی فکر کر۔ کسی پر فتوے بھی نہ دے کسی جیسا بننے کی کوشش نہ کر۔

اگر ہم اپنی زندگی سے یہ دو چیزیں نکال سکیں ایک دوسروں پر فتوے بازی فلاں ایسا ہے فلاں ویسا ہے یا پھر دوسروں جیسا بننے کی خواہش کہ میں بھی ان جیسا نظر آؤں تو ۹۹ فی صد زندگی کے مسائل ختم ہو جاتے ہیں ہمارے ایک دوست ہائی کورٹ میں جج تھے یہاں تشریف لائے اور بڑے پریشان تھے کام کی ذمہ داری بھی ہے پھر اور بہت سی مصیبتیں ہیں گھریلو امور ہیں یہ فساد ہے وہ ہنگامہ ہے فرمایا مجھے کوئی حل بتایئے میں نے کہا یار پہلے آپ ایسا کریں کہ جو غیر متعلقہ امور میں آپ الجھے ہوئے ہیں ان کو چھوڑ دیں۔ یعنی آپ صرف وہ مسئلہ زیر بحث لائیں جس کا تعلق آپ کی ذات سے ہو جو مسائل آپ کی ذات سے متعین نہیں ہیں ان کو چھوڑ دیں تو انہوں نے پوچھا کیسے تو میں نے کہا بھائی میں تمہیں اپنی مثال دیتا ہوں میرے اپنے گھر میں بھی یہ حال ہے کہ میری بیوی بچوں کو یہ پتہ ہے کہ میرے ساتھ انہوں نے وہ بات کرنی ہے جس کا تعلق میرے ساتھ ہے۔ اگر کسی بات کا تعلق میرے ساتھ نہیں اس میں مجھے انہیں ہاں نہ کا جواب نہیں دینا تو میں ایسی باتیں سننے کا عادی نہیں ہوں نہ میرے پاس فرصت ہوتی ہے نہ انہیں بتانے کی اجازت ہے نہ وہ کرتے ہیں تو تم بھی اگر ایسا کر سکو کہ صرف وہ باتیں سنو جو تمہارے ساتھ متعلق ہیں جن کا تعلق براہ راست آپ کے ساتھ نہیں ہے اس میں اپنا وقت نہ لگائیں تو جو باتیں رہ جائیں گی اگلی ملاقات پر ان پر بحث کریں گے کہ آپ کے کتنے مسائل باقی ہیں ان کی کیا صورت ہونی چاہیے کوئی دو تین مہینے بعد وہ پھر آئے تو کہنے لگے کہ اب کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

یہی بات یہاں اللہ کریم نے ہمیں تعلیم فرمائی ہے کہ اگر دوسروں پر فتوے لگانا یا دوسروں جیسا نظر آنا یہ دو باتیں چھوڑ

سکو اگر کوئی ناشکری کر رہا ہے تو اللہ کا معاملہ اس کے ساتھ ہے حساب اس نے اللہ کریم کو دینا ہے۔ کھا اللہ کا رہا ہے ناشکری اس کی کر رہا ہے تو آپ اس پر فتویٰ لگانے کی کیوں زحمت کرتے ہیں اسے اس کے اللہ کے سپرد کریں وہ جانے اس کا رب جانے یا دوسرا کوئی کروفر سے جیتا ہے تو اس نے اپنا حساب دینا ہے آپ اپنے وسائل کے اندر رہ کر اپنی حیثیت کے مطابق زندگی گزاریں۔ اس جیسا بننے کے لیے کیوں اپنا ماتھا توڑ رہے ہیں فرمایا اگر یہ باتیں چھوڑ دیں تو پھر جو کچھ لوگ تمہارے لیے بداندیشی کریں گے اس کا فکر بھی چھوڑ دیں اس کے لیے بھی اللہ کافی ہے اللہ نے کتنی بڑی ذمہ داری لی ہے کہ آپ اگر دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانا چھوڑ دیں تو پھر دوسرے آپ کے خلاف جو سازشیں کرتے ہیں جو ان کے ذہنوں میں لاوہ پکتا ہے آپ کو ایذا پہنچانے کے جو منصوبے بناتے ہیں اس کی فکر بھی چھوڑ دیں پھر ان کے لیے میں کافی ہوں گویا سارے مسئلے سارا جھنجھٹ ختم ہو گیا اور فرمایا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا۔ جو لوگ تقوے کا راستہ اختیار کرتے ہیں اللہ ذاتی طور پر ایسے لوگوں کے ساتھ ہے اَلَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ جو لوگ خلوص سے دل کی گہرائی سے نیکی کا راستہ اختیار کرتے ہیں انہیں اللہ کی معیت ذاتی حاصل ہوتی ہے اور وہ زندگی موت اور مابعد الموت میں کامیاب رہتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

اسباق نصاب حدیث

حدیث نمبر۱

''عَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ''مَنْ مَاتَ وَھُوَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ''

(مشکوٰۃ، کتاب الایمان، الفصل الثالث)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کو یقین ہو کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں وہ جنت میں داخل ہوگا''

شرح:۔ اس حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حقیقتوں کی نشاندہی فرمائی ہے اول یہ کہ زندگی توحید خالص کے عقیدے پر گزارے، دوم یہ کہ اس عقیدہ پر موت آئے یعنی مرتے دم تک اس عقیدے پر قائم رہے۔ حدیث میں ایک لفظ ''یعلم'' آیا ہے جس کے لفظی معنی ہیں وہ جانتا ہے۔ مگر یہاں جہالت کے مقابل علم نہیں بلکہ علم کا مطلب صدق دل سے یقین ہونا ہے جیسا کہ شیخین کی ایک حدیث میں ''صدقا من قلبہ'' کے الفاظ آئے ہیں اور مسند احمد کی ایک روایت میں ''صادقا بھا'' کے الفاظ آئے ہیں۔ اس لئے لفظ علم سے مراد یہ ہے کہ وہ صدق دل سے اور پورے یقین سے توحید کا عقیدہ رکھتا ہے۔

عقیدہ میں ایک ایسی قوت ہوتی ہے جو انسان کو عمل پر ابھارتی ہے اس لئے ایمان صرف جاننے اور ماننے کا نام نہیں ہے بلکہ حقیقی ایمان وہ ہے جو انسان کو عمل کے لئے ابھارے بلکہ اسے عمل کرنے پر مجبور کر دے پس یہاں جاننے سے مراد دلی یقین اور اس یقین کے مطابق عمل بھی ہے۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ اعمال کا مدار خاتمہ پر ہے۔ پس آخرت کی زندگی کے راحت و آرام کا تعلق حسین خاتمہ سے ہے۔ اگر کوئی شخص زندگی بھر توحید پر قائم رہا مگر آخر عمر شرک میں مبتلا ہو گیا اور اسی شرک پر اس کا خاتمہ ہوا تو وہ اللہ کریم کے ہاں موحد شمار نہیں ہوگا۔ تو اس حدیث میں تاکید اس بات کی ہے کہ آدمی پوری کوشش کرے کہ مرتے دم تک عقیدہ توحید پر قائم رہے اور اس کے تقاضے پورے کرتا رہے۔ ایسے شخص کے لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگی جنت کی بشارت دے دی ہے۔

حدیث نمبر۲:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ''اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَۃً وَالْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ''

(مسلم، باب بیان عدد شعب الایمان حدیث نمبر ۵۷)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: ''ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے (شاخیں) ہیں اور حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے''

شرح: شعبہ کے معنی شاخ ہے اور شاخ درخت کی ہوتی ہے اور شاخ کا وجود اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ اس درخت کی جڑ زمین کے اندر پوشیدہ ہے جو درخت کی ہر شاخ اور ہر پتے کو خوراک پہنچا رہی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کی جڑیں دل کی گہرائیوں میں ہوتی ہیں اور اس درخت کی شاخیں اور پتے وہ اعمال ہوتے ہیں جو انسان اعضا و جوارح سے کرتا ہے ان اعمال ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کا بیج اور جڑ کس قسم کی ہے۔ انسان کے اعمال کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو اس کی شخصی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں کچھ گھریلو زندگی سے کچھ اجتماعی زندگی سے اسی طرح کسی کا تعلق عقیدہ سے ہوتا ہے، کسی کا عبادات سے، کوئی معاملات سے، تعلق رکھتا ہے کوئی اخلاق سے اور وہ سب اعمال۔ ایمان کی شاخیں ہوتی ہیں جن کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر سے زیادہ فرمایا ہے۔

ایک شاخ حیاء ہے۔ یہ حیا کیا چیز ہے یہ دراصل دل کی ایک خاص کیفیت اور حالت کا نام ہے اس کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ انسان جب کوئی کام یا بات کرنے لگے اور اسے محسوس ہو کہ اس کام یا بات کے کرنے سے اللہ کریم ناراض ہوگا کیونکہ یہ اسے پسند نہیں تو وہ اس کام یا بات کے کرنے سے رک جائے۔ اس کو حیا کہتے ہیں ظاہر ہے کہ ایسا کرنا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ آدمی کے دل میں یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے میں اس کا بندہ ہوں۔ مجھ سے ایک روز اس کے متعلق باز پرس ہوگی اور وہ رک جاتا ہے اسی کا نام ایمان ہے۔

حیا کی ایک اور قسم بھی ہے کہ انسان کسی معاشرہ میں اس کام کے کرنے سے باز رہے جو اس معاشرہ کے افراد کے ہاں معیوب سمجھا جاتا ہے کسی عارف نے کہا ہے۔

جس کو خدا کی شرم ہے وہ ہے بزرگ دین
دنیا کی جس کو شرم ہے مرد شریف ہے
جس کو کسی کی شرم نہیں اس کو کیا کہوں
فطرت کا وہ رذیل ہے دل کا کثیف ہے

☆☆☆

حدیث نمبر۳:

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِي قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" قُلْ لِّيْ فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا اَسْئَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَکَ وَفِيْ رِوَايَةٍ غَيْرَکَ" قَالَ" قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ"

(مشکوٰۃ، کتاب الایمان، الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت سفیان بن عبداللہ الثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام کی ایسی بات بتائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی سے نہ پوچھوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو کہہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر پکا ہو جا"

شرح: اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ ایک شخص نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات بتایئے کہ اس کے بعد مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت باقی نہ رہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا معلوم ہوا کہ یہ بات سارے دین کا خلاصہ، اس کی اصل اور اس کی جڑ ہے کہ انسان سچے دل سے اللہ پر ایمان لائے پھر اس پر مرتے دم تک جما رہے ظاہر ہے کہ زندگی تو اعمال سے مرکب ہے تو سچے دل سے کہہ دینے میں اور اس کہے پر قائم رہنے سے زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے معلوم ہوا کہ سچے دل سے یہ کہنا دراصل ایمان باللہ ہے اور اس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کہنے والا عہد کرتا ہے کہ میں اب صرف اللہ کی بات مانوں گا۔ اور یہ کوئی آسان کام نہیں بلکہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے پھر اس پر قائم رہنا تو اور بھی مشکل ہے کیونکہ اس راہ میں کئی رکاوٹیں ہیں۔ مثلاً سب سے پہلے تو خواہشات نفس ہیں جن کا حال یہ ہے کہ ہر خواہش کا تقاضہ ہوتا ہے کہ اسے پورا کیا جائے اور جب ایک خواہش پوری کی جائے دو اور ابھر آتی ہیں اور کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ:

گھٹتا جاتا ہے خط پیمانہ
بڑھتی جاتی ہے تشنگی ساقی

دوسری رکاوٹ رسم و رواج ہے۔ تیسری رکاوٹ ماحول ہے چوتھی رکاوٹ سوسائٹی ہے غرض قدم قدم پر اطاعت الٰہی کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی ہوتی رہتی ہیں اس لئے استقامت بڑا ہی کٹھن معاملہ ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ بوڑھے ہو گئے ہیں فرمایا ہاں سورۃ ھود اور اس جیسی سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ مفسرین یہ لکھتے ہیں کہ سورۃ ھود میں حکم ہے "فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ" یعنی اے میرے نبی! جیسا آپ کو حکم دیا گیا ہے اس پر قائم رہیے تو یہ استقامت اور اللہ کی اطاعت پر قائم رہنا بڑا کٹھن ہے اور اسی کی ضرورت ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ کے بندوں کی یہی نشانی

بیان ہوئی ہے۔ ''اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا'' (حٰمٓ سجدہ: ۳۰) یہ حدیث دراصل اسی آیت کی شرح ہے۔

حدیث نمبر ۴:

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ''اَلطِّیَرَۃُ شِرْکٌ'' ثَلَاثًا

(مشکوٰۃ، کتاب الفال والطیرۃ، الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بدشگونی شرک ہے۔ تین بار دہرایا''

شرح: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا ایک پہلو یہ ہے کہ انسان دل سے یقین رکھے کہ دنیا کا نظام اللہ کے حکم سے چل رہا ہے۔ اس نظام میں نہ کوئی رکاوٹ پیدا کرسکتا ہے نہ کوئی طاقت اسے بدل سکتی ہے وہ جو چاہے وہی ہوتا ہے۔ اس کا نام توحید ہے۔

اس کے مقابلے میں یہ یقین ہے کہ بے شمار ایسی طاقتیں ہیں جو اس نظام میں موثر ہوتی ہیں ان کی مرضی چلتی ہے۔ وہ جو چاہتی ہیں وہی ہوتا ہے اس کا نام شرک ہے۔

بدفالی اس دوسری قسم سے تعلق رکھتی ہے بعض افراد نے اور بعض اقوام نے اپنے طور پر طے کرلیا ہوتا ہے کہ اگر فلاں نشانی ظاہر ہو تو فلاں مصیبت آتی ہے مثلاً بلی سامنے سے گزر جائے۔ فلاں آدمی صبح سویرے سب سے پہلے مل جائے۔ فلاں پرندہ منڈیر پر بیٹھ کر بولے۔ تو یہ مصیبت آتی ہے اس کو بدفالی کہتے ہیں اور یہ یقین رکھنا دراصل اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان ان چیزوں کو نظام کائنات میں موثر بالذات سمجھتا ہے یہی تو شرک ہے۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین دفعہ فرمائی جس سے اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ بات معمولی سی ہے مگر اس کا اثر نہایت بھیانک اور دوررس ہے یہ دراصل ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے ایمان کی پختگی کی دلیل تو یہ ہے کہ آدمی کو یقین ہو کہ اللہ نہ چاہے تو دنیا کی کوئی طاقت نہ کبھی کوئی نفع پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔ لہٰذا بدفالی کا وہاں گزر ہی نہیں ہوتا۔

حدیث نمبر ۵:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم'' اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰہِ مَسَاجِدُھَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰہِ اَسْوَاقُھَا''

(مشکوٰۃ، باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آبادی میں اللہ تعالیٰ کے

نزدیک سب سے پسندیدہ جگہیں مسجدیں ہیں اور ناپسندیدہ جگہیں وہاں کے بازار ہیں''

شرح: اس حدیث میں کئی حقائق سمو دیئے گئے ہیں۔

۱۔ دو جگہوں کا ذکر ہے۔ مسجد اور بازار۔ ان دونوں کی خصوصیات پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ مسجدوں میں اللہ کی عبادت ہوتی ہے اللہ کا ذکر ہوتا ہے اس کی یاد ہوتی ہے۔ بازاروں میں دولت سمیٹنے پر نگاہ ہوتی ہے۔ جھوٹ اور جھوٹی قسموں کے ذریعے سودے بکتے ہیں۔ ملاوٹ کر کے دھوکے سے مال بیچا جاتا ہے۔ ماپ تول میں کمی ہوتی ہے بحث وتکرار ہوتا ہے۔ حلال وحرام کی تمیز نہیں ہوتی جائز وناجائز کا احساس نہیں ہوتا۔ غرض دنیا ہی دنیا ہے آخرت کا تصور تک مفقود ہوتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی پسند وناپسند کا بیان ہے ظاہر ہے کہ جو جگہ اللہ کو پسند ہے وہ اعلیٰ ہے اور جو ناپسند ہے وہ ادنی اور گھٹیا ہے۔

۳۔ اللہ کی پسندیدہ جگہ وہ ہے جہاں بندے کا تعلق اپنے رب سے پختہ ہو۔ اسے اللہ کا قرب حاصل ہو اور اس کی یاد میں لگا رہے اور ناپسندیدہ جگہ وہ ہے جہاں جا کر انسان اپنے رب سے غافل ہو جائے اور آخرت کی فکر آنکھوں سے اوجھل ہو جائے۔

۴۔ حدیث کا اسلوب بیانیہ ہے مگر درحقیقت یہ حکم ہے کہ اللہ کے بندوں کو چاہیے کہ اپنی پسند وناپسند کے معیار کو اللہ کی پسند وناپسند کے مطابق بنائیں اور یہ کہ اللہ کی یاد سے کسی لمحے غافل نہ ہوں۔

حدیث نمبر ۶:

عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ''اِنَّ الرِّزْقَ لَیَطْلُبُ الْعَبْدَ کَمَا یَطْلُبُہٗ اَجَلُہٗ''

(مشکوٰۃ، حدیث نمبر ۵۳۱۲، باب التوکل والصبر، الفصل الثالث)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رزق انسان کو اس طرح تلاش کرتا ہے جس طرح موت اسے تلاش کرتی ہے''

شرح: اس حدیث میں رزق اور موت کا تقابل کر کے ان دونوں میں مماثلت بیان فرمائی گئی ہے مگر انسان کا رویہ ان دونوں کے متعلق مختلف ہوتا ہے موت انسان کی تلاش میں ہے۔ مگر یہ نہیں کہ جب انسان موت کے ہتھے چڑھ جائے اسے دبوچ لے بلکہ موت خواہ اسے کتنی آسانی سے پالے وقت مقررہ سے پہلے انسان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی اور اسی طرح وقت مقررہ سے ایک لمحہ بھر تاخیر بھی نہیں کر سکتی۔ تو گویا انسان ہر وقت موت سے بھاگتا پھرتا ہے۔ نہیں بلکہ وہ صرف اتنا کرتا ہے کہ زندگی کو برقرار رکھنے

کی جو صورتیں ہیں انہیں عمر بھر اختیار کرتا ہے اور تلاش کرتا رہتا ہے۔

اسی طرح رزق بھی انسان کی تلاش میں ہے۔ مگر یہ نہیں کہ رزق ایسا کمزور اور بھولا بھالا ہے کہ انسان اسے ملتا ہی نہیں یا ایسا چالاک ہے کہ انسان پر برس پڑتا ہے بلکہ جتنا جس انسان کو رزق ملتا ہے وہ مل کے رہتا ہے نہ کم نہ زیادہ مگر انسان ہے کہ رزق کی تلاش میں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا چلا جا رہا ہے اور دونوں ہاتھوں سے سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے جائز و ناجائز کی حدود کی پروا نہیں کرتا حالانکہ اسے ملنا وہی ہے اور اسی وقت ملنا ہے جو اس کے لئے مقرر ہو چکا ہے۔ لہٰذا انسان کا کام یہ ہے کہ رزق ملنے کے جو جائز ذریعے اسلام نے مقرر کئے ہیں ان کو اختیار کرے اور جتنا مل جائے اس پر قناعت کرے کیونکہ اس سے کم یا زیادہ اسے ایک پائی بھی نہیں ملے گی۔ یوں سمجھئے کہ سارا نظام (Computerise) ہو چکا ہے۔ بس اسی کے مطابق ملے گا۔

حدیث نمبر ۷:

''عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ''مَنْ کَانَ اٰخِرُ کَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ''

(مشکوٰۃ، باب ما یقال من حضرہ الموت۔ الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کی آخری بات (مرتے وقت) لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہو گیا''

شرح: توحید کا عقیدہ اپنانے اور اس پر قائم رہنے کے متعلق احادیث بیان ہو چکی ہیں۔ اس حدیث میں یہ اصول بتایا گیا ہے کہ ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْم'' (صحیح ابن حبان) یعنی اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہوتا ہے۔ یعنی خاتمہ اگر اچھے عمل پر ہوا تو وہ جیت گیا اور اگر خاتمہ برے عمل پر ہوا تو وہ ناکام ہوا۔

یہ مثال تو ہمارے سامنے آیا کرتی ہے۔ ایک طالب علم سارے سال سکول کے ہر امتحان میں نہایت اچھے نمبروں پر پاس ہوتا ہے مگر سالانہ امتحان میں پرچہ خراب لکھتا ہے تو وہ یقیناً فیل ہوگا اور اگر سال بھر سکول کے امتحانات میں کوئی اچھا نتیجہ نہیں دکھاتا مگر آخر میں خوب محنت کر کے سالانہ امتحان میں اچھا پرچہ کرتا ہے تو وہ یقیناً پاس ہوگا۔ اسی لئے کسی عارف نے کہا ہے:

پانی بھرن پنہاریاں رنگا رنگ گھڑے
بھریا اس دا جانیئے جس دا توڑ چڑھے

اس لئے مقدور بھر اللہ کی اطاعت میں لگے رہنا چاہیے اور اللہ سے دعا کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ کریم خاتمہ ایمان پر کرے۔

حدیث نمبر۸:

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" مَفَاتِیْحُ الْجَنَّۃِ شَھَادَۃُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ"

(مشکوٰۃ، کتاب الایمان۔الفصل الثالث حدیث نمبر۴۰)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جنت کی کنجیاں لا الہ الا اللہ کی گواہی ہے"

شرح: چابی کا تعلق تالے سے ہوتا ہے اور اس تعلق کا اثر یہ ہے کہ چابی سے تالا کھلتا ہے اور تالا کھولنے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مکان میں داخل ہوا جا سکے۔

جنت کوئی شاملات دیہہ نہیں کہ جس کا جی چاہے اور جب چاہے اس میں گھس جائے بلکہ اس کا ایک مالک ہے اور اس نے اس کو مقفل کر رکھا ہے کیونکہ وہ بڑی قیمتی اور پر کیف جگہ ہے اس لئے اس کا مالک جسے جنت دینا چاہتا ہے اسے تالے کی چابی عنایت کر دیتا ہے کہ جاؤ تالا کھول کر اندر چلے جاؤ یہ تمہیں الاٹ کر دی گئی ہے۔

اس حدیث میں اسی چابی کا ذکر ہے۔یہ چابی حاصل کرنے کا ایک سلیقہ ہے اور وہ یہ کہ دل کے یقین کے ساتھ زبان سے شہادت دے کہ عبادت کے لائق اللہ کے سوا کوئی نہیں پھر اس دعویٰ کے ثبوت میں زندگی گزار دے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت مطلق نہ کرے یہ نہ ہو کہ زبان سے تو یہ شہادت دیتا رہے اور عملاً عمر بھر اس کے علاوہ دوسروں کی عبادت کرتا رہے۔ایسا کرنا منافقت اور بے وفائی ہے ایسا کرنے سے وہ چابی نہیں ملتی۔یعنی یہاں اداکاری نہیں چلتی کھرا سکہ چلتا ہے۔

حدیث نمبر۹:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّۃُ الْکَافِرِ"

(مشکوٰۃ، کتاب الرقاق۔الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے"

شرح: قید خانہ محض دو لفظوں کا ایک مرکب نہیں بلکہ اس کے ساتھ کچھ معانی اور کچھ کیفیتیں وابستہ ہیں۔مثلاً۔

۱۔ وہ جگہ جہاں کسی قسم کی آزادی نہ ہو۔کھانے پینے، سونے جاگنے، آنے جانے چلنے، پھرنے غرض ہر قسم کی پابندی ہو۔

۲۔ گھر سے دور، عزیزوں سے الگ تھلگ رہنا ہو۔

۳۔ ناپسندیدہ ماحول۔ مومن کے لئے یہ دنیا قید خانہ اس لئے ہے کہ:

۱۔ اس کا اصل وطن وہ ہے جہاں اسے ہمیشہ رہنا ہے یعنی جنت

۲۔ وہ یہاں ایک محدود عرصہ کے لئے آیا ہے۔

۳۔ یہاں اسے مشقت اور محنت کرنی ہے تاکہ وہ اپنے وطن میں جا کر راحت سے رہنے کا سامان کر سکے۔

۴۔ اسے وطن کی یاد ستاتی ہے۔ اس لئے اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ "الموت جسد یوصل الحبیب الی الحبیب" یعنی موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔ وہاں اسے دیدار باری اور اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت نصیب ہوگی۔

اس کے برعکس کافر کے لئے اس زندگی کے علاوہ کسی دوسری زندگی کا تصور ہی نہیں اس لئے اس کی ساری دوڑ دھوپ دنیوی لذتوں کے حصول میں صرف ہوتی ہے اور وہ اسی میں مست رہتا ہے اور اسی کو عیش و راحت کی انتہا سمجھتا ہے پھر مرنے کے بعد اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا وہاں جا کر اسے اور زیادہ شدت سے احساس ہوگا کہ دنیا میں تو سب عیش میسر تھا جو یہاں جنتیوں کو میسر ہے مگر وہ عارضی تھا اور یہ عذاب دائمی ہے۔ اس لئے کافر کے لئے یہ دنیا نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے جنت ہے۔

حدیث نمبر ۱:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "اَلَا اِنَّ الدُّنْیَا مَلْعُوْنَةٌ وَمَلْعُوْنٌ مَا فِیْهَا اِلَّا ذِکْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَ عَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ"

(مشکوٰۃ، باب الرقاق۔ الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خبردار! بے شک دنیا کی محبت اللہ سے دوری ہے سوائے اس کے کہ اللہ کا ذکر ہو، اس سے محبت ہو، اور علم سکھایا جائے اور علم سیکھا جائے"

شرح: دنیا جو اتنی منحوس ہے اس کی حقیقت کیا ہے۔ کیا یہاں موجود ہونا اور زندگی بسر کرنا دنیا ہے؟ کیا مال و دولت کمانا دنیا ہے؟ کیا کارخانے چلانا دنیا ہے؟ کیا جاگیر بنانا دنیا ہے؟ کیا غربت و افلاس کا شکار ہونا اور خانہ بدوش کی زندگی بسر کرنا دنیا ہے؟

ان سب اور ان جیسے دوسرے سوالوں کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی حالت بھی دنیا نہیں تو دنیا کیا ہے دنیا یہ ہے کہ آدمی ان میں سے جس حالت میں ہو اگر وہ اپنے رب سے غافل اور آخرت کی فکر سے بے نیاز ہے اور دنیوی لذتوں پر مرتا ہے تو وہ جس حالت میں بھی ہے وہ دنیا ہے سچ فرمایا عارف نے۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ فرزند و زن

یعنی یہاں جو کچھ ہے کام لینے کے لئے ہے دل دینے کے لئے نہیں۔ پس اگر انسان اللہ کی یاد سے غافل نہیں اللہ کی محبت سے خالی نہیں تو وہ دنیا میں رہ کر بھی دنیا کی آلائشوں سے پاک ہے۔ اس حالت تک پہنچنے کے لئے علم کی ضرورت ہے اور علم سے مراد وہ علم ہے جو انسان کو یہاں رہ کر زندگی بسر کرنے کا وہ سلیقہ سکھائے جس سے آخرت کی ابدی زندگی عیش سے گزار سکے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ علم نہیں معلومات ہیں اور علم سیکھنے کے لئے کوئی سکھانے والا درکار ہے۔ لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم سیکھنے اور سکھانے یعنی دونوں حالتوں کو دنیا سے خارج قرار دیا ہے۔

لہٰذا جوان میں سے کسی حالت میں ہے وہ بھی ملعونیت کے دائرے سے خارج ہے۔

حدیث نمبر ۱۱:

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَجُلاً سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:
"مَاالْاِیْمَانُ؟ قَالَ اِذَا سَرَّتْکَ حَسَنَتُکَ وَسَائَتْکَ سَیِّئَتُکَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ"

(مشکوٰۃ۔ کتاب الایمان۔ الفصل الثالث نمبر ۴۵)

ترجمہ: حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی کر کے تیرا جی خوش ہو اور برائی کر کے تجھے ندامت ہو تو تو مومن ہے۔

شرح: نیکی کسے کہتے ہیں؟ جو کام اللہ کریم کو پسند ہو اس طریقہ سے کرنا جو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے نیکی کہلاتا ہے ہاں جس کام کے کرنے کا کوئی خاص طریقہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر نہ فرمایا ہو اس کام کے کرنے کے لئے ایسا طریقہ ایجاد کرنا جو شریعت کی روح سے متصادم نہ ہو نیکی ہی شمار ہوگا۔ جیسے جہاد کے لئے نئے ہتھیار ایجاد کرنا وہ جہاد دشمنان اسلام کفار کے خلاف ہو یا دشمن ازلی ابلیس کے خلاف ہو۔

ایسا کام کرنے سے خوشی محسوس ہونا ایمان کی نشانی ہے۔ وہ اس لئے کہ ایسا کام کرنے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ کام چونکہ میرے رب میرے محبوب کو پسند ہے اس لئے وہ خوش ہوگا اور محبوب کے خوش ہونے سے بڑی خوشی اور کونسی ہو سکتی ہے اور رب کا محبوب ہونا ہی تو ایمان ہے "وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ" (البقرہ:۱۶۵) اس کے برعکس برائی وہ ہے جو اللہ و رسول کو پسند نہ ہو۔ جب انسان برائی کر بیٹھے اور اسے محسوس ہو کہ میں نے وہ کام کیا جو میرے محبوب کو پسند نہیں تو گویا میں نے جھک ماری اس پر ندامت ہو۔ تو یہ ندامت اس امر کی علامت ہے کہ آدمی کا اپنے رب سے وہ تعلق ہے جو محبوب سے ہوتا ہے

لہذا یہ ندامت بھی ایمان کی نشانی ہوئی یہ دونوں حالتیں بالکل انسانی نفسیات کے تقاضے ہیں۔تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی وہ علامتیں بتادیں جو ہر جاہل سے جاہل آدمی بھی معلوم کرسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب کیفیت اس کے الٹ ہوگی تو وہ ایمان سے خالی ہونے کی نشانی ہے۔

حدیث نمبر۱۲:

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" قَالَ شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ"

(مشکوٰۃ۔باب الحوض والشفاعۃ۔الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لئے ہے جن سے کبیرہ گناہ ہوئے ہوں گے"

شرح: اس حدیث میں شفاعت کے عقیدہ اور اس کی وسعت کے متعلق بتایا گیا ہے۔

کوئی شخص صرف اپنے اعمال کے بل بوتے پر اخروی مواخذہ سے بچ جائے یا کامیابی سے ہمکنار ہوجائے مشکل ہی نہیں محال ہے۔چنانچہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر فرمایا کہ آخرت کی کامیابی عمل سے نہیں اللہ کی رحمت سے ہوگی عرض کیا گیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ" (مسند احمد) میری بھی نہیں۔سوائے اس کے کہ اللہ کریم مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

تو وہ لوگ جو سزا کے مستحق ہوں گے مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہوں گے وہ کہاں جائیں گے انکی تسلی کے لئے فرمایا کہ امتی کی سفارش کرنا میرا کام ہوگا۔پھر گنہگار بھی کئی قسم کے ہوں گے مثلاً وہ جن سے معمولی لغزشیں ہوئیں اور وہ جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے یہ دوسری قسم کے لوگوں کا معاملہ بڑا نازک ہے کیونکہ جب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہ گن گن کے بتادیئے پھر بھی آدمی ان گناہوں کا مرتکب ہوا تو معاملہ بڑا پیچیدہ ہوگیا تو جب مومن کے لئے حکم ہے کہ اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو۔تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقع پر آگے بڑھ کر تسلی دی کہ میں اپنی امت کے ان لوگوں کے لئے سفارش کروں گا جن سے کبیرہ گناہ سرزد ہوئے۔

میری غفلتوں کی بھی حد نہیں تیری بخششوں کی بھی حد نہیں
نہ میری خطا کا شمار ہے نہ تیری عطا کا شمار ہے

حدیث نمبر۱۳:

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلٰثَةٌ اَلْاَنْبِيَآءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ"

(مشکوٰۃ۔ باب الحوض والشفاعۃ۔ الفصل الثالث)

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے روز تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے، اول انبیاء کرام علیہم السلام، دوم علماء ربانی سوم اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے"

شرح: عقیدہ شفاعت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گنہگاروں کی شفاعت کی اجازت تین برگزیدہ گروہوں کو دی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس کی وجہ وہ قرب اور محبت ہے جو ان کو اپنے رب کے ساتھ ہے۔ وہ گروہ یہ ہیں۔

۱۔ انبیاء کرام۔ قرب الٰہی، اطاعت الٰہی اور محبت الٰہی کی انتہائی بلندیوں پر یہ قدسی گروہ فائز ہے اور معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔

۲۔ علماء کرام۔ عالم سے مراد وہ شخص نہیں ہوتا جس نے بہت سی کتابیں پڑھ لی ہوں۔ بلکہ عالم سے مراد وہ شخص ہے جس نے ایسا علم حاصل کیا ہو جس سے معرفت الٰہی حاصل ہو چکی ہو اس کی نشانی رب کریم نے بتائی کہ "اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا" (فاطر:28) یعنی عالم وہ ہے جس میں خشیت اور خوف الٰہی کوٹ کوٹ کر بھرا ہو۔ اس وصف کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ ایسے عالم کا معاملہ خالق اور مخلوق دونوں سے انتہائی کھرا ہوتا ہے۔

۳۔ شہداء۔ شہید اس کو کہتے ہیں جس کی زندگی اطاعت الٰہی میں بسر ہوئی ہو حتیٰ کہ اطاعت الٰہی میں اپنی سب سے قیمتی متاع یعنی جان بھی اللہ کی اطاعت میں پیش کر دی ہو۔ ہر وہ شخص جو کہیں مارا جائے شہید نہیں ہوتا۔ یوں تو جیالے بھٹو کو بھی شہید کہتے ہیں۔

حدیث نمبر۱۴:

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" لَا يَدْخُلُ اَحَدٌ مِنْكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَلَا يُجِيْرُهُ مِنَ النَّارِ وَلَا اَنَا اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ"

(مسلم باب لن یدخل احد الجنۃ بعملہ۔ حدیث نمبر ۶۸۱۷۔ مطبوعہ: دار حزم بیروت)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے: "تم میں سے کسی کو اس کا عمل نہ جنت میں لے جا سکتا ہے اور نہ دوزخ سے بچا سکتا ہے اور نہ مجھے، سوائے اللہ کی رحمت کے"

شرح: عملی زندگی اللہ کریم کی اطاعت میں گزارنا ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ مگر اطاعت یوں کرنا جیسے اطاعت کا حق ہے ناممکن ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت واطاعت کرتے ہوئے کہیں تو انسان کی نیت میں اس درجے کا اخلاص نہیں پایا جاتا جو مطلوب ہے، کہیں کامل یکسوئی کا فقدان ہوتا ہے، کہیں شرائط پوری نہیں ہوتیں، کہیں ارکان میں کمی رہ جاتی ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ جب معیار مطلوب کی عبادت نہیں ہوسکتی تو عبادت کرنا ہی موقوف کر دیا جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اپنے عمل پر اتارنا نہیں چاہیے نہ یہ سمجھنا چاہیے کہ میرا عمل اس درجے کا ہے کہ بس صرف اس کی وجہ سے میں انعامات کا مستحق ہوں بلکہ ہمیشہ اپنے عمل کو معیار سے کم درجے کا سمجھ کر اللہ کریم کی رحمت کا امیدوار رہنا چاہیے۔

رہی یہ بات کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق بھی یہ کیوں فرمایا بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کوئی کمی ہوسکتی ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت میں وہ مقام آتا ہے جب چاہنے والا محبوب کی اطاعت کرنے میں انتہائی درجے کی کوشش کر کے بھی یہ سمجھتا ہے کہ مجھ سے حق ادا نہیں ہوا چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے ''مَاعَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ (معجم ابن العربی)'' سو یہ اہل محبت کا معاملہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۵:

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ '' اِذَا دَخَلَ الْمَیِّتُ الْقَبْرَ مُثِّلَتْ لَہُ الشَّمْسُ عِنْدَ غُرُوْبِھَا فَیَجْلِسُ یَمْسَحُ عَیْنَیْہِ فَیَقُوْلُ دَعُوْنِیْ اُصَلِّیْ''

(رواہ ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ۔ باب اثبات عذاب القبر۔ الفصل الثالث)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب مومن (میت) کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے اسے یوں نظر آتا ہے جیسے سورج غروب ہونے کو ہے وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ ارے! مجھے نماز ادا کرنے دو''

شرح: اس حدیث میں زندگی بعد موت کے عقیدہ کے سلسلے میں نکیرین کے سوال وجواب کے لئے مومن کی ابتدائی کیفیت کا منظر دکھایا گیا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ۔

۱۔ میت کو قبر میں دفن کرتے ہی نکیرین چار بنیادی سوال کرنے آجاتے ہیں۔

۲۔ میت کو بٹھاتے ہیں اس میں روح لوٹ آتی ہے۔

۳۔ مومن جب اٹھ بیٹھتا ہے اسے یوں نظر آتا ہے جیسے سورج غروب ہونے کو ہے اسے احساس ہوتا ہے جیسے میری عصر کی نماز رہ گئی ہے۔

شرح: عملی زندگی اللہ کریم کی اطاعت میں گزارنا ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ مگر اطاعت یوں کرنا جیسے اطاعت کا حق ہے ناممکن ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت واطاعت کرتے ہوئے کہیں تو انسان کی نیت میں اس درجے کا اخلاص نہیں پایا جاتا جو مطلوب ہے، کہیں کامل یکسوئی کا فقدان ہوتا ہے، کہیں شرائط پوری نہیں ہوتیں، کہیں ارکان میں کمی رہ جاتی ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ جب معیار مطلوب کی عبادت نہیں ہوسکتی تو عبادت کرنا ہی موقوف کر دیا جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اپنے عمل پر اترانا نہیں چاہیے نہ یہ سمجھنا چاہیے کہ میرا عمل اس درجے کا ہے کہ بس صرف اس کی وجہ سے میں انعامات کا مستحق ہوں بلکہ ہمیشہ اپنے عمل کو معیار سے کم درجے کا سمجھ کر اللہ کریم کی رحمت کا امیدوار رہنا چاہیے۔

رہی یہ بات کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق بھی یہ کیوں فرمایا بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کوئی کمی ہوسکتی ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت میں وہ مقام آتا ہے جب چاہنے والا محبوب کی اطاعت کرنے میں انتہائی درجے کی کوشش کر کے بھی یہ سمجھتا ہے کہ مجھ سے حق ادا نہیں ہوا چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے ''ماعَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ (معجم ابن العربی)'' سو یہ اہل محبت کا معاملہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۵:

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ" اِذَا دَخَلَ الْمَیِّتُ الْقَبْرَ مُثِّلَتْ لَہُ الشَّمْسُ عِنْدَ غُرُوْبِھَا فَیَجْلِسُ یَمْسَحُ عَیْنَیْہِ فَیَقُوْلُ دَعُوْنِیْ اُصَلِّیْ''

(رواہ ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ۔ باب اثبات عذاب القبر۔ الفصل الثالث)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب مومن (میت) کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے اسے یوں نظر آتا ہے جیسے سورج غروب ہونے کو ہے وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ ارے! مجھے نماز ادا کرنے دو''

شرح: اس حدیث میں زندگی بعد موت کے عقیدہ کے سلسلے میں نکیرین کے سوال وجواب کے لئے مومن کی ابتدائی کیفیت کا منظر دکھایا گیا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ۔

۱۔ میت کو قبر میں دفن کرتے ہی نکیرین چار بنیادی سوال کرنے آجاتے ہیں۔

۲۔ میت کو بٹھاتے ہیں اس میں روح لوٹ آتی ہے۔

۳۔ مومن جب اٹھ بیٹھتا ہے اسے یوں نظر آتا ہے جیسے سورج غروب ہونے کو ہے اسے احساس ہوتا ہے جیسے میری عصر کی نماز رہ گئی ہے۔

۴۔ سلسلہ کلام شروع ہونے سے پہلے ہی وہ کہتا ہے ارے مجھے نماز پڑھنے دو یعنی اسے فکر لاحق ہوتی ہے کہ کہیں میری نماز رہ نہ جائے۔

ظاہر ہے کہ یہ کیفیت اسی مومن کی ہو سکتی ہے جس کی زندگی نماز کی پابندی اور نماز سے محبت میں گزری ہو اور اگر یہاں کوئی مومن یوں رہا کہ:

کیسی نماز ہال میں ناچو جناب شیخ
تم کو خبر نہیں کہ زمانہ بدل گیا

یا کیفیت یہ ہو کہ:

تاکید عبادت پر یہ اب کہتے ہیں لڑکے
پیری میں بھی اکبر کی ظرافت نہیں جاتی

ایسے مومن کو بھلا یہ سعادت کیونکر نصیب ہو سکتی ہے۔

یہ عقیدہ ایمان بالغیب سے تعلق رکھتا ہے صرف اللہ کے نبی پر کامل اعتماد ہی اس کی بنیاد ہے۔ پیمبر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔

حدیث نمبر ۱۶:

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ"

(مشکوٰۃ۔ باب الاعتصام الکتاب والسنۃ۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اما بعد یقیناً بہترین کلام اللہ کی کتاب اور بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور بدترین کام دین میں نئی بات پیدا کرنا ہے اور ہر نئی بات گمراہی ہے"

شرح: اس حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی عظمت کا اظہار فرمایا ہے۔ دین کی بنیاد اور ماخذ کتاب اللہ ہے اس کے متعلق فرمایا کہ بہترین بات یا کلام اللہ کا کلام ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ جو فرق خالق اور مخلوق کے درجے میں ہے وہی فرق خالق کے کلام اور مخلوق کے کلام میں ہے۔ خالق تمام خوبیوں اور سارے کمالات کا منبع اور مخلوق میں ہر عیب اور ہر نقص اور ہر خامی کا امکان موجود۔ پھر خالق کے کلام کی خصوصیت یہ کہ اس میں وہ تمام راہنما اصول دیئے گئے ہیں جن کو اختیار کر کے کسی زمانے اور کسی ملک کا انسان یہاں نہایت پاکیزہ زندگی گزار سکتا ہے اور یہاں سے جانے کے بعد آخرت کی ابدی زندگی کو

نہایت پرلطف پرکیف اور عیش وراحت کی زندگی بنا سکتا ہے۔ لہذا اس کلام کے بہترین ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں۔

دوسری بات یہ بتائی کہ بہترین طریقہ وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو عنایت فرمایا اور وہ طریقہ ''دین اسلام'' ہے۔ یہ طریقہ ایسا عمدہ اور ایسا پسندیدہ ہے کہ خود خالق نے اعلان فرمایا کہ ''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام'' (ال عمران:۱۹) یعنی اللہ کریم کا پسندیدہ ترین دین ہی اسلام ہے۔ دین کیا ہے؟ یہ دین زندگی بسر کرنے کا وہ سلیقہ سکھاتا ہے کہ انسان اپنے خالق اور ساری مخلوق کے ساتھ نہایت کھرا معاملہ رکھ سکتا ہے۔ اس کے بغیر زندگی بسر کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا جائے گا اس میں ضرور کوئی نہ کوئی بھول رہ جائے گی۔ پھر اس دین کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ انسان کو چند روزہ عارضی لذتوں کا شیدائی نہیں بناتا بلکہ اس بات کا خوگر بناتا ہے کہ نگاہ ہمیشہ ابدی راحتوں پر جمی رہے لہذا یہ طریقہ ہر لحاظ سے بہترین طریقہ ہے۔

پھر اس راہ میں پیش آمدہ خطرات میں سے اس خطرے سے آگاہ فرمایا جس کی حیثیت Green snake in the green grass کی سی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اپنی طرف سے نئی نئی باتیں ایجاد کر کے دین میں شامل کرنا بدترین جرم ہے اور اس سے بھی بڑا جرم یہ ہے کہ آدمی یہ ملاوٹ کر کے مانے اور منوائے کہ اصل دین یہ ملاوٹ والا دین ہے اس کی صورت تو یہ ہوئی کہ آدمی خالص دودھ میں پانی ملا دے اور اس امر پر پوری قوت صرف کر دے کہ لوگ تسلیم کریں کہ خالص دودھ یہی ہے۔ پانی خواہ زمزم کا ہی ملایا جائے دودھ خالص نہیں رہے گا۔ اسی طرح اگر کوئی نہایت پرکشش چیز ایجاد کر کے دین میں شامل کی جائے تو ممکن ہے لطف تو آجائے مگر دین خالص نہیں رہے گا۔ ایسی حماقت کرنا اس وجہ سے بدترین جرم ہے کہ ایسا کرنا اس امر کا اعلان ہے کہ معاذ اللہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین پہنچانے میں خیانت کی۔ میں اب یہ کمی پوری کر رہا ہوں۔ یہ بدترین شوخی ہے۔ اس طرح اضافہ کرنا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کام کو دین قرار نہیں دیا اسے دین یا عبادت قرار دینا بدعت ہے۔ اس لئے فرمایا ہر بدعت گمراہی ہے۔ یہ گمراہی کیا ہوتی ہے؟ انسان کے لئے صرف دو ابدی ٹھکانے ہیں جنت اور جہنم۔ جنت میں جانے کا راستہ وہی دین ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل طور پر پہنچا دیا۔ اب اگر کوئی شخص دین میں ملاوٹ کرے گا وہ اصل راستہ سے بھٹک جائے گا۔ اس کو چھوڑ کر جس راستے پر بھی چلے گا وہ اسے جہنم میں ہی پہنچائے گا چنانچہ ایک اور حدیث میں یہ الفاظ ہیں ''کُلُّ ضَلَالَۃٍ فِی النَّارِ'' (البدع الابن وضاح، البیہقی) جس سے معلوم ہوا کہ اس راستہ سے بھٹکنے کا انجام جہنم کے سوا اور کچھ نہیں۔

حدیث نمبر ۱۷:

''عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ''کُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰی'' قَالُوْا: ''یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ اَبٰی'' قَالَ: ''مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی''

(مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت جنت میں داخل ہوگی سوائے اس کے کہ جس نے انکار کیا۔ عرض کیا گیا انکار کس نے کیا؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری بات نہ مانی اس نے انکار کیا''

شرح:- پہلا انسان جہاں پیدا ہوا وہ انسان کا اصلی وطن اور گھر ہے اور وہ جنت ہے یہاں غیر ملک میں اسے کچھ کمانے کے لئے بھیجا گیا تا کہ واپس گھر آ کر مزے سے زندگی گزارے اس امر کا اہتمام کیا گیا کہ اس اجنبی ملک میں رہ کر کہیں گھر کو بھول ہی نہ جائے لہذا واپس گھر جانے کا راستہ بھی بتا دیا گیا۔ اس غرض کے لئے اللہ کریم نے کوئی ایک لاکھ سے زائد رہنما بھیجے آخری رہنما نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جس نے آپ کو اپنا رہنما تسلیم کیا اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کا عہد کیا۔ وہ آپ کا امتی کہلایا اور جو اس عہد پر قائم رہا وہ صحیح راستے پر چلتا رہا لہذا لازماً گھر پہنچ جائے گا یہی بات اس حدیث میں بیان ہوئی کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سارے پیرو جنت میں جائیں گے یعنی اپنے اصلی وطن اپنے گھر پہنچ جائیں گے سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔ انکار کس بات کا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلنے کا انکار کیا۔ یہ انکار دو قسم کا ہے ایک یہ کہ صاف صاف کہہ دیا میں پیروی نہیں کروں گا ایسے لوگ تو امت سے ہی خارج ہو گئے۔ دوسرے وہ جنہوں نے عہد تو کیا مگر عملاً چلنے میں سستی کی یا پرواہ نہ کی۔ یہ بھی تو انکار ہی ہوا۔ اسی حقیقت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جو عملاً میری رہنمائی میں چلتا رہا وہ جنت میں جائے گا مگر جس نے جان بوجھ کر اس راستے پر چلنے کی فکر ہی نہ کی اس نے گویا انکار کر دیا تو ایسا شخص بھلا جنت میں کیسے جائے گا جس نے وہ راستہ ہی چھوڑ دیا جو جنت کو جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۸:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ" بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِیْباً وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ فَطُوْبیٰ لِلْغُرَبَاءِ"

(مشکوۃ۔ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسلام کا جب آغاز ہوا تو وہ اجنبی تھا اور عنقریب ایسا ہی ہوگا جیسے ابتدا میں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اسلام کی وجہ سے معاشرے میں اجنبی لگتے ہیں۔"

شرح: نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی نبوت کا اعلان فرمایا اور اسلام کے اساسی عقائد توحید، رسالت اور معاد کے والوں کے سامنے پیش کئے تو وہ حیران رہ گئے کہ یہ اجنبی دعوت اور یہ اجنبی آواز کہاں سے آرہی ہے۔ اپنی حیرت کا اظہار عجیب عجیب طریقوں سے کیا۔ قرآن حکیم میں ان کے تعجب اور حیرت کے نقشے یہاں وہاں مختلف جگہوں پر کھینچے گئے مثلاً ان کا یہ کہنا کہ "وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ" (الفرقان: ۷) یعنی یہ عجب رسول ہے کہ کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی گھومتا ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح اسلام اس ابتدائی معاشرے میں بالکل اجنبی سمجھا جاتا تھا پھر فرمایا کہ امتداد زمانہ سے اللہ سے دوری کا معاملہ اس طرح بڑھے گا کہ پھر اسلامی تعلیمات اجنبی محسوس ہونے لگیں گی۔

چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اب اسلام خود مسلمانوں کے لئے اجنبی بن کر رہ گیا ہے۔ ریڈیو پاکستان کے کنٹرولر بخاری صاحب کی تقریر عید روزہ یکم دسمبر ۹۳۔ ۶۔ ۱۷ میں چھپی ہے اس میں انہوں نے اپنے تعجب کا اظہار کئی مثالیں دے کر کیا ہے مثلاً کہا "بتائیں شراب میرے لئے کیسے حرام ہو سکتی ہے جس کے بغیر میں تخلیقی کام سرانجام نہیں دے سکتا" آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ خوش قسمت ہوں گے وہ لوگ جو اس بے دینی کے سیلاب میں بہہ جانے کی بجائے اجنبی بن کر معاشرے میں رہیں گے مگر اسلام پر قائم رہیں گے۔

حدیث نمبر ۱۹:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ"

(ابن ماجہ۔ مشکوۃ۔ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سواد اعظم (سب

سے بڑی جماعت) کی پیروی کرو جو شخص جماعت سے الگ ہوا جہنم میں پھینکا جائے گا"

شرح: ہر معاشرے میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک ان پڑھ دوسرے پڑھے لکھے، ایک نہ جاننے والے دوسرے جاننے والے، ایک جاہل دوسرے عالم۔ ہمیشہ نہ جاننے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ جاننے والوں پر اعتماد کر کے ان کے پیچھے پیچھے چلیں۔

انسانی نفسیات کے اس مسئلہ کا حل نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اے مسلمانو! تم میں سے نہ جاننے والوں کو چاہیے کہ "عظیم جماعت" کے پیچھے چلیں۔ سواد کے معنی جماعت اور اعظم سے مراد سب سے زیادہ عظیم۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ عظیم جماعت کونسی ہو سکتی ہے۔ آج کل جمہوریت ذہنوں پر غالب ہے اس لئے یہ کہا جائے گا کہ جو جماعت تعداد میں زیادہ ہو وہی عظیم ہے لیکن معاشرہ میں اکثریت تو جاہلوں کی ہوتی ہے تو جاہلوں کی بھیڑ بھی بھلا عظیم جماعت بن جاتی ہے۔ صاحب مرقاۃ نے لکھا ہے کہ عظیم جماعت وہ ہے جس میں عظیم علماء زیادہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ عظیم علماء اس صراط مستقیم پر چلیں گے جو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم دکھا گئے ہیں۔

اب اگر کوئی شخص اس جماعت سے الگ ہو کر اپنی پسند کے کسی راستے پر چلے گا تو وہ یقیناً منزل پر نہیں پہنچے گا اور ٹھکانے دو ہی ہیں جنت اور جہنم تو جو شخص اس عظیم جماعت سے الگ ہو کر صراط مستقیم کو چھوڑ دے گا وہ جس راستے پر بھی چلے گا اسے جہنم میں پہنچا دے گا۔

حدیث نمبر ۲۰:

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَۃَ شِبْراً فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَۃَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِہٖ"

(مشکوٰۃ۔ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ الفصل الثالث)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ایک بالشت بھر بھی جماعت سے دور ہوا تو گویا اس نے اسلام کا جوا (پھندا) اپنے گلے سے اتار پھینکا۔

شرح: جماعت سے مراد وہی عظیم جماعت ہے جو صراط مستقیم پر چل رہی ہے۔ اتباع سنت اور ترک بدعت جس کا شعار ہو اس جماعت سے ایک بالشت بھر دور ہونے سے مراد تھوڑے سے وقت کے لئے ترک سنت کرنا یا کسی مسئلہ میں سنت سے ہٹ کر مطمئن ہو جانا ہے اگر ایسا کیا تو اس کا انجام اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جانا ہوگا۔ اس کی وجہ سے یہ ہے کہ بدعت سے نفس کو مزہ آتا ہے تو جب ایک امر میں لذت پرستی کی راہ پر چل کھڑا ہوا تو بڑھتا ہی چلا جائے گا کیونکہ۔

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سنت سے نفرت کرنے لگے گا۔ اگلا قدم یہ ہوگا کہ بدعت کے حق میں اور سنت کے خلاف دلائل تیار کیے جائیں گے یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر انسان کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چیز سے دوری اور نفرت ہو جائے گی اور مزید ستم ظریفی یہ ہوگی کہ عشق رسول کے دعویٰ کے ساتھ مخالفت رسول کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ یہی اسلام سے نکل جانے کی صورت ہوگی۔

حدیث نمبر ۲۱:

عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مَيْسَرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْاِسْلَامِ"

(مشکوٰۃ۔ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت ابراہیم بن میسرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام مٹانے میں مدد کی۔

شرح: یہ قاعدہ ہے بلکہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کسی شخص میں کوئی کمال ہو کوئی خوبی ہو کوئی عمدہ وصف ہو تو لوگ اس کی عزت و تعظیم کرتے ہیں یہ تعظیم اس کی ذات کی نہیں ہوتی بلکہ اس کمال یا وصف کی ہوتی ہے جو اس میں پایا جاتا ہے۔ اس تعظیم کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اس وصف یا کمال کے مداح ہوتے ہیں۔

اس قانون کو سامنے رکھئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر غور کیجئے فرمایا جو شخص کسی بدعتی کی تعظیم کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ تعظیم اس کی ذات کی نہیں ہوگی بلکہ اس وصف کی ہوگی جو اس میں پایا جاتا ہے اور وہ وصف ہے بدعت سے لگاؤ اور محبت ہونا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کرنا اسلام کو مٹانے میں تعاون کرنا ٹھہرا۔ اسلام کو مٹانے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اپنے دل سے اسلام کی قدر و قیمت کم یا ختم کرنا دوسرا یہ کہ دوسروں کو یہ تاثر دینا کہ بدعت واقعی کوئی خوبی ہے اس طرح ان کے دل سے اسلام کی عظمت کو مٹانا ہے۔

مگر یہ تعظیم اسلام کو مٹانے کی وجہ کیسے بن گئی وہ یوں کہ بدعتی کی تعظیم دراصل بدعت کی تعظیم ہے اور بدعت کی تعظیم حقیقت میں سنت کی توہین ہے اور سنت کی پیروی کا نام ہی تو اسلام ہے جب سنت کی توہین شروع ہوئی تو اسلام کہاں بچا رہ گیا اس کے برعکس معاملہ یوں ہوا کہ بدعت کی تحقیر دراصل سنت کی تعظیم ہوئی اور یہی مطلوب ہے۔

حدیث نمبر۲۲:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ" اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ اَوْ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْلَهٗ"

(مشکوٰۃ۔کتاب العلم۔الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب انسان مرگیا اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہوگیا سوائے تین صورتوں کے (یہ کہ) کوئی صدقہ جاریہ چھوڑ گیا، یا علم چھوڑ گیا جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے"

شرح: ہر عمل کا تعلق صلہ یا جزا سے ہے اگر عمل اللہ کریم کے ہاں قبول ہوا تو اس کا صلہ یا اس کی جزا اسے مل کے رہے گی۔ظاہر ہے کہ جب انسان مرگیا تو عمل کا سلسلہ ختم ہوا جب عمل ختم ہوا تو صلہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین صورتوں کو اس قانون سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔

۱۔ صدقہ جاریہ: یعنی کوئی ایسا کام جس سے لوگ اس کے مرنے کے بعد فائدہ اٹھاتے رہیں۔مثلاً کوئی مسجد بنادی یا کنواں، سرائے، وغیرہ رفاہ عامہ کی کوئی چیز بنادی جب تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اس کا صلہ اس بنانے والے کے کھاتے میں درج ہوتا رہے گا۔

۲۔ وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں۔علم سے مراد دین کا علم ہے جس کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں سے ہو۔اس کی بھی کئی صورتیں ہیں مثلاً کسی کو دین کا علم پڑھایا اور اسے آگے پڑھانے پر لگا دیا۔یا کوئی دینی کتاب تصنیف کر دی جب تک لوگ اسے پڑھ کے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اس کا بینک بیلنس بڑھتا رہے گا۔

۳۔ نیک اولاد چھوڑ گیا۔یعنی اولاد کی ایسی تربیت کی یا ایسی تعلیم دی کہ اس کا اللہ سے تعلق قائم ہوگیا تو جب تک وہ اللہ کی اطاعت میں لگا رہے گا مرنے والے کے حصہ میں اس کا اجر جمع ہوتا رہے گا۔گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دی کہ ہر مسلمان کو ان میں سے کوئی کام کر کے جانا چاہیے۔

حدیث نمبر۲۳:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "اَلْمِرَاءُ فِی الْقُرْاٰنِ کُفْرٌ"

(مشکوٰۃ۔کتاب العلم۔الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قرآن میں جھگڑنا کفر ہے"

شرح: مراء کے دو معنی ہیں ایک ہیں شک کرنا۔ دوسرے جھگڑا کرنا قرآن میں شک کرنے کی کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس کے اللہ کے کلام ہونے میں شک ہو۔ خیال ہو کہ مخلوق میں سے کسی کی تصنیف ہے۔

دوسرے یہ کہ اس کے مکمل کتاب ہونے میں شک ہو یعنی یہ خیال ہو کہ یہ نامکمل اور ادھورا ہے اس کا کچھ حصہ غائب ہے تیسرے یہ کہ اس کے اصل کتاب ہونے میں شک ہو یعنی یہ سمجھا جائے کہ اس میں تحریف ہو چکی ہے۔ الفاظ بدل دئے گئے ہیں، جملے بدل دیئے گئے ہیں یا کمی بیشی کی گئی ہے۔

اسی طرح کی اور جتنی صورتیں شک کرنے کی ہو سکتی ہیں سب کفر ہے۔

قرآن میں جھگڑا کرنے کی صورت یہ ہے کہ کسی مسئلہ کے متعلق قرآن کی کوئی آیت پیش کی جائے دوسرا اس کے خلاف یا اس کی تردید میں دوسری آیت پیش کر دے جس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کی آیتیں ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے کیونکہ قرآن کی آیتیں تو ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں ایک میں ایک بات عملی طور پر بیان ہوئی تو دوسری میں اس کی تفصیل ہوتی ہے اگر کسی کو اختلاف نظر آئے تو وہ اس کی سمجھ کا قصور ہے اور نری جہالت ہے اس لئے قرآن میں اس طرح جھگڑا کرنا بھی کفر ہے۔ یعنی قرآن کا انکار ہے۔

حدیث نمبر۲۴:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: رجل یارسول اللّٰهِ اَیُّ الذَّنْبِ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَدْعُوَ لِلّٰهِ نِدًا وَهُوَ خَلَقَکَ قَالَ "ثُمَّ اَیُّ قَالَ ثُمَّ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَکَ خَشْیَةَ اَنْ یَّطْعَمَ مَعَکَ"

(مشکوٰۃ۔باب الکبائر وعلامات النفاق۔الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے سوال کیا اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ پوچھا پھر

کونسا؟ فرمایا تو اپنے بچے کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائے گا۔

شرح: آگ کی چنگاری چھوٹی ہو یا بڑی جلانے کا کام ہی کرے گی۔ اسی طرح گناہ چھوٹا ہو یا بڑا اللہ کی ناراضگی کا سبب ہی ہوگا۔ یہ بات تو انسان کو اچھی نہیں لگتی کہ چلو اللہ کو تھوڑا سا ناراض کر لو۔ اس لئے ہر گناہ سے بچنا چاہیے۔ مگر گناہ سے تو صرف بچنا نہیں ڈرنا بھی چاہیے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا یہ اثر تھا کہ صحابہ اس امر کی بڑی احتیاط کرتے تھے کہ اللہ کو ناراض نہ کر بیٹھیں۔ چنانچہ اس حدیث میں یہی نقشہ ملتا ہے کہ صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ بڑا گناہ کونسا ہے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تو اپنے خالق کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرائے۔ ظاہر ہے کہ شرک صرف گناہ نہیں کفر ہے۔ تدعو کے معنی ہیں پکارے۔ پکارنے کے دو معنی ہیں ایک ہے عبادت کرنا۔ دوسرا ہے مصیبت کے وقت کسی کو امداد کے لئے بلانا تو یہ دونوں شرک کی صورتیں ہیں۔ ساتھ یہ فرمایا حال یہ ہے کہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ تو جب پیدا کیا ہے تو کیا اب وہ تمہیں بے یار و مددگار اور بے سہارا چھوڑ دے گا۔ ہرگز نہیں تو پھر کیوں نہ اسی کی عبادت کرو ہر مصیبت کے وقت کیوں نہ اسی کو پکارو۔

دوسرا گناہ کبیرہ فرمایا تو اپنے بچے کو اس وجہ سے قتل کرے کہ وہ رزق میں شریک ہوگا۔ عرب میں بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ نئی تہذیب نے اس فعل کو سائنٹیفیک بنا دیا ہے کہ قتل نہ کرو بلکہ پیدا ہی نہ ہونے دو تا کہ آبادی زیادہ نہ ہو اور انہیں کھانے کو مل ہی نہ سکے۔ حالانکہ انہیں معلوم نہیں کہ پیدا کرنے اور مارنے کا نظام کمپیوٹرائیز ڈ من اللہ ہے۔ کمپیوٹر کسی کے کہے سے رکتا نہیں۔ اس لئے اس سسٹم میں یہ ممکن ہی نہیں کہ پیدا ہونے والے کو کوئی پیدا ہونے سے روک دے۔ مگر آج کا انسان کیا مہم چلا رہا ہے۔ چھوٹا خاندان زندگی آسان یہ نعرہ ایسا مقبول ہوگا کہ بھکاری بھی اب یہ صدا لگایا کریں گے "شالا بچے مرنیں تھوڑے ہوتے سو کھے رہو، دیو اللہ دے نام دا" اور سننے والے خوش ہوں گے کہ دیکھو ہمارا کتنا خیر خواہ ہے۔

مختلف حدیثوں میں کبیرہ گناہوں کی تعداد مختلف ہے۔

حضرت ابو طالب مکی نے ان سب کو جمع کر دیا ہے اور وہ یہ ہیں۔

۱۔	۴ گناہ قلب کے	شرک، گناہ پر اصرار کی نیت، اللہ کی رحمت سے مایوسی اور اللہ کی گرفت سے بے خوف ہونا۔
۲۔	۴ گناہ زبان کے	جھوٹی شہادت۔ جھوٹی قسم۔ کسی پر ناحق زنا کی تہمت اور جادو کرنا۔
۳۔	۳ گناہ پیٹ کے	شراب پینا۔ یتیم کا مال کھانا اور سود کھانا۔
۴۔	۲ گناہ شرمگاہ کے	زنا اور لواطت
۵۔	۲ گناہ ہاتھ کے	ناحق قتل اور چوری
۶۔	۱ گناہ پاؤں کا	جہاد سے بھاگنا

۷۔ اگناہ سارے بدن کا والدین کی نافرمانی

حدیث نمبر۲۵:

عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي"

(مشکوٰۃ۔کتاب العلم۔الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں، دیتا تو اللہ ہے"

شرح: اس حدیث میں ایک ایسے وصف اور کمال کی نشاندہی کی گئی ہے جو اللہ کریم کو بہت پسند ہے اور اس کی خاص عنایت کا مظہر ہے۔ وہ وصف ہے "دین کی سمجھ"۔ مگر پہلے یہ دیکھنا ہے کہ دین کسے کہتے ہیں۔ دین حقیقی، زندگی بسر کرنے کا وہ طریقہ ہے جسے اختیار کر کے انسان یہاں نہایت پاکیزہ زندگی گزارتا ہے اور وہاں کی ابدی زندگی نہایت راحت وسکون سے گزار سکتا ہے اور دین کی سمجھ سے مراد یہ نہیں کہ قرآن وحدیث یا دوسری دینی کتابوں کے الفاظ معنی خوب آتے ہیں۔ جملوں کا مفہوم اچھی طرح سمجھتا ہے علمی نکات خوب سمجھتا ہے بلکہ دین کی سمجھ والے کو فقیہ کہتے ہیں اور فقیہ کی پہچان صاحب مرقاۃ علامہ علی القاری نے یہ بیان کی ہے۔

۱۔ جس کا دل دنیا، سامان دنیا اور لذات دنیا کی محبت سے خالی ہو۔

۲۔ آخرت کی فکر سے سرشار ہو۔

۳۔ دین کے کاموں کی تہہ تک نگاہ پہنچتی ہو۔

۴۔ عبادت واطاعت الٰہی کے لئے ہر وقت مستعد ہو۔

پھر فرمایا دین وہ ہے جو میں تقسیم کرتا ہوں کیونکہ میری ڈیوٹی ہے "يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ" (العمران:۱۶۴) اس سے ہٹ کے جو کچھ ہے وہ دین نہیں ہے۔ میری تقسیم کے بعد دین کی سمجھ دینا اللہ کریم کا اپنا کام ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیان تو سب کے سامنے کرتے تھے مگر دین کی سمجھ میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے درجے تک کوئی صحابی نہیں پہنچ سکا اور نہ ہر صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ یا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بن سکا۔ یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے۔

حدیث نمبر ۲۶:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ’’ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ ‘‘

(رواہ ابوداؤد۔ النسائی الترمذی۔ مشکوٰۃ۔ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ۔ الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کے لئے جانے والی عورتوں پر لعنت کی اور ان لوگوں پر بھی لعنت کی جو قبروں پر سجدہ کرتے ہیں اور ان پر چراغ جلاتے ہیں‘‘

شرح: کسی پر لعنت کرنا اس کی ذاتی حیثیت سے نہیں ہوتا بلکہ اس وجہ سے ہوتا ہے جس وجہ سے وہ کسی نہایت قبیح فعل کا مرتکب ہوتا ہے اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمۃ للعالمین ہیں اگر وہ لعنت کریں تو ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ برا کام اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

زیارت قبور کا کوئی مقصد ہے اور اس کے کچھ آداب اور شرائط ہیں عورتوں میں دو کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو رقیق القلب ہوتی ہیں اس وجہ سے قبروں پر جا کر ناروا حرکتیں کرتی ہیں۔ دوسرا وہ دین سے بہت کم واقفیت رکھتی ہیں اس لئے وہاں جا کر ایسی حرکتیں کرتی ہیں جو صریح طور پر شرک کی ذیل میں آتی ہیں ان حرکات کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی ہے۔

پھر مردوں میں بھی ایک قباحت ہوتی ہے۔ جاہل آدمی وہاں جا کر قبروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ یہ صریح شرک اور کفر ہے۔ دوسرا قبروں پر چراغ جلاتے اور روشنی کا انتظام کرتے ہیں یہ تبذیر یعنی بیجا خرچ ہے اور قرآن کہتا ہے ’’ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ‘‘ (بنی اسرائیل: ۲۷) یعنی بیجا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب شیطان ملعون ہے۔ تو اس کے بھائیوں کو لعنت کے تمغے کے بغیر اور کیا دینا مناسب ہے۔

حدیث نمبر ۲۷:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ’’ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُہٗ ‘‘

(مشکوٰۃ۔ باب الصلوٰۃ علی النبی۔ الفصل الثالث)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جو شخص میری قبر پر آ کر درود پڑھے میں سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے‘‘

شرح: نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا بہت بڑی عبادت ہے قرآن وحدیث میں اس کی بڑی فضیلت بیان ہوئی

ہے۔ درود پڑھنے والوں کی تسلی اور خوشی کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ایک ردعمل بتایا وہ یہ کہ جو خوش نصیب میری قبر پر آ کر مجھ پر درود پڑھے وہ میں سنتا ہوں۔ اب یہ پڑھنا ضروری نہیں اونچی آواز میں پڑھے یا دل میں پڑھے۔ مطلق پڑھنا آیا ہے، جو صورت بھی ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں اور یہ سننا ایسا نہیں ہوتا کہ پڑھنے والا اس امر کا اہتمام کرے کہ اتنی اونچی آواز سے پڑھوں کہ وہاں سنائی دے بلکہ اس سننے کا نظام کچھ اور قسم کا ہے کوئی وائرلیس قسم کی چیز ہے۔ دوسرے وہ جو دور رہتے ہیں اور مجھ پر درود پڑھتے ہیں۔ ان کا یہ پڑھنا مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ پہنچاتا کون ہے۔ ظاہر ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے پھر سوال یہ ہے کہ کس ذریعے سے پہنچایا جاتا ہے۔ حدیث میں اس کا جواب ملتا ہے کہ اللہ کریم نے ایسے سیاح فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو دنیا میں چکر لگاتے رہتے ہیں جہاں کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہے وہ اس کا نام لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاتے رہتے ہیں۔

ہاں اگر کسی کو شک ہو کہ نہ جانے اللہ پہنچاتا ہے یا نہیں یا فرشتے پہنچاتے ہیں یا سستی کرتے ہیں تو ایسے لوگ لاؤڈ سپیکر پر درود گاتے ہیں کہ اب یقیناً وہاں پہنچ جائے گا اور حضور سن لیں گے۔

حدیث نمبر ۲۸:

''عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ''بَیْنَ الْعَبْدِ وَالْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ''

(رواہ المسلم۔ مشکوٰۃ۔ کتاب الصلوٰۃ۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بندے اور کفر کے درمیان فاصلہ نماز کا ترک کرنا ہے''

شرح: اس حدیث میں تین لفظ قابل غور ہیں۔ عبد، کفر اور صلوٰۃ۔ عبد کے معنی ہیں بندہ، غلام، بندہ یا غلام اسے کہتے ہیں۔ جس کی کوئی مرضی نہ ہو وہ ہر حال میں مالک کا فرمانبردار ہو اس ڈسپلن کی تھوڑی سی جھلک فوج کے اس مقولے میں نظر آتی ہے ''سپاہی کا حکم ماننا'' کفر کے لفظی معنی چھپانا ہے۔ انکار کے معنوں میں اس لئے استعمال ہوتا ہے کہ حقیقت سے انکار دراصل اپنی فطرت کے داعیہ کو چھپانا ہی ہوتا ہے۔ تو کفر کا مفہوم ہوا بندہ ہو کر بات ماننے سے انکار کرنا۔

الصلوٰۃ: اصطلاح میں ایک خاص مقررہ حیثیت سے عبادت کرنے کا نام ہے جس سے ہر آدمی واقف ہے۔ مگر اس کی روح یہ ہے کہ جونہی ایک غلام کو اس کا مالک اپنے گھبرائے وہ سر کے بل دوڑا دوڑا جائے۔

اب اس حدیث کا مطلب سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ ایک آدمی نے جب اپنی آزاد مرضی سے یہ عہد کیا یہ اعلان کیا کہ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو اس نے یہ عہد کیا کہ میں اللہ کا بندہ بن کر رہوں گا اور اس کی اطاعت اس طریقے سے کروں گا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکھائیں گے۔ تو اس کے اس دعوے کے ثبوت کے لئے سب سے پہلا ٹیسٹ ہوا کہ اللہ کے گھر سے اسے دعوت آئی کہ میرے بندے میرے گھر آ میرے ساتھ باتیں کر اپنی حاجتیں پیش کر اب اگر وہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور اس کے اس عہد میں محبت کا جذبہ کارفرما ہے تو لپک کے آئے گا اور اگر نہیں آتا تو ظاہر ہے کہ وہ دعوے میں جھوٹا ہے اور اس نے انکار کی روش اختیار کی تو حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ بندہ جب نماز کی دعوت قبول کرنے سے انکار کرتا ہے تو وہ بندگی کے دائرے سے نکل کر کفر کی سرحد پر پہنچ جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۲۹:

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَا تَصَدَّقَ النَّاسُ بِصَدَقَةٍ مِثْلَ عِلْمٍ يُنْشَرُ"

(المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۶۹۶۴)

ترجمہ: حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انسان کے لئے بہترین صدقہ وہ علم ہے جس کو خوب پھیلایا جائے"

شرح: صدقہ اس شے کو کہتے ہیں جو اللہ کی خوشنودی کے لئے کسی محتاج ضرورت مند کو دی جائے اور اس مادی دنیا میں مادہ پرست ذہن کی سوچ کے مطابق انسان بنیادی طور پر تین چیزوں کا محتاج ہے روٹی کپڑا اور مکان یہ سوچ ایسی بودی ہے کہ آدمی خالی الذہن ہو کر ذرا سا غور کرے تو اس سوچ کا سطحی ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ تین چیزیں تو ہر جاندار کی بنیادی ضروریات ہیں۔ چرند پرند اور درند کو غذا کی ضرورت ہے رہنے کے لئے جگہ کی بھی ضرورت ہے ہاں لباس کی ضرورت خالق نے خود پوری کر دی ہے تو پھر انسان اور حیوان میں فرق کیا رہا۔ اس لئے ذرا اور غور کیا جائے تو انسان کی بنیادی ضرورت یہ ہے کہ اس کو معلوم ہو کہ اس کا مقصد تخلیق کیا ہے۔ خالق نے اسے کس لئے پیدا کیا انسان کی اس احتیاج کو پورا کرنے اور اسے یہ بتانے کا نام علم ہے کہ تجھے کس غرض کے لئے پیدا کیا گیا۔ انسان کی دوسری ضرورت یہ ہے کہ اسے معلوم ہو کہ وہ اپنا مقصد تخلیق کیونکر پورا کر سکتا ہے تو اس کو وہ طریقہ اور سلیقہ سکھانے کا نام بھی علم ہے۔ بس "انسان" کی اور ہر انسان کی یہ دو بنیادی ضروریات ہیں۔ جس نے ان ضرورتوں کو پورا کرنے کا ڈھنگ سکھایا یا اس کا اہتمام کیا۔ وہ انسانیت کا سب سے بڑا محسن ہے۔ تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کی طرف رہنمائی فرمائی کہ اول تو تم میں صدقہ کرنے کا جذبہ وافر موجود ہونا چاہیے پھر یہ سمجھنا چاہیے کہ بہترین صدقہ یہ ہے کہ حقیقی علم عام کیا جائے اور یہ سارا کام کسی دینوی مفاد کی خاطر نہ ہو بلکہ صرف اللہ کی رضا

اور اس کی محبت کے جذبہ سے کیا جائے اور اس کی مختلف صورتیں ہیں درس وتدریس، مدارس کا اجراء تقاریر تصنیف وتالیف وغیرہ۔

حدیث نمبر ۳۰:۔

عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَئَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ "اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الصَّلٰوۃُ لِوَقْتِھَا قُلْتُ ثُمَّ اَیُّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ"

(مشکوٰۃ۔ کتاب الصلوٰۃ۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اللہ کو سب سے بڑھ کر کونسا عمل پسند ہے فرمایا: "بہترین عمل وقت پر نماز ادا کرنا ہے" میں نے عرض کیا پھر کونسا ہے؟ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا والدین سے نیکی کرنا"۔

شرح: انسان کی فطرت میں یہ بات رکھ دی گئی ہے کہ وہ ہر چیز کی اعلیٰ اور عمدہ قسم کو پسند کرتا ہے۔ حتیٰ کہ بچے کے سامنے بھی ایک چیز کے کئی نمونے رکھ دیں وہ ان میں سے اپنی پسند کے مطابق انتخاب کر کے عمدہ ہی اٹھائے گا۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی تربیت کچھ اس طرح فرمائی تھی کہ وہ اس داعیہ کی تسکین کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اکثر یہ پوچھا کرتے تھے کہ بہترین عمل کونسا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو اس پوچھنے والے کی حالت کے مطابق وہ عمل بتاتے جو اس کے لئے بہترین ہوتا اور کبھی ایسا عمل بتاتے جو ہر مسلمان کے لئے اللہ کریم کی نگاہ میں بہترین ہوتا۔

اس حدیث میں یہ دوسری قسم کا بہترین عمل بتایا ہے۔ پہلا عمل ہے وقت مقررہ پر نماز کی ادائیگی کا اہتمام کرنا۔ یہ بہترین عمل کیوں ہے؟ اس لئے کہ ہر وہ شخص جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کا پہلا ثبوت یہ نماز ہی تو ہے کہ جب اسے اس کا خالق اپنے گھر ملاقات کے لئے بلائے تو اس کا رد عمل کیا ہوتا ہے اگر وہ شوق سے لپک کر ٹھیک وقت پر پہنچتا ہے اور اس کی پابندی کرتا ہے تو وہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور خالق کو پیارا ہے اگر بلاوے پر جاتا ہی نہیں تو وہ باغی ہے اور اگر مارے باندھے جاتا ہے تو باغی نہ سہی مگر خالق سے اس کا تعلق بہت کمزور ہے۔

دوسرا عمل یہ ہے کہ انسان کے وجود میں آنے کا سبب اس دار الاسباب میں اس کے والدین ہیں۔ خالق یا مسبب تو اللہ ہے مگر سبب والدین ہیں اس لئے اللہ نے اپنی کتاب میں اپنی عبادت کا حکم دینے کے بعد متصل والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے اس لئے معلوم ہوا کہ یہ بھی بہترین عمل ہے۔

حدیث نمبر ۳۱:

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ" اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاَکْثِرُوا الدُّعَاءَ"

(رواہ المسلم۔ بحوالہ مشکوۃ۔ باب السجود وفضلہ۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں ہو تو تم سجدہ میں کثرت سے دعا کیا کرو"۔

شرح: کسی بندے کی بہترین حالت وہ ہے جب اسے اپنے رب کا قرب حاصل ہو۔ جس حالت میں جس درجے کا قرب حاصل ہوگا وہ حالت اسی درجے کی بہترین ہوگی۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ایک ایسی حالت کی نشاندہی فرمائی ہے جس میں بندے کو اپنے رب کا انتہائی درجے کا قرب حاصل ہوتا ہے اور وہ حالت سجدے کی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اپنے رب کا قرب حاصل کرنے کا واحد ذریعہ اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنا اور صرف اظہار کرنا نہیں بلکہ اپنے قلب کی گہرائیوں میں عاجزی کی کیفیت پیدا کرنا ہوتا ہے۔ سجدہ کی حالت وہ ہے جب انسان اپنے وجود کا بلند ترین حصہ پست ترین جگہ یعنی زمین پر رکھ دیتا ہے اور یہ حالت سجدہ کی ہے اور سجدہ اس عبادت کا حصہ ہے جسے صلوٰۃ یا نماز کہتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ نماز ایسی عبادت ہے جس کے ذریعے بندے کو اپنے رب کا قرب حاصل ہوتا ہے پھر ساری نماز میں جو مختلف حالتیں ہیں قیام، رکوع، قعدہ، سجدہ ان سب میں سے سجدہ وہ حالت ہے جو نہایت عاجزی کی صورت ہے اس لئے اس حالت میں بندہ اپنے رب کے قریب ترین ہوتا ہے۔ پس اس غرض کے لئے کثرت نوافل اور کثرت سجدہ کی ضرورت ہے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اس قرب کی حالت میں تسبیح کے ساتھ یہ بھی پڑھتے تھے: "اللھم اغفرلی ذنبی کلہ"

حدیث نمبر ۳۲:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "یَذْکُرُ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ اَحْیَانِهٖ"

(مسند ابی عوانہ۔ ج ۱ ص ۲۱۷)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے ہر لمحہ میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔

شرح: اللہ کی یاد انسان کی زندگی کی بہترین کمائی ہے۔ اس کے کئی طریقے ہیں مثلاً (۱) ذکر لسانی یعنی زبان سے اللہ کی یاد

کرنا۔ وہ کلمات اور تسبیحات جو مسنون ہیں زبان سے ادا کرنا، نماز، تلاوت قرآن کریم وغیرہ۔

(۲) ذکر قلبی۔ دل ہی دل میں اللہ کو یاد کرنا۔ اس کی قدرتوں اور اس کے احسانات میں تفکر و تدبر کرنا۔

(۳) ذکر عملی۔ زندگی کا ہر کام اللہ کے حکم کی تعمیل کا کام بنانا اور کسی حالت میں بھی اس کی نافرمانی نہ کرنا۔ یہ تیسری قسم مقصد ہے اور پہلی دو قسمیں اس کا ذریعہ ہیں اور ان دونوں قسموں میں سے بہتر قسم ذکر قلبی ہے۔

اس حدیث میں جو بتایا گیا ہے کہ زندگی کے ہر لمحے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذکر الٰہی کرتے تھے۔ یہ زبان سے تو ممکن نہیں کیونکہ ایک تو زبان دوسری باتوں میں بھی مصروف ہو سکتی ہے، دوسرا سوتے وقت ساکت بھی ہوتی ہے، تیسرا حالت جب میں ذکر لسانی ممنوع ہے اور یہ حدیث باب مخاطبۃ الحبب میں بیان ہوئی تو معلوم ہوا کہ ہر لمحے جو ذکر ہو سکتا ہے وہ ذکر قلبی ہی تو ہے۔

حضرات نقشبندیہ اسی وجہ سے ذکر قلبی ہی سے ذکر کی تعلیم کی ابتداء کرتے ہیں اور جب قلب سنور جائے تو ساری عملی زندگی سنور جاتی ہے۔ اس لئے اگر ذکر قلبی پوری شرائط اور آداب کے ساتھ کیا جائے تو یقیناً تزکیہ ہو جاتا ہے اور عملی زندگی اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کے مطابق گزرنے لگتی ہے۔

حدیث نمبر ۳۳:

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ "لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی لَا یُقَالَ فِی الْاَرْضِ اَللّٰہُ اَللّٰہُ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ عَلٰی اَحَدٍ یَقُوْلُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ"

(رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ۔ باب لاتقوم الساعۃ الا علی شرار الناس۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک روئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہو"۔

شرح: حدیث جبریل میں قیامت کے متعلق دو سوال اور ان کے جواب ملتے ہیں۔ اول یہ کہ جبرائیل نے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ یعنی وقت کی تعیین کا علم اللہ کریم کے بغیر کسی کو نہیں، دوسرا سوال یہ تھا کہ پھر قرب قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتا دیجئے تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیں۔

اس حدیث میں قیامت آنے کی آخری نشانی بتا دی جو قرب قیامت کی نہیں بلکہ قیامت فی الواقعہ آنے کی نشانی ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر شے کی ایک صورت و شکل ہوتی ہے اور ایک اس کی حقیقت یا روح۔ اس کائنات کی مخلوقات کی بھی یہی کیفیت ہے جمادات، نباتات، حیوانات تینوں انسانی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں "وَسَخَّرَ لَکُمْ

مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ '' (الجاثیہ:۱۳) جب تک انسان اس کرہ ارض پر موجود ہے یہ چیزیں موجود ہیں گی ان کی بھی ایک روح ہے اور وہ ہے ذکر الٰہی ارشاد ہے: '' وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ '' (بنی اسرائیل:۴۴) یعنی ہر چیز اللہ کا ذکر کر رہی ہے یہ ان کی فطرت اور جبلت میں رکھ دیا گیا ہے۔ انسان کو شعور اور ارادہ دے کر ذکر دوام کا حکم دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی اس کائنات کی روح ہے تو جب تک انسان اور ذاکر انسان اس میں موجود رہیں گے یہ نظام چلتا رہے گا اور جب پورے کرہ ارض پر اللہ اللہ کرنے والا کوئی انسان باقی نہیں رہا اس نظام کو ختم کر دیا جائے گا جب انسان نہیں رہے گا تو جو مخلوق انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے اسے موجود رکھنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ اس لئے اللہ اللہ کرنے والوں کا وجود غنیمت ہے۔

حدیث نمبر ۳۴:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ '' اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ ''

(مشکوٰۃ۔ کتاب الصوم۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''روزہ ڈھال ہے''۔

شرح: انسان فطرۃً مدنی بالطبع واقع ہوا ہے یعنی مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس میں کچھ کمزوریاں بھی ہیں ایک سب سے بڑی کمزوری خود غرضی ہے اس کی وجہ سے باہمی اخوت کا جذبہ جاتا رہتا ہے اور نوبت لڑائی تک پہنچتی ہے اور یہ لڑائی دو افراد کے درمیان بھی ہوتی ہے دو شہروں یا دو قوموں کے درمیان بھی ہوتی ہے اور ہوتی آئی ہے۔

لڑائی کے لئے اسلحہ کی ضرورت پیدا ہوئی تو انسان نے نیزہ، تلوار، تیر جیسے ہتھیار ایجاد کر لئے۔ اس کے ساتھ ہی دشمن کا وار روکنے کے لئے بھی کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوئی تو انسان نے ڈھال ایجاد کر لی۔

انسان کا ایک دشمن وہ ہے جو اسے نظر نہیں آتا مگر اللہ کریم نے پہلے ہی دن پہلے انسان کو اس کے متعلق واضح طور پر بتا دیا کہ '' اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا '' (فاطر:۶) یعنی شیطان تمہارا دشمن ہے اور اس کے ساتھ وہی رویہ اختیار کرنا جو دشمن کے ساتھ کیا جاتا ہے پھر اس کے اسلحہ کی بھی نشاندہی فرما دی کہ '' یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ '' (الناس:۵) کہ اس کا طریقہ واردات یہ ہے کہ دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور سبز باغ دکھاتا ہے اس لئے اس کی مصیبت یہ ہے کہ یہ دشمن بھی ہے مگر محبوب دشمن ہے۔ اللہ کریم نے اس کے وار سے بچنے کے لئے ڈھال بھی عطا کر دی وہ یوں کہ یہ دشمن انسان کے دو قویٰ کو ابھار کر فساد کرتا ہے۔ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ اگر یہ دو قوتیں اپنی حد کے اندر ہیں تو یہ بڑے مفید ہتھیار ہیں جو کارزار حیات میں معاون ہوتے ہیں اور اگر یہ دو قوتیں اپنی حد سے بڑھ جائیں تو انسان کو شرف انسانیت سے محروم کر دیتی ہیں اور ان دونوں کے بڑھنے کی وجہ کھانے پینے میں عیاشی کی حد تک افراط اور باہمی رویہ میں بیجا برتری کا احساس۔ ان

دونوں بیماریوں کا علاج نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کریم نے رمضان کے روزے ان قوتوں میں اعتدال قائم رکھنے کے لئے تم پر فرض کئے ہیں گویا یہ شیطان کے حملوں سے بچنے کے لئے ڈھال ہے۔

اس ڈھال کا عمل دو طرح ہوتا ہے اول کھانے پینے اور جنسی تعلقات کے سلسلے میں پورا کنٹرول ہوتا ہے جب ان دونوں امور میں ضبط سے کام لیا جائے گا تو شیطان کو وار کرنے کا موقع ہی نہیں ملے گا۔ پھر روزے کی حقیقت بیان فرمائی کہ روزہ یہ ہے کہ انسان اپنے سارے اعضاء اور تمام قوتیں اور صلاحیتوں کو اللہ کی نافرمانی سے بچائے جیسا کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو آدمی روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولنا ترک نہ کرے اللہ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ اسے بھوکا پیاسا رکھے یعنی جس نے اپنے اس چھوٹے سے عضو کو اللہ کی نافرمانی سے نہ بچایا اس کا روزہ روزہ نہیں بس بھوکا پیاسا رہنے کی ایک مشق ہے جسے ڈائٹنگ سمجھ لیجئے یہ صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ایک کلمہ پڑھنے والے کو اپنے رب پر کامل ایمان اور پختہ یقین ہو۔ اسی کی ضرورت ہے۔

قوم ہے قرآن سے قرآن رخصت قوم گم
صوم ہے ایمان سے ایمان رخصت صوم گم

حدیث نمبر ۳۵:

عَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْراً"

(مشکوٰۃ۔ کتاب الدعوات۔ الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارا رب بڑا کریم ہے جب بندہ دعا کے لئے اس کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اسے حیا آتی ہے کہ بندے کو خالی ہاتھ لوٹا دے"۔

شرح: اس حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بندے اور رب کے درمیان تعلق کی نوعیت اور کیفیت بیان فرمائی ہے۔

بندہ ہر حال میں اپنے رب کا محتاج ہے پیدا ہونے میں زندہ رہنے میں صحت، رزق، عقل، شعور، ذہنی اور جسمانی قوت اور صلاحیت میں یہاں تک کہ مرنے کے بعد بھی اس کا محتاج ہے اور انتہائی درجے کا عاجز ہے اس کے برعکس رب تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ خالق ہے رازق ہے قادر مطلق ہے کسی کے مشورے یا مدد کا محتاج نہیں اس کے باوجود نہایت کریم اور سخی ہے۔ اس کا خزانہ اتنا وسیع ہے کہ ساری مخلوق کی تمام ضرورتوں کو پورا کرتا ہے اور اس میں ذرہ بھر کمی نہیں ہوتی اس نے اپنے بندوں کو بن مانگے اتنی نعمتیں دی ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتیں پھر بھی وہ چاہتا ہے کہ اس کا بندہ جو چاہے اس سے مانگے بندے کے مانگنے میں اس خاص تعلق کا اظہار ہوتا ہے کہ بندہ کو اپنی عاجزی اور محتاجی کا احساس ہے اس کے ساتھ ہی اس بات کا پورا

یقین ہے کہ میرا رب میری ہر ضرورت کے پورا کرنے پر قادر ہے یہ احساس اللہ کریم کی رحمت کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے مقناطیس کا کام دیتا ہے یہاں تک کہ جب بندہ مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلائے تو اس کی خالی ہاتھ لوٹا دینے میں رب تعالیٰ کو حیا آتی ہے اس لئے جب بندہ اس سے نہ مانگے تو ناراض ہوتا ہے یہ ہے کرم کی انتہا اور ادھر یہ ہے کہ:

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اے اکبر
یہ وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

حدیث نمبر ۳۶:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ" اَفْضَلُ الصِّیَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ وَ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْفَرِیْضَةِ صَلَاةُ اللَّیْلِ"

(مسلم باب فضل صوم المحرم حدیث نمبر ۱۱۶۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رمضان کے بعد سب سے بہتر روزے محرم کے مہینے کے ہیں اور فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز تہجد کی نماز ہے"۔

شرح: اس حدیث میں انسانی نفسیات کے ایک خاص مسئلہ کا حل بتایا گیا ہے وہ مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو جی چاہتا ہے کہ محبوب کوئی کام کرنے کو کہتا رہے اور کوئی حکم دیتا رہے ادھر تعمیل حکم کے باوجود جی نہیں بھرتا۔ مزید کا تقاضا دل کی گہرائیوں میں قائم رہتا ہے۔

روزہ بظاہر ایک مشقت کا کام ہے مگر جس کو اپنے رب سے محبت کی چاٹ لگ گئی ہو وہ اسے مشقت نہیں سمجھتا بلکہ سعادت سمجھتا ہے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے اور رمضان کے روزے رکھ لینے کے بعد جی چاہتا ہے کہ بس سال بھر یہی شغل رہے اور اللہ کریم ایسا شفیق اور رحیم ہے کہ اپنے بندے کو اس خواہش کا پورا کرنے کا مکلف نہیں بناتا مگر اس کے شوق کا لحاظ بھی فرماتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ رمضان کے روزے رکھ لینے کے بعد بھی جس کا جی نہ بھرے وہ عمر بھر روزے نہ رکھے بلکہ محرم کے مہینے میں روزے رکھ لے یہ اللہ کو پسند ہے۔

اسی طرح نماز کی حالت ہے اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب سے ہمکلامی کا شرف جاری رہے اس داعیہ کی تسکین کے لئے پہلے تو یہ انتظام فرمایا کے فرض ادا کرنے سے جی نہیں بھرا تو چلو سنتیں پڑھو۔ پھر بھی تقاضائے ہمکلامی باقی ہے تو نفل پڑھ لو۔ دوسرا یہ انتظام فرمایا کہ اگر فرض نمازوں کے بعد بھی تقاضائے ہمکلامی باقی ہے تو محبوب کو سب سے زیادہ پسند یہ ہے کہ جب دنیا سو رہی ہو تو اٹھ کے رات کی تنہائی میں اپنے محبوب سے رج کے باتیں کر۔ اس کا نام تہجد ہے۔

اس مادی دور کی زبان میں یوں سمجھئے یہ اوور ٹائم لگانے کی اجازت دی جارہی ہے۔

حدیث نمبر ۳۷:

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍ رَضِیَ اللّٰہِ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "مَنْ اَتَمَّ الْوُضُوْءَ کَمَا اَمَرَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فَالصَّلَوَاتُ الْمَکْتُوْبَاتُ کَفَّارَاتٌ لِمَا بَیْنَھُنَّ"

(مسلم۔ باب فضل الوضوء والصلوٰۃ عقیبہ ج انمبر ۲۳۱۔ اشاعت کردہ: دارابن حزم بیروت)

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اس طرح مکمل وضو کرے جیسے اللہ کریم نے حکم دیا ہے تو فرض نمازیں ان کے درمیانی وقت کے لئے کفارہ بن جاتی ہیں"۔

شرح: پورے اہتمام سے سنت کے مطابق مکمل وضو کرنا اور نماز کی پابندی کرنا محبت کی علامات ہیں اس لئے محبوب جو بڑا بندہ نواز ہے اس کا صلہ نقد یہ دیتا ہے کہ دو نمازوں کے درمیان کے وقت میں اطاعت الٰہی میں جو کمی رہ جائے یا جو بھول چوک ہو جائے وہ معاف فرما دیتا ہے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ گناہ جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے وہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ بڑا نازک معاملہ ہے۔ یہ معافی تو اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ جس کا حق مارا ہے وہ معاف کرے۔

حدیث نمبر ۳۸:

عَنْ سَعِیْدِ بْنِ زَیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّا وُضُوْءَ لَہٗ لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ"

(مشکوٰۃ، باب سنن الوضوء۔ الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وضو کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی اور بسم اللہ کے بغیر وضو نہیں ہوتا"۔

شرح: ہر کام کے کرنے کا سلیقہ ہوتا ہے اور جتنا کوئی اہم کام ہو اسی درجے کا اہتمام اس کے لئے درکار ہوتا ہے۔ پھر جس کام میں تقدس شامل ہو اس کے لئے تو اسی طرز کا سلیقہ چاہیے۔

نماز کیا ہے اللہ کریم کے دربار میں حاضری۔ رب العالمین کے ساتھ ہمکلام ہونے کا موقع۔ اس میں اہمیت بھی ہے تقدس بھی ہے عظمت بھی ہے۔ اس لئے اس کام کے لئے اسی نوعیت کا سلیقہ چاہیے۔ تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیقہ یہ سکھایا کہ جب تم اس حاضری کے لئے جاؤ تو دیکھ لو کہ تمہارا لباس پاک صاف ہے، تمہارا جسم پاک صاف ہے تمہارا دل پوری طرح ادھر متوجہ ہے۔ جسم کی پاکیزگی اور صفائی کا ایک معیار ہے اور ایک خاص صورت ہے۔ جسے وضو کہتے ہیں۔ جب تک یہ

نہ ہوتم اس قابل نہیں کہ رب العالمین سے ہم کلام ہوسکو۔ اگر ایسا کرو گے تو دھتکار دیئے جاؤ گے۔

جسم کی صفائی کے کئی محرک اور مقاصد ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اپنی حس جمال کی تسکین، یا اپنی بڑائی کا اظہار کرنے کے لئے بننا سنورنا میک اپ کرنا اگر تم اس غرض کے لئے صفائی کا اہتمام کرو گے تو اسے صفائی اور پاکیزگی شمار ہی نہیں کیا جائے گا اس کے لئے خاص صورت یہ ہے کہ ابتداہی سے تمہارے اندر یہ جذبہ ہو کہ ہم رب العلمین کی رضا کے لئے اس کی خوشنودی کے لئے اس سے محبت بڑھانے کے لئے یہ اہتمام کر رہے ہیں۔ اس جذبے کا اظہار اس طرح ہوتا ہے یا یہ جذبہ تازہ یوں ہوتا ہے کہ اس کام کے شروع کرتے وقت اللہ کا نام لو اور وہ بھی اس خاص طریقے سے یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھو۔ تب سمجھا جائے گا کہ تم نے یہ سارا اہتمام صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے کیا ہے۔

حدیث نمبر ۳۹:

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "لَا یُرَدُّ الدُّعَاءُ بَیْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَۃِ"

(مشکوٰۃ۔ باب فضل الاذان۔ الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی"۔

شرح: اذان کے لئے ضروری ہے کہ جب کسی نماز کا وقت داخل ہو تو اذان کہی جائے۔ اذان کی آواز سن کر اہل ایمان اللہ کے گھر کی طرف چل پڑتے ہیں۔ اس منظر کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اللہ کریم کی رحمت خاص اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا سلیقہ سکھایا کہ جب اذان ختم ہو تو اس کے بعد دعا کیا کرو اپنی حاجات اپنے رب کے سامنے پیش کیا کرو۔ اللہ کریم کی اس رحمت خاص کا اثر یہ ہے کہ اس وقت جو دعا کی جائے اللہ کریم اسے ضرور قبول فرماتے ہیں۔

ہاں دعا کی قبولیت کا مفہوم بھی سمجھ لینا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ نادانی سے آدمی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی غلط گمان کرنے لگے۔ دعا کی قبولیت کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں۔ اللہ کریم کی حکمت کے تحت اس کے لئے وقت مقرر ہوتا ہے۔ اس لئے ہر دعا کرنے والا یہ یقین رکھے کہ اللہ سے جب مانگا جائے تو وہ دیتا ہے۔ کیسے دیتا ہے۔ بندے کی تجویز کا اس میں دخل نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۴۰:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِىْ لَاَ مَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ"

(مشکوٰۃ۔ باب السواک۔ الفصل الثالث۔ بروایۃ عن ابی سلمہ والفصل الاول۔ بروایۃ عن ابی ھریرہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر میری امت کے لئے مشقت نہ ہوتی تو میں ہر نماز کے لئے مسواک کا حکم دیتا"۔

شرح: بات تو مختصر ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسواک کرنا بہت پسند تھا مگر اس چھوٹی سی حدیث میں کئی حقائق سمو دیئے گئے ہیں مثلاً:

۱۔ مسواک کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

۲۔ دانتوں کو صاف رکھنے کی اہمیت سمجھ میں آ جاتی ہے۔ کہ یہ عمل نہ صرف دانت صاف رکھنے والے کی ذات کے لئے مفید ہے بلکہ سوسائٹی کی راحت کے لئے بھی ضروری ہے۔ کیونکہ جو آدمی دانت صاف نہ رکھے اس کے منہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے جو خود اس کو تو معلوم نہیں ہوتی مگر پاس بیٹھنے والوں کے لئے عذاب ہوتا ہے۔

۳۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کی راحت کا کتنا خیال تھا۔

۴۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے شفیق تھے کہ امت کی مشقت کا لحاظ فرماتے ہوئے ہر نماز کے لئے مسواک کرنا ضروری قرار نہیں دیا۔

۵۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا کوئی حکم ایسا نہیں جو مسلمان کو خواہ مخواہ مشقت میں ڈالے یا اس کے لئے ناقابل برداشت ہو۔

۶۔ گو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں دیا مگر ایک مسلمان کو چاہیے کہ ہر وضو کے ساتھ مسواک کرے کیونکہ یہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے۔

حدیث نمبر ۴۱:

عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" اَلْغُدُوُّ الرَّوَاحُ اِلَى الْمَسَاجِدِ مِنَ الْجِهَادِ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ"

(حوالہ المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۷۷۳۹ ج ۸)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صبح شام نماز

کے لئے مسجد میں جانا جہاد فی سبیل اللہ کا حصہ ہے"۔

شرح: جہاد کے لفظی معنی ہیں۔ انتہائی اور ان تھک کوشش اور جہاد فی سبیل اللہ کے معنی ہیں اللہ کی رضا کی خاطر اللہ کے دین کے لئے انتہائی کوشش کرنا۔ اب اس کوشش کے دو رخ ہیں اول یہ کہ اپنی ذات پر دین حق کو نافذ کرنا۔ اپنی سوچ۔ اپنی پسند۔ اپنا عمل دین کے تقاضوں کے مطابق بنانا۔ اس راہ میں کئی رکاوٹیں آتی ہیں۔ مثلاً خواہش نفس۔ سہل انگاری۔ رسم و رواج، ماحول، فیشن وغیرہ ان رکاوٹوں کو اپنی راہ سے ہٹانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا جہاد فی سبیل اللہ کی ایک قسم ہے۔ دوم دین حق دوسروں تک پہنچانا۔ اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ کفر اور طاغوتی قوتیں ہیں ان کا مقابلہ کرنا جہاد فی سبیل اللہ کی دوسری قسم ہے اور اگر نوبت لڑائی تک پہنچے تو اسے قتال فی سبیل اللہ کہتے ہیں۔

اس حدیث میں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح شام نماز کے لئے مسجد میں جانے کو جہاد فی سبیل اللہ کا حصہ فرمایا ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ صبح کا وقت آرام کا وقت ہوتا ہے آدمی چاہتا ہے کہ نماز ہی پڑھنی ہے تو گھر ہی پڑھ لیتے ہیں۔ اس وقت خواہش کے خلاف آرام و سکون کو چھوڑ کر مسجد جانا ان دونوں رکاوٹوں کے خلاف جہاد ہوا اور شام دن بھر کا کام سمیٹنے کی مصروفیت ہوتی ہے یا آرام کرنے کی تیاری ہوتی ہے۔ اس وقت ان دونوں رکاوٹوں کے خلاف کوشش کر کے مسجد جانا بھی جہاد فی سبیل اللہ کی شکل ہوگی پھر یہ کہ اس چھوٹی سی قربانی کا صلہ اتنا کہ اسے جہاد فی سبیل اللہ قرار دیا جائے۔ یہ ارحم الراحمینی اور رحمتہ للعالمینی کی شان ہے۔

حدیث نمبر ۴۲:

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ"

(مشکوٰۃ۔ کتاب الطہارۃ۔ الفصل الثالث)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنت کی چابی نماز ہے"۔

شرح: انسان کی فطرت میں یہ داخل ہے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات کے سلسلے میں اپنی رہائش کا اہتمام کرتا ہے۔ معاشی اعتبار سے خواہ وہ کسی سطح کا ہو اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اچھے سے اچھا مکان ہو۔ اگر اس کے وسائل ناکافی ہوں تو وہ قرض لے کر بھی اپنی یہ ضرورت پوری کرتا ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں بڑی کوٹھی یا بنگلہ بنانے کا منصوبہ بھی بنا لیتا ہے اور یہ دیکھا گیا ہے کہ ابھی وہ مکان تکمیل کو نہیں پہنچتا کہ اسے بلاوا آ جاتا ہے اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے نہایت بے بسی کے

عالم میں یہاں سے رخصت ہو جاتا ہے۔

انسان کے اس فطری داعیہ کو دیکھو کہ جہاں چند ے قیام کرنا ہے اس کے لئے اتنا اہتمام تو کیا اس کے دل میں یہ خیال نہ آتا ہوگا کہ جہاں مجھے ہمیشہ رہنا ہے وہاں کی کچھ فکر کروں۔ عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہاں کی فکر زیادہ ہو مگر غفلت کا عالم یہ ہے کہ آدمی کہتا ہے ایسا جہان مٹھا لگا کس نے ڈٹھا۔ جن لوگوں کا اپنے رب سے تعلق ہوتا ہے انہیں وہاں کی فکر زیادہ ہوتی ہے اور رب ایسا کریم ہے کہ ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے وہاں ان کے لئے بنگلے تیار کرا دیتا ہے اور اس پر فضا جگہ کا نام جنت ہے۔ یہاں ان کو ہدایت دے دیتا ہے کہ میرے کہنے کے مطابق زندگی بسر کرو تو بنگلہ تمہیں الاٹ ہو گیا۔ اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اطلاع دیتے ہیں کہ بنگلہ تمہارے لئے مقفل کر دیا گیا ہے اس کی چابی لیتے جانا اور وہ چابی ہے محبت اور شوق سے نماز کی پابندی کرو۔ یہ کر لیا تو چابی تمہارے سپرد کر دی جائے گی۔

حدیث نمبر ۴۳:

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رَضِیَ اللّٰہ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" مَنْ صَلّٰی الْعِشَاءَ فِیْ جَمَاعَۃٍ فَقَدْ اَخَذَ مِنْ حَظِّہٖ مِنْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ"

(المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۷۷۴۵ ج ۸)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے اپنا حصہ لیلۃ القدر سے لے لیا"۔

شرح: حدیث میں نماز باجماعت کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ صرف فضیلت ہی نہیں نہایت تاکید فرمائی گئی ہے حتیٰ کہ ایک حدیث میں بیان ہوا ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں مسجد میں جماعت کھڑی کر کے اپنے خادموں کو حکم دیتا کہ گھروں کو آگ لگا دو جن کے مکین جماعت میں شریک نہیں ہوئے۔

لیلۃ القدر کے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ" خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ "(القدر:3) کہ اس رات عبادت کرنا ایک ہزار مہینے کی عبادت سے بھی افضل ہے۔

اس حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں فضیلت کی چیزوں کو لا کر عشاء کی نماز کے ساتھ وابستہ فرمایا ہے عشاء کی نماز دن کی آخری نماز ہوتی ہے۔ اس کے بعد آدمی آرام کرتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ جس نے عشاء کی نماز باجماعت ادا کی یہ ظاہر کرتا ہے کہ جس نے اپنے دن کا خاتمہ نماز باجماعت سے کیا اب اس کا سو جانا بھی عبادت شمار ہوگا جس طرح لیلۃ القدر کی عبادت ہزار مہینے کی عبادت سے بہتر ہے اسی طرح اس آدمی کی عشاء کی نماز باجماعت

کئی انفرادی نمازوں سے بہتر ہے یعنی اس نے اتنا ثواب پالیا گویا لیلۃ القدر سے اس کو حصہ مل گیا۔

حدیث نمبر ۴۴:

عَنْ جُنْدُبِ القسرِی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" مَنْ صَلَّی الصُّبْحَ فِیْ جَمَاعَۃٍ فَھُوَ فِیْ ذِمَّۃِ اللّٰہِ"

(مشکوٰۃ۔ باب فضائل الصلوٰۃ۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت جندب القسری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے صبح کی نماز باجماعت ادا کی وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے"۔

شرح: حفاظت کا تعلق دشمن سے ہے۔ یعنی دشمن کے شر سے اس کے حملوں سے محفوظ ہونا حفاظت میں ہونا ہے۔

صبح کے وقت اٹھنا۔ میٹھی نیند کے مزے تج دینا خاصا مشکل کام ہے۔ پھر صبح سویرے اٹھ کر وضو کرنا اور نماز پڑھنا اور بھی مشکل ہے۔ اس سے آگے ایک اور مشکل یہ ہے کہ گھر سے نکل کر مسجد کو جانا اور وہاں باجماعت نماز ادا کرنا گویا سویرے سویرے تین مرحلے طے کرنے پڑے۔

یہ تینوں کام مشکل اس لئے ہیں کہ انسان کا ازلی دشمن شیطان اول تو اوریاں دے کے سلاتا ہے اور سلائے رکھنا چاہتا ہے پھر کسی حیلے بہانے نماز سے روکتا ہے اور سب سے زیادہ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کم از کم نماز باجماعت کی فضیلت سے تو محروم رہے۔ اس لئے جو شخص اس کے چنگل سے نکل کر اللہ کے گھر پہنچ جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کریم نے اس کی حفاظت کی اور دشمن کا داؤ اس پر نہ چل سکا۔ اگر یہ نماز اس جذبے کے ساتھ پڑھے جو مطلوب ہے تو اس کے بعد دن بھر بھی وہ اللہ کی حفاظت میں ہوتا ہے اور اگر یہ نماز اس طرح پڑھی کہ

مجلس وعظ تو تادیر رہے گی قائم
یہ ہے میخانہ چلو پی کے ابھی آتے ہیں

تو وہ خود اپنی آزاد مرضی سے اللہ کریم کی حفاظت سے نکل کر دشمن کے پاس پہنچ گیا۔ اب اس کا انجام معلوم ہے۔

حدیث نمبر ۴۵:

عَنْ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ "مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ یُجِبْہُ فَلَا صَلٰوۃَ لَہٗ اِلَّا مَنْ عُذْرٍ"

(مشکوٰۃ۔ باب الجماعۃ وفضلھا۔ الفصل الثالث)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے اذان سنی اور نماز کے لئے

مسجد نہ آیا تو اس کی کوئی نماز نہیں سوائے اس کے کہ اس کو کوئی عذر پیش ہو۔

شرح: اذان کیا ہے؟ اللہ کریم کی طرف سے دعوت ہے۔ اللہ کے گھر کا بلاوا ہے۔ ظاہر ہے کہ اپنے گھر آنے کی اس کو دعوت دی جاتی ہے جس کے ساتھ گہرے روابط ہوں۔ اس لئے ہر معاشرے میں اس بات کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے کہ جب کسی عزیز کے ہاں سے دعوت آئے تو اس کی بڑی عزت اور قدر کی جاتی ہے اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آدمی کسی عزیز کی دعوت کو ٹھکرا دے۔ ہاں ایک صورت ضرور ہوتی ہے کہ جب کسی کے ساتھ تعلقات منقطع کرنے ہوں یا بائیکاٹ کرنی ہو تو بلا تامل دعوت ٹھکرا دی جاتی ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ اذان۔ رب العالمین کی طرف سے دعوت ہے اس کے گھر آنے اور اس سے ہمکلام ہونے کی اور اس کے سامنے اپنی حاجات پیش کرنے کا موقعہ دیا جاتا ہے تو جو شخص اس دعوت کے جواب میں اللہ کے گھر حاضر نہیں ہوتا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اعلان کر رہا ہے کہ اللہ سے میرا کوئی تعلق نہیں یا میں اللہ سے روٹھا ہوا ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ حرکت پرلے درجے کی ڈھٹائی ہے۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا مسجد میں نہ آنا اور گھر میں نماز پڑھنا نماز ہی نہیں کیونکہ اس نے اللہ کی دعوت کی قدر نہ کی اور اپنی مرضی برتی۔ ہاں عذر کی رعایت ہے اور عذر کئی ہو سکتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے پوچھنے پر یہ عذر بیان کئے۔ جان، مال، آبرو کا ڈر۔ شرح منیہ میں عذر یہ لکھے ہیں بارش، سخت سردی، بیماری جس سے مسجد میں پہنچ نہ سکے یا کھانا حاضر ہو۔ یا قضائے حاجت کے لئے سخت تقاضا ہو۔ بلا عذر نماز قبول نہ ہوگی۔

حدیث نمبر ۴۶:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم "اِجْعَلُوْا فِیْ بُيُوْتِكُمْ مِنْ صَلٰوتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْراً"

(مشکوٰۃ صفحہ نمبر ۶۹۔ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ اپنے گھروں میں (نوافل) نمازیں پڑھا کرو۔ انہیں قبریں نہ بناؤ۔

شرح: نماز باجماعت کی فضیلت اور تاکید کا بیان ہو چکا۔ اور ظاہر ہے کہ نماز باجماعت کی اصل جگہ مسجد ہے۔

اس حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھروں کو آباد کرنے کا سلیقہ سکھایا ہے۔ ایک مسلمان گھر کی آبادی یہ نہیں کہ اس میں بسنے والوں کی تعداد زیادہ ہو یا اس میں ہر طرح کی گہما گہمی ہو بلکہ مسلمان کے گھر کی آبادی کا سامان بھی وہی ہے جو ایک مسلمان کے دل کی آبادی کا سامان ہے اور وہ ہے اللہ کی یاد اس یاد کو باضابطہ جاری رکھنے کا طریقہ بتایا کہ فرض تو باجماعت مسجد میں ادا کیا کرو نوافل اپنے گھروں میں پڑھا کرو یہی گھروں کی آبادی کا سامان ہے نوافل میں بہترین اور

عظیم ترین نماز تہجد کی ہے۔ ان کے علاوہ نوافل کی کوئی خاص تعداد مقرر نہیں اس لئے جتنی کثرت سے نوافل ہوسکیں اپنے گھروں میں پڑھو۔

گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ اس تشبیہ میں بڑے لطیف حقائق بیان ہوئے ہیں، اول دیکھو کہ قبرستان کی آبادی قبروں سے ہے جتنی زیادہ قبریں ہوں گی قبرستان اتنا ہی زیادہ آباد ہوگا، دوم قبر عمل کی جگہ نہیں اور عمل وہی ہے جو صالح ہو اس لئے اگر گھر میں عمل صالح کا اہتمام نہ ہو تو وہ گھر نہیں قبر ہے۔ سوم قبروں میں بے حسی ہوتی ہے کوئی حرکت نہیں سنسان جگہ ہے۔ سو اگر گھر میں یاد الٰہی کا اہتمام نہیں تو وہ گھر بھی سنسان ہے۔

حدیث نمبر ۴۷:

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قَالَ " مَثَلُ الْبَیْتِ الَّذِیْ یُذْکَرُ اللّٰہُ فِیْہِ وَالْبَیْتُ الَّذِیْ لَا یُذْکَرُ اللّٰہُ فِیْہِ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ "

(مسلم باب استحباب النافلۃ فی بیتھا حدیث نمبر ۷۷۹ ص ۲۶۵، ج ۱) نور محمد اصح المطابع کراچی

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ گھر جس میں اللہ کا ذکر کیا جائے اور وہ گھر جس میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے ایسے ہیں جیسے زندہ اور مردہ۔

شرح: زندہ اس کو کہتے ہیں جو چیز جسم رکھتی ہو اور اس میں جان یا روح بھی ہو اور مردہ وہ ہے جس کا صرف جسم ہو اس میں روح موجود نہ ہو مگر روح ایسی چیز ہے جو نظر نہیں آتی تو کیسے معلوم ہو کہ اس میں روح ہے یا نہیں؟ روح کی موجودگی دیکھنے سے تعلق نہیں بلکہ اس کی کچھ علامات ہوتی ہیں سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ زندہ کو اپنے نفع و نقصان کا احساس ہوتا ہے اور مردہ اس احساس سے خالی ہوتا ہے۔

کسی گھر کے زندہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس گھر کے بسنے والے نفع نقصان کی تمیز رکھتے ہیں اور نفع والی چیزوں کے حصول کے لئے کوشش کرتے ہیں اور انسان کے لئے سب سے زیادہ نفع والی چیز وہ ہے جو اس کی اخروی زندگی کو پرسکون بنا سکے اور وہ چیز صرف اللہ کریم سے بندگی کا تعلق ہے اور جب تعلق قائم ہو جائے تو بندہ اپنے رب کو بھلا سکتا ہی نہیں اور یہ تعلق ذکر الٰہی سے قائم ہوتا ہے۔ اس لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھر کو زندہ قرار دیا جس کے بسنے والے اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے اور جس گھر میں یہ نہیں وہ گھر ہی مردہ ہے اور اس میں بسنے والے بس قبریں ہیں۔

حدیث نمبر ۴۸:

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" مَنْ صَلَّی الْبَرْدَیْنِ دَخَلَ الْجَنَّۃَ"

(مشکوٰۃ۔ باب فضائل الصلوٰۃ۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے دو ٹھنڈی نمازیں پڑھیں جنت میں داخل ہو گیا"۔

شرح: ٹھنڈی نمازوں کے متعلق دو قول ہیں۔

ایک ہے صبح اور عصر، دوسرا قول ہے صبح اور عشاء۔ اس سے پہلے ایک حدیث میں نماز کو جنت کی کنجی فرمایا گیا ہے۔ یہاں دو نمازوں کا خصوصیت سے ذکر فرمایا۔ پہلے قول کے مطابق اگر فجر اور عصر مراد لیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فجر کا وقت نیند کے مزے لینے کا وقت ہوتا ہے۔ سردیاں ہوں، گرمیاں ہوں، بستر چھوڑنا دشوار ہوتا ہے۔ تو جو شخص اپنے آرام کی قربانی دے کر فجر کی نماز پابندی سے ادا کرتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نماز کی اہمیت سے کماحقہ واقف ہے اور عصر کا وقت کام کاج سمیٹنے کا وقت ہوتا ہے۔ آدمی یہی چاہتا ہے کہ بس یہ کام سمیٹ لوں تو نماز عصر پڑھ لوں گا اس طرح نماز جاتی رہتی ہے جس شخص میں اس کا احساس ہو وہ اپنی مصروفیت کو چھوڑ کر عصر کی نماز کا اہتمام کرتا ہے اس کا ایسا کرنا ظاہر کرتا ہے کہ یہ شخص نماز کے لئے اپنا آرام اور اپنے مشاغل قربان کر سکتا ہے اس کے لئے جنت کا مژدہ یہ ہے۔ جس آدمی کو اس امر کا احساس ہو کہ دن کا آغاز صبح کی نماز سے کیا تھا اب سونے کا وقت ہے تو دن کا انجام بھی ایسے ہی طور پر کرنا چاہیے تا کہ ابتداء اور انتہا دونوں پسندیدہ ہوں تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا شخص نماز کی اہمیت اور فضیلت سے کماحقہ واقف ہے اس لئے اس کے واسطے جنت کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

حدیث نمبر ۴۹:

عَنْ بُرَیْدَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ الْعَصْرَ حَبِطَ عَمَلُہٗ"

(کتاب مواقیت الصلوٰۃ۔ صفحہ ۸۳ بخاری باب التکبیر بالصلوٰۃ فی یوم غیم حدیث نمبر ۵۶۹)

ترجمہ: حضرت بریدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں: "کہ جس نے عصر کی نماز چھوڑی اس کا عمل ضائع ہو گیا"۔

شرح: عصر کی نماز کی اہمیت ایک خاص وجہ سے ہے جس کا تجربہ ہر شخص کو ہوتا ہے۔ ایک تاجر کو لیجئے۔ دن کے آخری حصے میں

اسے یہ خیال ہوتا ہے کہ اب دکان بند کرنے کا وقت ہے اور گاہک اور موت کا کوئی اعتبار نہیں نہ جانے کس وقت آجائے اس لئے ذرا انتظار کر لیتے ہیں شاید کوئی گاہک آجائے پھر نماز پڑھ لیں گے۔ ایک صناع کا بھی یہی حال ہوتا ہے کسان کو دیکھو یہی فکر دامن گیر ہوتی ہے اور کام سمیٹنے کا انتظار کرتے کرتے عصر کا وقت نکل جاتا ہے۔

یہ رویہ اختیار کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ اس آدمی کے دل میں رب العالمین کے بلاوے کی کوئی قدر نہیں اور اپنے رب کی ملاقات اور اس سے ہمکلام ہونے کے مقابلے میں یہ چند ٹکوں کو زیادہ اہمیت دیتا ہے تو اس نے گویا عصر کی نماز چھوڑ کر اپنے دن بھر کے عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی فکر نہیں کی اس کا مطلب یہ ہوا کہ کام مکمل کرنے کی سعادت سے وہ محروم رہ گیا۔ یہی تو عمل کا ضائع ہونا ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ ایسا کرنے سے اس کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ دن کے عمل کو مکمل کرنے کا موقع ضائع کر بیٹھا ہے۔

حدیث نمبر ۵۰:

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " صَلُّوْا اَيُّهَا النَّاسُ فِيْ بُيُوْتِكُمْ فَاِنَّ اَفْضَلَ صَلٰوةِ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ "

(متفق علیہ۔ ریاض الصالحین۔ باب استحباب۔۔۔۔ النوافل فی البیت الخ)

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو کیونکہ آدمی کی بہترین نماز وہ ہے جو وہ اپنے گھر میں پڑھے، سوائے فرض نماز کے"۔

شرح: نماز باجماعت کی تاکید اور فضیلت بیان ہو چکی ہے کہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا ۲۷ گنا فضیلت رکھتا ہے اور یہ کہ بغیر عذر کے جماعت کے بغیر گھر میں نماز پڑھنا نماز ہی شمار نہیں ہوتی اس لئے فرض نماز اکیلے اور گھر میں پڑھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

رہا نفل نماز کا معاملہ تو اس حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادی کہ نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے اس میں کئی حکمتیں نظر آتی ہیں۔ اول یہ کہ جن گھروں میں اللہ کا ذکر نہ ہو وہ گھر ہی مردہ ہیں۔ اور نوافل اور ذکر الٰہی کی عمدہ صورت ہے۔ دوم یہ کہ گھر میں تنہائی ہوتی ہے۔ دکھاوے اور ریاء کا شائبہ نہیں ہوتا۔

سوم یہ کہ آدمی پوری یکسوئی سے نماز ادا کرتا ہے۔

چہارم یہ کہ بچوں کے سامنے ایک عمدہ نمونہ اور بہترین مثال ہوتی ہے اور بچوں میں بھی نماز پڑھنے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔

حدیث نمبر۵۱:

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" سَوُّوْا صُفُوْفَکُمْ فَاِنَّ تَسْوِیَۃَ الصُّفُوْفِ مِنْ اَقَامَۃِ الصَّلٰوۃِ"

(مشکوٰۃ: باب تسویۃ الصف۔ الفصل الاوّل)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آپنی صفیں سیدھی کیا کرو کیونکہ صف کا سیدھا کرنا نماز کی تکمیل کے لئے ضروری ہے"۔

شرح: کام خواہ کوئی ہو صرف اس کا کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ مکمل طور پر کرنا اور سلیقے سے کرنا ضروری ہوتا ہے جو کام ادھورا چھوڑ دیا جائے اس کا کرنا نہ کرنے کے برابر ہوتا ہے اور جو کام بھونڈے طریقے سے کیا جائے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کرنے والا اس کام کو کوئی اہمیت نہیں دیتا یا حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کو ہر کام سلیقے سے کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ ہر کام کا سلیقہ سکھایا ہے حتیٰ کہ کھانا کھانے، سونے، پانی پینے تک کا سلیقہ سکھلایا ہے تو نماز جو ایک اعلیٰ ترین عبادت ہے اور نماز باجماعت جو اس اجتماعی عبادت کی پسندیدہ صورت ہے اس کا سلیقہ کیوں نہ سکھایا جاتا سوار شاد ہوتا ہے کہ جب نماز باجماعت کے لئے کھڑے ہوا کرو تو اپنی صفیں سیدھی کیا کرو چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو درہ لے کر صفیں سیدھی کراتے تھے اس میں اپنا ایک حسن ہے۔ سلیقہ ہے حسن جمال کی تسکین ہے رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونے کی عمدہ صورت ہے اس لئے اس کو نماز کا حصہ فرمایا اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہدایت ہے کہ کوئی صف ادھوری چھوڑ کر پیچھے اور صف نہ بنائی جائے یہ سب نماز کی تکمیل کے لئے ضروری ہے۔

حدیث نمبر۵۲:

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ نِ الْاَنْصَارِیْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "لَا تَجْزِیْ صَلٰوۃُ الرَّجُلِ حَتّٰی یُقِیْمَ ظَھْرَہٗ فِی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ"

(مشکوٰۃ۔ باب الرکوع حدیث نمبر ۸۷۸۔ الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدمی کی نماز جائز نہیں جب تک رکوع اور سجدہ میں پیٹھ سیدھی نہ کرے"۔

شرح: نماز کے تمام ارکان کو صحیح طور پر ادا کرنے کا نام ہے تعدیل ارکان ہے اور قبولیت نماز کے لئے اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ آدمی رکوع میں جائے وہاں رکے اپنی پیٹھ سیدھی کرے یہ نہیں کہ جیسے جھولا جھولا جاتا ہے

کہ گیا اور آیا۔ اسی طرح سجدہ میں جائے تو آرام سے رکے دونوں جگہ اتنا ٹھہرے کہ سب اعضاء اپنے ٹھکانے پر آ جائیں یہ امام ابو یوسف کے نزدیک بہ مقدار ایک تسبیح کے ٹھہرنا فرض ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک واجب ہے۔

ان دونوں میں سے جو بھی صورت ہو یعنی فرض یا واجب اس کا لحاظ نہ رکھنا ایسا ہے جیسے نماز پڑھی ہی نہیں۔ کیونکہ فرض رہ جائے تو نماز باطل ہو گئی اور واجب رہ جائے تو سجدہ سہو کے بغیر وہ بھی ادا نہ ہوئی۔ لہذا عقیدت اور ادب کا تقاضا یہی ہے کہ رکوع و سجدہ میں آدمی ایسی حالت اختیار کرے جو اس کے بندہ ہونے کی دلیل اور عبادت کے شایان شان ہو۔

حدیث نمبر ۵۳:

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم" اِیَّاکَ وَالْاِلْتِفَاتَ فِی الصَّلٰوۃِ فَاِنَّ الْاِلْتِفَاتَ فِی الصَّلٰوۃِ ھَلَکَۃٌ"

(رواہ الترمذی۔ ریاض الصالحین باب کراھۃ الالتفات فی الصلوٰۃ بغیر عذر)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خبردار! نماز میں ادھر ادھر مت دیکھو ایسا کرنا نماز کو باطل کر دیتا ہے"۔

شرح: نماز کیا ہے؟ یہی کہ بندہ اپنے کام کاج کو چھوڑ کر اپنے رب کے دربار میں حاضر ہوا ہے۔ اس سے ہمکلام ہو رہا ہے اور رب العالمین اپنے بندے کی طرف متوجہ ہے اور اسے دیکھ رہا ہے اس دوران اگر بندہ ادھر ادھر دیکھنے لگے تو اس نے نہ اس حاضری کی قدر کی نہ رب العالمین کے متوجہ ہونے کی قدر کی اس سے بڑی گستاخی اور بے ادبی کیا ہو سکتی ہے۔

ادھر ادھر دیکھنے کی بھی کئی صورتیں ہیں مثلاً گردن پھیر کے ادھر ادھر دیکھنا۔ اس کو فقہاء مکروہ کہتے ہیں نماز ناقص ہو گئی دوسرا ایسا پھرنا کہ سینہ بھی قبلے سے پھر جائے اس سے نماز باطل ہو گئی۔

تیسرا آنکھیوں سے دیکھنا یہ تو بے ادبی ہوئی اور یوں سمجھئے کہ چوری ہوئی۔ ایسا کرنے سے نماز کی اہمیت کا احساس کہاں باقی رہا۔ غرض دیکھنے کی جو صورت بھی اختیار کی جائے ہلاکت ہی ہلاکت ہے خواہ کم درجے کی ہو یا حد درجے کی اور آگ آگ ہی ہے خواہ چنگاری ہو یا شعلہ ہو۔

حدیث نمبر۵۴:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" أَشْرَافُ أُمَّتِيْ حَمَلَةُ الْقُرْاٰنِ وَأَصْحَابُ اللَّيْلِ"

(شعب الایمان للبیہقی حدیث نمبر۲۰۷۳ شائع کردہ: دارالمیہ: بیروت)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت میں اچھے لوگ وہ ہیں جو قرآن کی تعلیمات پر عامل ہیں اور تہجد گزار ہیں''۔

شرح: اس حدیث میں دو اعمال کی فضیلت بیان ہوئی ہے اور اس درجے کی فضیلت کہ ان اعمال کے کرنے والوں کو امت کے بہترین لوگ قرار دیا۔

۱۔ حملۃ قرآن:۔ حامل کے معنی ہیں اٹھانے والے اور حملۃ جمع ہے جس کے معنی اٹھانے والا۔ قرآن کے اٹھانے والے۔

اٹھانے والوں سے مراد وہ نہیں جو قرآن کی گٹھری باندھ کے سر پر رکھ لیں وہ بھی نہیں جو عدالتوں میں جھوٹی شہادت دیتے وقت قرآن اٹھاتے ہیں بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن کو ضبط کرتے ہیں معانی سمجھتے ہیں اور قرآن کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ صحیح معنوں میں اٹھانے والے وہی ہیں جو قرآن کے معانی سمجھ کر ان پر عمل کرتے ہیں۔ خواہ انہیں حفظ نہ ہو۔ حفظ ہونا مستزاد ہے۔ یہ بہترین لوگ ہیں اور اگر صرف حافظ ہوں، نہ سمجھیں، نہ عمل کریں تو ان کے لئے قرآن نے ایک مثال بیان کی ہے کہ ''كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا'' (الجمعہ: ۵) یعنی وہ گدھے ہیں جن پر کتابیں لدی ہوئی ہیں۔ آج کے سائنسی دور میں یوں سمجھو کہ وہ قرآن کی کیسٹیں ہیں، اور اگر حافظ ہوں اور ڈٹ کے قرآن کی مخالفت کریں تو وہ گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔

۲۔ اصحاب اللیل۔ لفظی معنی رات والے۔ مراد یہ ہے کہ راتوں کو اٹھ کر عبادت کرنے والے۔ رات کی ایک عبادت ہے جسے تہجد کہتے ہیں تو دوسرے وہ لوگ ہیں جو تہجد کی نماز پابندی سے پڑھتے ہیں۔ اس نماز کی سعادت اللہ کریم ان کو عطا فرماتا ہے جن کے دلوں میں محبت الٰہی کی چنگاری موجود ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں کام ضابطے کی کارروائی نہیں ہوتی بلکہ ان کا محرک صرف محبت کا جذبہ ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اصل چیز محبت ہی ہے۔ سچ کہا اقبال نے۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہ تصورات

اور

یک ذرہ درد دل از علم فلاطوں بہ

حدیث نمبر ۵۵:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ" اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ"

(بخاری کتاب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ ص ۶۔۔۔)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں: ''کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''۔

شرح: کسی چیز کی پہچان اس کا وہ خاص وصف ہوتا ہے جو کسی حالت میں اس کی ذات سے جدا نہ ہو مثلاً آگ کی پہچان یہ ہے کہ وہ جلتی ہے اور جلاتی ہے اگر یہ وصف موجود نہیں تو وہ آگ ہی نہیں۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی پہچان بتائی کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں یعنی یہ وصف جس شخص کی ذات سے کسی حالت میں الگ نہ ہو وہ مسلمان ہے۔

زبان سے دوسروں کے محفوظ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کسی دوسرے کو گالی نہیں دیتا غیبت نہیں کرتا۔ تہمت نہیں لگاتا۔ جھوٹا پروپیگنڈہ نہیں کرتا۔ جھوٹ نہیں بولتا۔ جھوٹی گواہی نہیں دیتا۔ جھوٹی قسم نہیں کھاتا وغیرہ۔ ان میں سے کوئی کام نہ کرے تو دوسرے اس کی زبان سے محفوظ ہوں گے۔

ہاتھ سے محفوظ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی سے لڑائی نہیں کرتا مار دھاڑ نہیں کرتا۔ چوری ڈاکہ۔ قتل نہیں کرتا۔ کسی کا حق نہیں چھینتا۔ کم نہیں تولتا۔ وغیرہ۔

اگر یہ وصف اس میں نہیں تو وہ نام کا مسلمان ہے ''کڑی نچی'' کا مسلمان ہے۔

ذرا غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نشانی وہ بتائی ہے جو کم سے کم ہونی ضروری ہے ورنہ حقیقی نشانی یہ ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسروں کو راحت ملے، نفع پہنچے دوسروں کا بھلا ہو۔ دوسروں کی دنیا اور آخرت سنورے۔

چومی گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الہ را

حدیث نمبر ۵۶:

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ"

(بخاری کتاب الایمان ص ۶)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں: "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے"۔

شرح: گزشتہ حدیث میں مسلمان کی نشانی بتائی کہ اس میں یہ باتیں ہوتی ہیں اس حدیث میں مومن کی نشانی بتائی کہ اس میں یہ بات نہیں ہوتی اسلام کا تعلق زبان سے اقرار کرنے سے ہے اور عملاً فرائض کی پابندی کرنے سے ہے خواہ وہ محض ضابطے کی کارروائی ہو اور صرف دکھانے کے لئے ہو اس لئے مسلمان کی نشانی بتائی کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے محفوظ رہیں۔ زبان اور ہاتھ کی کاروائی کا تعلق اس ظاہری وصف سے ہے ایمان کا تعلق دل کے یقین سے ہے جو حواس ظاہری کے دائرے سے باہر ہے۔ اس لئے ایمان کی نشانی یہ بتائی کہ مومن وہ ہے جو اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ پسند کا تعلق دل سے ہے گو پسند کا اظہار عمل سے ہو جاتا ہے۔ مگر پسند کی حقیقت حواس سے معلوم نہیں ہوسکتی۔

حدیث میں لفظ بھائی نہیں "اخیہ" یعنی اپنا بھائی ہے اس کا مفہوم بڑا وسیع ہے کیونکہ اخوت اور بھائی چارہ کئی قسم کا ہوتا ہے مثلاً ایک تو بھائی وہ ہوتا ہے جس کو سگا بھائی کہتے ہیں اس بھائی چارے کا دائرہ بہت محدود ہے، دوسرا دائرہ ہے قریبی رشتہ دار۔ ان دونوں کا تعلق خونی رشتوں سے ہے دوسرا بھائی چارہ ایمان ہے کہ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ یہ دائرہ پہلے دونوں دائروں سے زیادہ وسیع ہے۔ تیسرا بھائی چارہ انسانیت کا ہے جو اولاد آدم ہونے کی نسبت سے ہے۔ یہ دائرہ سب سے زیادہ وسیع ہے۔

اب رہی بات پسند کی تو اس کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے ایک دائرہ ہے مادی اشیاء کا یعنی ضرورت اور استعمال کی کوئی چیز لینے کا موقع آئے تو اس کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ آدمی چاہتا ہے کہ اس میں سے جو بہترین ہیں وہ میں لوں اور جو ناقص گھٹیا ردی ہے وہ دوسروں کو دی جائے۔ یہ رویہ مومن کو زیب نہیں دیتا یعنی یہ ایمان کے منافی ہے۔

دوسرا دائرہ بہت وسیع ہے اس میں ہر قسم کا رویہ آجاتا ہے مثلاً کوئی آدمی یہ پسند نہیں کرتا کہ مجھے کوئی گالی دے۔ تو وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا کہ اسے یہ تو پسند نہ ہو کہ اسے کوئی گالی دے مگر خود دوسروں کو گالی دینا اسے پسند ہو۔ اسی طرح کوئی شخص

یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی چوری ہو۔ تو وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا جو دوسروں کے گھر چوری کرنا پسند کرے۔

اسی طرح کوئی شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کو دھوکا دیا جائے تو وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا جو صرف دوسروں کو دھوکا دینا پسند کرے۔ اسی طرح وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا جو دوسروں کا مال غضب کرے مگر اسے یہ پسند نہ ہو کہ اس کا مال غضب کیا جائے وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا جو دوسروں کا مال ہتھیانے کے لئے عدالتوں میں جھوٹی شہادتیں دے مگر اسے یہ پسند نہ ہو کہ کوئی دوسرا اس کے ساتھ یہ سلوک کرے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معیار دراصل انسانی نفسیات کے بالکل بنیادی اصول کے مطابق فرمایا اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے صرف اس ایک اصول پر مسلمان کاربند ہو جائیں تو دنیا بھر کے مسلمان معاشرے میں امن وسکون کی وہ فضا پیدا ہو جائے کہ یہ دکھوں بھری دنیا جنت الفردوس بن جائے۔

حدیث نمبر ۵۷:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّا یَاْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ"

(رواہ مسلم۔ ریاض الصالحین۔ باب حق الجار والوصیۃ بہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے پڑوسی اس کے ایذا سے محفوظ نہ ہوں"۔

شرح: معاشرتی زندگی دو چیزوں سے مرکب ہے۔ حقوق اور فرائض ان دونوں کا ایسا گہرا تعلق ہے کہ ایک کے جو حقوق ہوتے ہیں بالکل وہی دوسرے کے فرائض ہوتے ہیں مثلاً اولاد کے حقوق یہ ہیں کہ ان کی صحیح پرورش کی جائے تعلیم دی جائے انہیں دین سکھایا جائے بالکل یہی والدین کے فرائض ہیں کہ اولاد کی صحیح پرورش کریں، تعلیم دیں، دین سکھائیں وغیرہ۔

انسان کی یہ کمزوری بدنصیبی یا دین سے دوری کہ انسان حقوق کے لئے تو لپکتا ہے مگر فرائض سے کنی کتراتا ہے حقوق کے لئے جلوس نکلتے ہیں۔ احتجاج ہوتے ہیں۔ ہڑتالیں ہوتی ہیں۔ لانگ مارچ ہوتے ہیں لیکن فرائض کے متعلق خیال ہی نہیں آتا ان جلوس نکالنے والوں کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پرلے درجے کے کام چور، رشوت خور، ہیرا پھیری، غبن، دھوکا اور اس قسم کے سارے کام کرنے والے ہوتے ہیں۔

اسلام سب سے پہلے اس کمزوری کا علاج کرتا ہے اور فرائض کی ادائیگی پر زور دیتا ہے۔ تاکہ دوسروں کے حقوق غضب نہ ہوں کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے معاشرے میں نفرت کے جراثیم پیدا نہ ہوں اور زندگی نہایت امن وسکون سے

گزرے اس حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے حقوق وفرائض کو صرف ایک جملے میں سمو کر رکھ دیا ہے ایک پڑوسی کا جو حق ہے وہی دوسرے کا فرض ہے اور اس کے برعکس۔ اسی طرح تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پڑوسی آپس میں یوں رہیں کہ ایک کو دوسرے سے کسی قسم کی اذیت یا تکلیف نہ پہنچے بلکہ ایک دوسرے کے لئے راحت وسکون کا ذریعہ بنیں۔ پھر اس کی اہمیت یوں بیان فرمائی کہ جو شخص اپنے پڑوسی کو دکھ دیتا ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا یہ بہت بڑی وعید ہے کیونکہ جنت میں داخلہ نہ ملنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ کون ایسا احمق ہے جو یہ ٹھکانہ پسند کرے گا۔

حدیث نمبر ۵۸:

عَنْ اَبِیْ رُقَیَّةَ تَمِیْمِ بْنِ اَوْسِ ن الدَّارِیْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِکِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ وَ عَامَّتِهِمْ"

(مسلم باب بیان ان الدین النصیحۃ حدیث نمبر ۵۵ ص ۸۶)

ترجمہ: حضرت ابورقیہ تمیم رضی اللہ عنہ بن اوس الداری سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دین خلوص اور خیر خواہی کا نام ہے"۔ ہم نے کہا کس کے ساتھ خلوص اور کس کی خیر خواہی؟ فرمایا: "اللہ کے ساتھ خلوص، اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خلوص۔ مسلمانوں کے پیشواؤں کے ساتھ اور عام مسلمانوں کے ساتھ خلوص اور ان کے ساتھ خیر خواہی"۔

شرح: "النصیحتہ" کے لفظی معنی ہیں "الاخلاص والتصفیہ" یعنی دوسروں کے ساتھ ایسا کھرا معاملہ رکھنا جس میں کوئی ملاوٹ کوئی کھوٹ اور کوئی ہیرا پھیری نہ ہو۔ کیا نیت کیا عمل، کیا ظاہر کیا باطن۔ اس وصف کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دین کی حقیقت دین کا جوہر دین کی اصل بلکہ سارا دین ہی بس یہ ہے کہ معاملہ کھرا رکھا جائے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کی تفصیل پوچھی کہ کس کے ساتھ معاملہ کھرا رکھا جائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل بتائی جس میں سرفہرست اللہ کا نام ہے یعنی اللہ کریم کے ساتھ معاملہ کھرا ہو اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ کی ذات اور صفات پر صدق دل سے ایمان لایا جائے کسی کو اس کا شریک نہ بنایا جائے پھر اس کی عبادت اور اطاعت پورے خلوص عقیدت اور محبت کے ساتھ کی جائے اس کا مقصد محض رضائے الٰہی ہو اس میں کوئی ملاوٹ نہ ہونے پائے۔

دوسرے نمبر پر اللہ کی کتاب ہے اس کے ساتھ معاملہ کھرا رکھنے کی صورت یہ ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے اس کا مفہوم سمجھا جائے اور اس کے اوامر ونواہی پر صدق دل سے عمل کیا جائے۔ اس میں ملاوٹ یہ ہو سکتی ہے کہ آدمی اس کے اوامر و

نواہی کو اپنی ناقص عقل سے پرکھنا شروع کرے عقل جن کی تائید کرے صرف ان کو قابل عمل سمجھے یا ان کی سائنسی تاویل تلاش کرنا شروع کردے سائنس قابل عمل قرار دے تو ان لے یہ معاملہ کی وہ صورت ہے جس میں اول تا آخر سب کھوٹ ہے اور یہ عقل اور سائنس پر ایمان ہے اللہ کی کتاب پر ایمان نہیں۔ اس پر ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کا دل یہ تسلیم کرے کہ چونکہ یہ حکم اللہ کی کتاب میں ہے اس لئے حق ہے۔ سچ کہا اقبال نے۔

گر می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

تیسرے نمبر پر اللہ کے رسول کے ساتھ کھرا معاملہ رکھنا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دل سے یہ یقین ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں اور قیامت تک کے لئے انسانوں کی ہدایت کے لئے تشریف لائے ہیں پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت محبت کے جذبہ کے ساتھ کرے اور یہ یقین رکھے کہ اصل دینداری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے۔

چوتھے نمبر پر مسلمانوں کے پیشواؤں کے ساتھ معاملہ کھرا رکھنا ہے یہ پیشوا دو قسم کے ہو سکتے ہیں، اول دینی پیشوا، دوم سیاسی پیشوا، دینی پیشواؤں کے ساتھ معاملہ کھرا رکھنے کی صورت یہ ہے کہ ان سے دین سیکھا جائے اور ان کی رہنمائی میں دین کے احکام پر عمل کیا جائے اگر خدانخواستہ وہ پیشوا دین سے بے وفائی کرنے لگیں یا دین میں ملاوٹ کرنے لگیں تو ہو سکے تو انہیں سمجھائیں ورنہ ان سے لگ ہو جائیں ان کا پیشوا ہونا صرف اسی وقت تک ہے جب تک وہ خود مکمل دین ہی کو اپنا پیشوا بنائے رکھیں۔

دوسرے پیشواؤں کے ساتھ معاملہ کھرا رکھنے کی صورت یہ ہے کہ دین کے مطابق جو وہ حکم دیں وہ بجا لائے جائیں۔ دین کے مطابق جو وہ کام کریں ان کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ وہ اگر ظلم و زیادتی کریں تو نہ ان کا حکم ماننا ہے نہ ان کے ساتھ تعاون کرنا ہے۔

پانچویں نمبر پر عام مسلمانوں کے ساتھ کھرا معاملہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جو قرآن کریم نے بتا دی کہ "تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" (المائدہ:۲) ہر اچھے کام میں ان کے ساتھ تعاون کرنا اور ہر برے کام میں ان سے الگ ہو جانا۔ ہر محتاج کی بساط بھر امداد کرنا۔ اور عام مسلمانوں کو دین کی دعوت دینا دین سکھانے کا اہتمام کرنا کوئی کسی پر ظلم کرے تو اسے روکنا۔ کسی سے دھوکا نہ کرنا ظلم زیادتی نہ کرنا ہر شخص کی جان مال، عزت و آبرو کی حفاظت کرنا۔ یہ ہے دین کا خلاصہ۔

حدیث نمبر ۵۹:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" اَلْكَبَائِرُ اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ"

(مسلم، مشکوٰۃ۔ باب الکبائر وعلامات النفاق۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بڑے بڑے گناہ! وہ یہ ہیں۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، والدین کو عاق کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا"۔

شرح: کبیرہ گناہوں کی یہ فہرست غور سے دیکھئے یہ تعداد میں چار ہیں ان میں سے صرف ایک وہ ہے جس کا تعلق عقائد سے ہے باقی تینوں کا تعلق معاملات سے ہے۔ پھر اس ترتیب کو دیکھئے۔ شرک کرنا کفر ہے اور کفر کے بعد گناہ کبیرہ کا نمبر آتا ہے اور وہ بھی معاملات میں پھر یہ دیکھئے کہ ان میں ایک کبیرہ گناہ جھوٹ بولنا ہے۔ جس کو ہم گناہ ہی نہیں سمجھتے ہمارے بڑے بڑے بزرگ ساتھی جھوٹ بولتے ہیں، بے دھڑک بولتے ہیں۔ تھوک کے حساب سے بولتے ہیں اور شیر مادر سمجھ کے بولتے ہیں۔ اسی لئے حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ دین میں بزرگ تو بہت ملتے ہیں لیکن انسان بہت کم ملتے ہیں۔ ایک حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا "کہ جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے"۔

ہمارے معاشرے میں والدین کی نافرمانی کو بھی کوئی خاص بڑا گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ ہمارے دانشور سکھاتے ہیں کہ اصل میں یہ بڑے بوڑھے، نوجوانوں کے مسائل کو سمجھتے نہیں۔ یہ تہذیبی Gap ہے۔ ہاں ناحق قتل کرنے کو وہ لوگ ضرور گناہ سمجھتے ہیں جو کسی کو قتل کرنے کی ہمت نہیں رکھتے ورنہ جو مسلمان قتل کر سکتے ہیں یا قتل کرا سکتے ہیں وہ تو اسے ایک کوالیفکیشن سمجھتے ہیں۔ رہا جھوٹ کا معاملہ تو یہ وہ کبیرہ گناہ ہے جو سیاست کے ایوانوں کو چھوڑیئے۔ محراب و منبر کے حلقوں اور خانقاہوں اور تزکیہ گاہوں کے حلقوں میں بھی گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ ایک طرف اس کا نام ڈپلومیسی ہے تو دوسرے حلقے میں اس کا نام مصلحت کوشی ہے۔ لوگ کہتے ہیں۔

یہ دنیا یہاں پر کام چلتا ہے سلیقے سے
یہاں ظالم کو اکثر مہربان کہنا ہی پڑتا ہے

حدیث نمبر ۶۰:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهِ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ حَمَلَ عَلَیْنَا السِّلَاحَ فَلَیْسَ مِنَّا"

(مسلم۔ ریاض الصالحین، باب النہی عن للفش والخداع)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جس نے ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

شرح: ہتھیار اٹھانے کا کوئی محرک ہوتا ہے اور کوئی مقصد ہوتا ہے محرک، نفرت یا دشمنی ہوتی ہے اور مقصد حملہ کرنا اور قتل کرنا ہوتا ہے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چھوٹی سی حدیث میں دو دفعہ لفظ ہم استعمال فرمایا ہے جب ہم پر فرمایا تو اس کا مطلب ہے۔ امت مسلمہ یعنی جس نے کسی مسلمان بھائی پر ہتھیار اٹھایا ظاہر ہے کہ اس کا محرک اس مسلمان بھائی سے نفرت ہے یا دشمنی ہے اور حضور اکرمؐ نے اللہ کریم کا فیصلہ سنایا کہ انما المومنون اخوة اور خود اپنی طرف سے فرمایا المسلم اخو المسلم۔ تو معلوم ہوا کہ اس ہتھیار اٹھانے والے نے اللہ کریم کی نافرمانی کی اور نبی رحمتؐ کی مخالفت کی یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی سزا ضرور ہونی چاہیے۔ چنانچہ فرمایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یہ ''ہم'' کون ہے؟

1۔ ہم ایک جماعت ہیں جس کا امیر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

2۔ ہم وہ جماعت ہیں جس کو اللہ کریم نے خیر امت کا لفظ عطا فرمایا۔

3۔ ہم وہ امت ہیں جس کو اپنے لئے زندہ نہیں رہنا ہے بلکہ اخرجت للناس تمام انسانیت کے لئے زندہ رہنا ہے۔

4۔ ہم وہ امت ہیں جو انسانیت کی محسن اور خیر خواہ ہیں۔

5۔ ہم وہ امت ہیں جس کا کام انسانیت کو اپنے خالق سے روشناس کرانا اور اس کا بندہ بن کر رہنے کا سلیقہ سکھانا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ''ہم'' کوئی معمولی بات نہیں اس لئے جو شخص اس ''ہم'' سے خارج ہوا وہ انسانیت سے خارج ہو گیا۔ اس کے لئے یہاں بھی پھٹکار وہاں بھی پھٹکار۔

لہٰذا یہ جو فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں یہ کوئی معمولی سزا نہیں اور کوئی چھوٹی سی وعید نہیں۔

حدیث نمبر ۶۱:

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ حُذَیْفَةَ قَالَا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "کُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ"

(مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ اور حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے ان دونوں نے فرمایا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''ہر نیک کام صدقہ ہے۔''

شرح: معروف کے لفظی معنی ہیں جانی پہچانی چیز۔ یہ بات فطرت انسانی کی جانی پہچانی ہے کہ اطاعت الٰہی انسان کا مقصد تخلیق

ہے اور اطاعت الٰہی کا دوسرا نام نیکی ہے۔ ہر نیکی وہ کام ہے جو اطاعت الٰہی میں محض اس کی رضا کی خاطر کیا جائے۔ دوسرا لفظ صدقہ ہے یوں تو صدقے کا عام مفہوم یہ ہے کہ جو مال راہ خدا میں دیا جائے وہ صدقہ کہلاتا ہے۔ مگر صدقہ کی حقیقت ایثار ہے یعنی اپنی کوئی چیز اپنے استعمال میں لانے کی بجائے کسی دوسرے کے کام میں لائی جائے یہ صدقہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ چیز کونسی ہو سکتی ہے عرف عام میں وہ چیز صرف مال و دولت ہے۔ مگر یہ مفہوم نہایت محدود اور نامکمل ہے۔ کیونکہ انسان کے پاس صرف مال ہی وہ چیز نہیں جس کا ایثار کیا جا سکتا ہے بلکہ اس کے پاس اور بھی بہت سی دولت ہے مثلاً جسمانی قوت کو اس کے ذریعے کسی کی مصیبت میں مدد کی جائے۔ ذہنی صلاحیتیں، مشاغل، وقت، تحریر و تقریر وغیرہ بے شمار ایسی چیزیں ہیں جو انسان ایثار کر کے دوسروں کے کام میں لا سکتا ہے۔ اور ہر نیکی کا کام کرنے کے لئے یہی سب قوتیں اور صلاحیتیں استعمال ہوتی ہیں۔ لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم حقیقت کو چند لفظوں میں بیان فرما دیا کہ ہر نیک کام جو تم کرو گے اس میں تمہاری کوئی قوت کوئی صلاحیت صرف ہوگی لہٰذا ہر نیک کام صدقہ ہوا۔ یعنی کسی نادار کے دل میں یہ حسرت نہ رہے کہ مالدار تو صدقات دے کر قرب الٰہی حاصل کر سکتے ہیں نادار کہاں جائیں۔ تو حضور اکرمؐ نے واضح فرما دیا کہ جہاں تک صدقہ کی حقیقت کا تعلق ہے ہر نادار بھی مالدار ہے۔

حدیث نمبر ۶۲:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنْ اُمَّتِيَ الْخَطَايَا وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ"

(ابن ماجہ طلاق المکرہ والناسی حدیث نمبر ۲۰۷۷ ص ۳۹۴ مطبوعہ: مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع۔ الریاض)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے وہ گناہ معاف فرما دیئے ہیں جو بھول چوک سے ہوں یا جس گناہ پر مجبور کیا گیا ہو"۔

شرح: گناہ کی حقیقت اللہ کی نافرمانی ہے۔ ایک ہے گناہ کرنا، دوسرا ہے گناہ ہو جانا، گناہ کرنے میں انسان کی نیت اس کا ارادہ شامل ہوتا ہے بلکہ گناہ کا محرک ہوتا ہے۔ اس لئے یہ تو پرلے درجے کی ڈھٹائی ہے۔

گناہ ہو جانے میں ایک تو بے خیالی، بے دھیانی کو دخل ہوتا ہے۔ دوسرا کمزوری اور بے بسی کہ کوئی طاقتور ایسا کرنے پر مجبور کر دے۔ بے دھیان کی صورت میں جو گناہ ہو جائے اسے بھول چوک کہتے ہیں۔ بعض اوقات اس کا احساس تک نہیں ہوتا اور جس گناہ پر مجبور کیا جائے اس میں اپنی بے بسی پر رونا آتا ہے اور اس سے ندامت ہوتی ہے۔

اس حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ کی اس دوسری قسم یعنی گناہ ہو جانے کے متعلق مژدہ سنایا کہ

میری امت کے لئے اس صورت میں عام معافی ہے اس کی وجہ اگر صرف یہ ہو کہ چونکہ اس میں اپنے ارادہ نیت اور پسند کو دخل نہیں ہوتا اس لئے معاف ہے تو یہ بات تو پہلی امتوں کے لئے بھی موجود تھی۔ تو معلوم ہوا کہ اس کی وجہ یہ نہیں کوئی دوسری ہے اور وہ ہے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ اس امت کا تعلق ہونا اور اس ذات اقدس کا ایک وصف رحمتہ اللعالمینی ہے تو اس وصف کی شان ظاہر کرنے کے لئے یہ رعایت دی گئی ہے۔

ہم ان کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

حدیث نمبر ۶۳:

عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "وَ اِنَّ قَذْفَ الْمُحْصِنَةِ لَيَهْدِمُ عَمَلَ مِائَةِ سَنَةٍ"

(مستدرک حاکم حدیث نمبر ۸۱۲۷ ج ۴ ص ۸۱۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔ لبنان)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کہ پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا سو سال کے عمل کو ضائع کر دیتا ہے"۔

شرح: اسلام کے نزدیک مسلمان کی عزت و آبرو بہت بڑا قیمتی سرمایہ ہے اور عورت کی عفت اس کی متاع گرانمایہ ہے۔ اس کی اس دولت کو لوٹنے کی ایک صورت یہ ہے کہ اس پر زنا کی تہمت لگائی جائے یہ صورت اخلاقی گراوٹ کی انتہا ہے۔ سورۃ النور میں اس کو فوجداری جرم اور قابل دست اندازی پولیس جرم قرار دیا گیا ہے اور اس کی وہ سزا رکھی جو شاید ہی کسی اور جرم کی ہو یعنی ایک تو اس کو ۸۰ کوڑے مارے جائیں، دوسرا عمر بھر کے لئے اسے مردود الشہادۃ قرار دیا گیا یعنی کسی معاملہ میں اس کی شہادت قبول نہ ہوگی جو کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے۔

اس حدیث میں اس گناہ کا دوسرا پہلو واضح کیا گیا کہ یہ ایک جرم ہے جس کا اثر بس اسی جرم کی حد تک نہیں بلکہ اس کے اثرات کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ یعنی یہ ایسا گھناؤنا جرم ہے جو انسان کے صرف مستقبل پر ہی اثر انداز نہیں ہوتا بلکہ اس کے ماضی کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے یہاں تک کہ اس کی سو سالہ کمائی یعنی عبادت اطاعت محنت کو غارت کر دیتا ہے ذرا اس عمل اور اس کے اثرات کا مقابلہ کیجئے یہ کام کیا ہے زبان کا ایک چھوٹا عضو ایک انچ اوپر تلے حرکت میں لایا گیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ سو سال کی پونجی لٹ گئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان پر کنٹرول کتنی اہم چیز ہے اور زبان کے معاملے میں عدم احتیاط انسان کے لئے کتنا خطرناک کام ہے۔

حدیث نمبر ۶۴:

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "مَنْ اٰذٰی مُسْلِماً فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ"

(المعجم الاوسط للطبرانی حدیث نمبر ۳۶۳۲ مطبوعہ مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع الریاض)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے کسی مسلمان کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی۔

شرح: حدیث میں لفظ مسلم استعمال ہوا ہے۔ مسلم کے معنی اسلام پر یقین وایمان رکھنے والا اور اسلام کے معنی ہیں اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دینا اس کے سامنے گردن جھکا دینا اور اس خود سپردگی کے معنی ہیں اپنی پسند اور اختیار سے دستبردار ہو جائے اور اس کے سامنے اپنی گردن جھکا دے۔

ظاہر ہے کہ کسی کے غلام کو اگر کوئی شخص سخت سست کہے یا اس پر دھونس جمائے تو اس میں مالک کی توہین ہوتی ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس نے غلام پر دھونس نہیں جمائی بلکہ بالواسطہ مالک کو آنکھیں دکھائی ہیں اور اگر غلام نہایت فرمانبردار اور وفادار ہو تو مالک کو اس شخص پر یقیناً غصہ آتا ہے جس نے اس کے غلام کو سخت سست کہا۔

اس اصول کو سامنے رکھئے اور حدیث کے مضمون پر غور کیجئے۔ جس نے مسلم کو ایذا پہنچائی یعنی اس شخص کو ایذا پہنچائی جس نے اپنی شخصیت اور اپنی پسند کو مالک کی پسند میں فنا کر رکھا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس نے اللہ ہی کو ایذا پہنچائی۔ مگر کیا اللہ کو ایذا پہنچ سکتی ہے ظاہر ہے کہ بے حقیقت مشت خاک احکم الحاکمین اور رب العالمین کو کیا ایذا پہنچا سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے صرف اپنے منہ پر "مکالا" مل لیا ہے اور اللہ کا تو کچھ نہیں بگڑا۔ مگر جب اس کے غلام کو ایذا پہنچائی گئی تو وہ اللہ کی سزا سے کیسے بچ سکتا ہے۔

ڈر اس کی دیر گیری سے کہ سخت ہے انتقام اس کا

حدیث نمبر ۶۵:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَیْنِ"

(مشکوٰۃ۔ باب الحذر والتانی فی الامور۔ الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن ایک سوراخ سے دو

. پانہیں ڈسا جاتا"۔

شرح: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ "مومن ہرگز بدھو نہیں ہوتا"۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مومن کو یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ زندگی بے مقصد نہیں ملی بلکہ یہ تو آزمائش اور امتحان کا عرصہ ہے کیونکہ اعلان ہے "لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا" (الملک:۲) کہ تمہارا امتحان ہے کہ تم میں سے کون بہترین اور عمدہ ترین عملی زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بتا دیا گیا کہ اس امتحان میں ناکام کرنے کے لئے ایک دشمن تمہارے پیچھے لگا دیا گیا ہے "إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا" (فاطر ٦)

کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اسے دشمن ہی سمجھنا پھر یہ بھی بتا دیا گیا کہ اس کا طریقہ واردات یہ ہے کہ صرف برائی کو بنا سنوار کے جاذب نظر اور دلفریب بنا کے پیش کرے گا سبز باغ دکھائے گا۔ تمہیں مجبور نہیں کر سکتا تو دیکھنا اس کے بھرے میں نہ آنا۔ ایک اور دشمن ساتھ لگا دیا نفس یہ ایسا مرغوب دشمن ہے کہ اس کی بات ماننے سے لطف آتا ہے۔ یہ شیطان کا ایجنٹ ہے اس لئے ان دونوں دشمنوں سے چوکنا ہو کے رہنا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن جتنا بھی محتاط رہے وہ لغزش کا شکار ہو ہی جاتا ہے۔ اب جو کرنے کا کام ہے وہ اصل مومنانہ رویہ ہے اور وہی علامت اس حدیث میں بتائی گئی ہے کہ بے خیالی میں کبھی اس دشمن کا وار چل جائے تو مومن کا کام ہے کہ ایک تو اللہ تعالیٰ سے اپنی اس لغزش کی معافی مانگے اور اس سے حق پر قائم رہنے کی توفیق مانگے دوسرا وہ ایسا چوکنا ہوشیار اور محتاط ہو جائے کہ پھر یہ دشمن ہزار جتن کرے اس کے جال میں ہرگز نہ پھنسے۔

حدیث نمبر ٦٦:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يَقُوْلُ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِيْ يَشْبَعُ وَ جَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ"

(مشکوٰۃ۔ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق الفصل الثالث حدیث نمبر ۴۹۹۱)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے: "وہ شخص مومن نہیں جو خود تو سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا ہو"۔

شرح: معاشرتی زندگی کے پرامن اور پرسکون ہونے کا دارومدار اس پر ہے کہ باہمی حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کیا جائے اور ہر شخص فرائض کی ادائیگی میں کہیں سستی نہ آنے دے۔

حقوق کی اہمیت کے پیش نظر اسلام نے ماں باپ سے لے کر ایک جانور تک کے حقوق متعین کر دیئے ہیں اور اس کی

ادائیگی کی تاکید کی ہے۔

اس فہرست میں پڑوسیوں کے حقوق کا بھی ایک باب ہے۔ پڑوسیوں کے حقوق کے سلسلے میں ایک متفق علیہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل امین مجھ کو پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ پڑوسی کو پڑوسی کا وارث بنادیں گے۔ یہ ہے پڑوسی کے حقوق کی اہمیت۔

اس حدیث میں اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ غذا انسان کی بنیادی ضرورت ہے جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ تو جس مومن کو اپنے پڑوسی کا اتنا خیال بھی نہ ہو کہ وہ جیتا ہے یا مرتا ہے تو وہ مومن کامل کا ہوا لہٰذا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی اس بنیادی ضرورت کے پیش نظر یہ بیان فرمایا کہ مومن اتنا بے حس ہے اور اتنا خود غرض ہے کہ اپنی پیٹ پوجا سے آگے اس کا ذہن سوچتا ہی کچھ نہیں اور اس کا پڑوسی بھوک کا شکار ہے تو اس کا ایمان کہاں ہے اور وہ مومن کیسا ہے ایمان کا تو تقاضا یہ ہے کہ پڑوسی پر جان دے دے۔

حدیث نمبر ۶۷:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَ قِتَالُهٗ كُفْرٌ"

(مشکوٰۃ۔ باب حفظ اللسان الخ۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے"۔

شرح: اسلام نے مومن کی جان، مال اور آبرو کو محترم قرار دیا ہے یعنی ان کے درپے ہونا یا ان کو نقصان پہنچانا حرام ہے۔

اس حدیث میں دو چیزوں کا ذکر ہوا۔ اول آبرو، کسی کو برا بھلا کہنا، گالی دینا تنقیص کرنا۔ اس کو بے عزت اور بے آبرو کرنے کی مختلف شکلیں ہیں۔ ان کاموں میں جسم انسانی کے ایک چھوٹے سے عضو یعنی زبان کا ہی عمل دخل ہے۔ اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فسوق فرمایا فسق اور فسوق نافرمانی کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب مومن کا احترام کرنے کا حکم ہے تو اس کو برا بھلا کہنا لازمی نافرمانی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جب یہ فرمادیا کہ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" (الحجرات: ۱۰) تو اللہ کریم کے قائم کئے ہوئے اس بھائی چارے کو نقصان پہنچانا یقیناً اللہ کی نافرمانی ہوئی۔ تو یہ مسلم کی آبرو پر حملہ اور اللہ و رسول دونوں کی نافرمانی ہے۔

دوسری چیز جان ہے۔ جس کی حفاظت کرنا دوسرے مومن کا فرض ہے۔ حفاظت کرنے کی جگہ جب وہ اسے ختم

کرنے کے درپے ہوا تو یہ کھلی ہوئی بغاوت ہے۔ اس لئے مومن کو قتل کرنا یا اس کے خلاف جنگ کرنا کفر فرمایا۔

قران کریم میں مومن کو عمداً قتل کرنے کی سزا خلود فی النار یعنی ہمیشہ کے لئے جہنم ہے اور یہ سزا صرف کافر کے لئے ہے کیونکہ مسلمان کو تو اپنے گناہوں کی سزا بھگت کے آخر جنت میں جانا ہے جو اس کا گھر ہے۔ ابدی جہنم صرف کافر کے لئے ہے۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کفر قرار دیا۔ حیرت ہے ان لوگوں پر جو مسلمان ہوتے ہوئے ڈاکو بنتے اور قتل وغارت کرنے پر اتر آتے ہیں۔

حدیث نمبر ۶۸:

عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ "اِنَّمَا اُخَافُ عَلٰی ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ کُلُّ مُنَافِقٍ یَّتَکَلَّمُ بِالْحِکْمَۃِ وَ یَعْمَلُ بِالْجَوْرِ"

(مشکوٰۃ۔ باب الریا والسمعۃ الفصل الثالث)

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے اس امت کے لئے خطرہ اس منافق کے متعلق ہے جو بات حکمت و دانائی کی کرے مگر اس کا عمل ظالمانہ ہو"۔

شرح: اس حدیث کا سارا مفہوم لفظ منافق کے گرد گھومتا ہے۔ منافق، اسلام کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ منافق اسے کہتے ہیں جو نفاق کے مرض میں مبتلا ہو اور نفاق دو رخ پن کو کہتے ہیں۔ لہٰذا منافق وہ ہے جو آدمی تو ایک ہو مگر شخصیتیں دو ہوں۔ یعنی وہ کہتا کچھ ہو اور کرتا کچھ اور ہو۔ ظاہر میں کچھ ہو، باطن میں کچھ ہو۔ ہوتا کچھ ہو، بنتا کچھ ہو ان دونوں "کچھ" میں فرق یہ ہوتا ہے کہ ظاہر والا کچھ نہایت صاف ستھرا پاکیزہ اور قابل تعریف ہو اور باطن والا کچھ نہایت گندہ غلیظ بلکہ ننگ انسانیت ہو۔ ایسے آدمی کے متعلق کہا گیا ہے۔

اس کی باتوں سے تو نے اسے سمجھا خضر
اس کے پاؤں کو تو دیکھو کہ کدھر جاتے ہیں

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کو امت کے لئے خطرہ قرار دیا ہے۔ وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ امت تو ہے خیر امت اور مقصد اور منصب اس کا ہے اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تو ایسا دوررخا آدمی تو امت کو بدنام کرے گا۔ جس کی باتیں سن کر آدمی کہے کہ لقمان حکیم کی روح بول رہی ہے اور جس کے کرتوت دیکھیں تو معلوم ہو کہ چنگیز اور ہلاکو پھر سے پیدا ہو گئے ہیں۔ ایسا آدمی امت کے لئے بھی خطرہ ہے اپنی ذات کے لئے بھی اور پوری انسانیت کے لئے بھی خطرہ ہے۔

مگر اس کا کیا کیا جائے کہ موجودہ لادین سیاست نے یہ جنس تھوک کے حساب سے تیار کر دی ہے۔ الیکشن کے

زمانے میں ہر طرف بے لوث، خادم قوم۔ عاشق رسول، اور نہ جانے کیا کیا صفات ہر امیدوار کے نام کے ساتھ چسپاں نظر آتی ہیں حالانکہ یہ ساری تہمتیں ہوتی ہیں جو ان کے ذمے لگادی جاتی ہیں ان کی ذات میں وہ سب ''خوبیاں'' ہوتی ہیں جو ان کے الٹ ہوتی ہیں اور جب وہ تقریریں کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے دارالحکمت میں بیٹھا کوئی سقراط بول رہا ہے۔ مگر ان کی عملی زندگی اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ اکبر نے خوب کہا ہے۔

بظاہر تھا براق راہ عرفاں
جو دم برداشتم لیڈر برآمد

اللہ تعالیٰ اس غلاظت سے محفوظ رکھے۔

حدیث نمبر ۶۹:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَ اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَ اِذَا اُؤْتُمِنَ خَانَ "

(بخاری باب علامہ المنافق نمبر ۳۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے، جب امانت دی جائے تو خیانت کرے''۔

شرح: کسی آدمی کے جسم پر خارش ہو یا جا بجا دانے پھنسیاں نکلی ہوں تو ایک صادق طبیب سمجھ لیتا ہے کہ اس کا خون خراب ہے حالانکہ خون آنکھوں سے اوجھل شریانوں میں دوڑ رہا ہوتا ہے لیکن طبیب سمجھ لیتا ہے کہ خون کی خرابی کی یہ علامتیں ہیں۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم بہترین اور قابل ترین روحانی طبیب ہیں۔ آپ جانتے تھے کہ نفاق دل کا مرض ہے جو ایمان کو بگاڑ دیتا ہے یہاں تک کہ ایمان رہتا ہی نہیں۔ مگر ایمان پوشیدہ ہے دل کا وصف ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس بگاڑ کی کچھ ظاہری علامات ہیں جن میں سے تین علامات اس حدیث میں بیان فرمائیں۔

۱۔ منافق جھوٹ بولنے کا عادی ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ دن دیہاڑے کہہ دے کہ اب رات ہے بلکہ اس کے جھوٹ بولنے کے خاص مواقع ہوتے ہیں مثلاً وہ جھوٹ بولتا ہے جب اس کو کوئی مفاد حاصل ہو رہا ہو یا اس کے جھوٹ بولنے سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچ سکے بس وہ بے دریغ جھوٹ بولتا ہے۔

۲۔ جب وہ کسی کے ساتھ وعدہ کرے تو وعدہ پورا نہیں کرتا۔ یہ عمل دھوکا بازی ہے اس سے بھی وہی دو فوائد حاصل ہو سکتے

ہیں یعنی اپنا کوئی مطلب سنوارنا یا دوسرے کو نقصان پہنچانا۔

۳۔ جب اسے امین بنایا جائے تو وہ خیانت کرے۔ یہ بھی دھوکا بازی کی ایک صورت ہے اور چوری بھی ہے۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے دوسری اور تیسری صورت میں بھی بنیاد جھوٹ ہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منافق کی رگ وپے میں جھوٹ سمایا ہوتا ہے۔ کیونکہ نفاق کی بنیاد ہی جھوٹ ہے کہ دل میں کفر ہے اور ظاہر کر رہا ہے ایمان۔ یہیں سے تو جھوٹ شروع ہوا اور پوری عملی زندگی میں پھیل گیا۔

حدیث نمبر ۷۰:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ "مَنْ خَاصَمَ فِي بَاطِلٍ وَهُوَ يَعْلَمُهُ لَمْ يَزَلْ فِي سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ"

(ابوداؤد باب فیمن یعین علی خصومۃ من غیر ان یعلم امرھا ص ۱۵۱، حدیث نمبر ۳۵۹۷ مکتبہ رحمانیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ناجائز جھگڑا کرے اور جان بوجھ کر کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا رہتا ہے جب تک اس سے باز نہ آجائے"۔

شرح: اول تو جھگڑا کرنا کوئی شریفانہ کام نہیں اور باطل پر بنیاد رکھ کے جھگڑا کرنا تو انسانیت ہی سے گری ہوئی بات ہے۔ پھر کسی غلط فہمی کی بناء پر نہیں بلکہ یہ جانتے ہوئے کہ یہ جھگڑا کرنا ناجائز ہے اور اس کی بنیاد باطل پر ہے پھر بھی جھگڑا کرنا یہ تو نری شیطنت ہے۔ یہ وہ وصف ہے جو اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے لئے مقناطیس کی حیثیت رکھتا ہے اس کی کئی وجوہ ہیں۔ اول جس چیز کے لئے جھگڑا شروع کیا وہ اس کا حق نہیں تو ابتدا ہی جھوٹ سے ہوئی۔

دوم: اس جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانا۔

سوم: ایک جھوٹ کو سچ کرنے کے لئے بیسیوں اور جھوٹ بولنے اور بنانے پڑتے ہیں گویا جھگڑا کیا کیا جھوٹ کی فصل اگانے کے لئے بیج بودیا۔

چہارم: جھوٹی شہادتیں مہیا کرنی پڑیں گی اور جھوٹی شہادت کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے برابر قرار دیا۔

پنجم: جھوٹی شہادت کے لئے جن لوگوں کو تیار کیا ان کا وبال بھی جھگڑا شروع کرنے والے پر پڑے گا۔ کیونکہ برائی پر آمادہ کرنے والا برائی کرنے والے کے برابر ہوتا ہے۔

ششم: اگر جھگڑا عدالت میں چل رہا ہے تو وکیل منشی بلکہ پوری عدالت اس کی لپیٹ میں آئے گی۔

لہٰذا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ یہ کاروبار شروع کرنے والا ہر دم، ہر آن اور ہر لحظہ اللہ کے غضب کی لپیٹ میں ہے۔ ہاں یہ بھی اس کی رحمت ہے کہ اگر وہ اس سے باز آجائے تو وہ اپنے غضب کو روک لے۔ مگر یہاں تو یہ حال ہے کہ

جفائیں بھی ہیں فریب بھی ہے ستم بھی ہے سنگھار بھی ہے
اور اس پہ دعوائے حق پرستی اور اس پر یاں اعتبار بھی ہے

حدیث نمبر ۱۷:

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فَضْلُ الْعِلْمِ خَيْرٌ مِنْ فَضْلِ الْعِبَادَةِ وَ خَيْرُ دِيْنِكُمُ الْوَرَعُ"

(المعجم الاوسط للطبرانی نمبر ۳۹۷۲ ص ۵۶۹ ج ۴)

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "علم کی فضیلت عبادت کی فضیلت سے بڑھ کر ہے اور اصل دین داری یہ ہے کہ آدمی مشتبہ چیزوں سے بچتا رہے"۔

شرح: انسان کا اصل کام تو عبادت ہے۔ مگر عبادت کے لئے علم ضروری ہے۔ کیونکہ اگر یہ علم نہ ہو کہ کونسا کام کرنا عبادت ہے تو ممکن ہے کہ وہ کوئی گناہ کا کام عبادت سمجھ کے کرتا رہے۔ پھر یہ جاننا ضروری ہے کہ فلاں عبادت کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ کیونکہ کوئی عبادت جب ایسے طریقے سے کی جائے جو سنت کے خلاف ہو تو وہ عبادت عبادت ہی نہیں الٹا وبال ہے۔

لہٰذا علم کے بغیر عبادت کرنے کے مقابلے میں علم حاصل کرنا فضیلت رکھتا ہے۔

یہاں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ علم برائے علم کوئی شے نہیں اصل چیز علم برائے عمل اور برائے عبادت ہے اس لئے وہ علم فضیلت رکھتا ہے جس کے ساتھ عمل شامل ہو ورنہ عالم بے عمل کی مثال تو قرآن کریم نے خود بیان فرمائی ہے کہ وہ آدمی ایسا ہے جیسے ایک گدھا جس پر کتابوں کا انبار لدا ہو۔

پھر فرمایا کہ دینداری کی حقیقت کیا ہے۔ پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ دین کیا ہے؟ دین نام ہے زندگی بسر کرنے کا وہ طریقہ جو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے سیکھ کر اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سکھایا اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ مطلوبہ زندگی بسر کی جہاں کوئی غلطی ہوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمادی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ڈیوٹی لگائی کہ دین علمی اور عملی طور پر اگلی نسل کو پہنچا دینا اس طرح دین نسلاً بعد نسل ہم تک پہنچا۔ اس دین میں تین قسم کے کام ہیں۔ اول حلال جو جائز ہیں، دوم حرام جو ناجائز ہیں اور واضح ہیں ان دونوں کے درمیان کچھ ایسے کام ہیں جو مشتبہ ہیں ان کی حقیقت اہل علم ہی جانتے ہیں۔ اس لئے جو ایسے مشتبہ کاموں سے بچتا ہے اس نے

دین کی حقیقت اور اس کی روح پالی۔

حدیث نمبر ۷۲:

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يَعْرِفْ حَقَّ كَبِيْرِنَا"

(رواہ ابوداؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اپنے دادا سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کا حق نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں"۔

شرح: ہر معاشرے میں لوگوں کے مختلف درجے اور طبقے ہوتے ہیں اور جس معاشرے کی بنیاد وحی کی تعلیمات پر نہ ہو اس میں لازماً طبقاتی کشمکش شروع ہو جاتی ہے اور قائم رہتی ہے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاشرہ تیار کیا اس میں اس فطری تفاوت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے دو حصوں میں تقسیم فرمایا یعنی چھوٹے اور بڑے۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم ایسی ہے جس کے لئے کسی بڑے علم کی ضرورت نہیں عام آدمی بھی اس فرق کو سمجھتا ہے۔ البتہ اس میں کچھ تفصیل ضرور ہے۔ مثلاً چھوٹا اور بڑا ایک تو عمر کے لحاظ سے ہوتا ہے تو اس کے لئے آداب یہ سکھائے کہ جو بڑا ہے وہ ہر حال میں چھوٹے پر شفقت اور رحم کرے اور اس کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرے اور جو چھوٹا ہے وہ اپنے سے بڑے کی عزت کرے۔ ادب کرے، اس کا کہا مانے۔ دیکھئے اس چھوٹے سے اصول سے معاشرے میں کتنا امن اور سکون ہو سکتا ہے۔

پھر چھوٹا اور بڑا علم کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے۔ اس میں بھی وہی ادب قابل لحاظ ہے۔ جو علم کے لحاظ سے چھوٹے ہیں ان پر شفقت یہ ہے کہ انہیں تعلیم دی جائے یا ان کی صحیح تربیت اور رہنمائی کی جائے اور جو بڑے ہیں ان کے ساتھ ادب اور تعظیم کا برتاؤ ہو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے علم حاصل کیا جائے اور ان سے رہنمائی لی جائے۔

اسی طرح چھوٹا اور بڑا مالی اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے یہاں بھی وہی ادب ملحوظ رہے۔ جو چھوٹے ہیں ان کی مالی اعانت کی جائے ان کے لئے وسائل معاش مہیا کئے جائیں اور جو بڑے ہیں ان کا شکر گزار ہوا جائے ان سے حسد اور نفرت نہ کی جائے نہ ان کو لوٹنے کی تدبیریں کی جائیں اس زریں اصول کو جو مسلمان قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اس کو وعید سنائی کہ وہ ہم میں سے نہیں یہ بڑی سخت وعید ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم مسلمانوں میں سے نہیں یا اس امت میں سے نہیں۔

حدیث نمبر ۳۷:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِهٖ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ اغَاثَةَ اللَّهْفَانِ"

(مسند بزار حدیث نمبر ۱۱۲ ص ۱۳۵ ج ۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا ایسا ہے جیسا نیکی کرنے والا اور اللہ تعالیٰ پریشان حال کی مدد کرنے والے کو پسند کرتا ہے"۔

شرح: خیر، اس بھلے کام کو کہتے ہیں جو اللہ و رسول کو پسند ہو اور اس کے کرنے سے کرنے والے کا دنیوی و اخروی بھلا ہو ایسے کام کی طرف رہنمائی کرنا دو وجہ سے ہوتا ہے اول رہنمائی کرنے والے کو یہ کام پسند ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی پسند اللہ و رسول کی پسند کے تابع ہے۔ دوم یہ کہ وہ آدمی کا خیر خواہ ہوتا ہے جس کی رہنمائی وہ کر رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے دل میں کسی انسان کی خیر خواہی کا جذبہ موجود ہے اور وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ مومن کی یہ ڈیوٹی ہے اسے اسی کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے "اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" یہ دونوں ایسے نیک اور پاکیزہ جذبے ہیں کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس بھلائی کا نقد صلہ ملنے کی خوشخبری سناتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کریم کے ریکارڈ میں وہ ایسا ہے جیسے وہ بھلا کام خود اس نے کیا صرف رہنمائی نہیں کی۔

حدیث کے دوسرے حصے کا تعلق بھی پہلے حصے ہی سے ہے۔ جس کی رہنمائی کی گئی اور خیر کی رہنمائی کی گئی تو پہلے اس سے محروم تھا تو محرومی سے زیادہ پریشان حالی بھلا اور کیا ہوتی ہے۔

پھر اس میں عمومی رنگ بھی ہے۔ پریشان حال آدمی کسی طرح کی پریشانی کا شکار ہو سکتا ہے مثلاً مالی پریشانی ہے، علمی پریشانی ہے، عملی پریشانی ہے، کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے پریشانی ہے، تو پریشانی خواہ کسی قسم کی ہو اس کے حسب حال اس کی مدد کرنا اور اس کی پریشانی دور کرنے کا ذریعہ بننا اللہ کریم کو پسند ہے اس لئے کہ ایسا کرنے والے کا تعلق اپنے رب سے بھی معلوم ہوتا ہے اور اس کی مخلوق سے بھی ہے تو اللہ کو وہ بندہ کیوں نہ پسند ہو۔

حدیث نمبر ۳۸:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰه عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَالِمٌ لَمْ یَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهٖ"

(شعب الایمان للبیہقی باب فی نشر العلم حدیث نمبر ۱۷۷۸)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے دن سخت

ترین عذاب اس عالم کو ہوگا جس کا علم نفع نہ دے"۔

شرح: علم کیا ہے؟ اس کا مقام کیا ہے؟ آپ کو یاد ہوگا جب اللہ کریم نے فرشتوں سے فرمایا تھا کہ میں کرہ ارض پر اپنا نائب پیدا کرنے والا ہوں۔ تو فرشتوں نے حیران ہو کر عرض کیا کہ اس مخلوق کے پیدا کرنے کی ضرورت کیا ہے کیونکہ یہ بات ان کی سمجھ سے بالاتر تھی مگر ان کی حیرت دور کیا ہوئی انہوں نے اس مخلوق کے سامنے سجدہ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ تو وہ کیا چیز تھی جس نے اس مشت خاک کو سجود ملائک بنا دیا یہ ہے علم کا مقام۔

رہی یہ بات کہ علم چیز کیا ہے تو علم وہ روشنی اور نور ہے جو انسان کو خیر و شر، مفید و مضر، نفع و نقصان میں تمیز سکھا دیتا ہے اور نفع و نقصان بھی کلی مشکک ہے یعنی (Relative Term) ہے کہ یہ عارضی بھی ہوتا ہے اور ابدی بھی، تھوڑا بھی ہوتا ہے اور بہت بھی، دینوی بھی ہوتا ہے اور اخروی بھی اور علم حقیقی وہ ہے جو انسان کو اس نفع و نقصان کا یقین دلا دے جو عارضی بھی ہے اور ابدی بھی۔ دینوی بھی ہے اور اخروی بھی۔ لہذا یہ بہت بڑی روشنی، قوت اور نعمت ہوئی۔

علم سے نفع کیا حاصل ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے۔ ایک تو وہ ہے جو اوپر بیان ہوا کہ ابدی نفع و نقصان میں تمیز سکھا دیتا ہے۔ دوسرا نفع اور ہے وہ یہ کہ علم الاخلاق کے ماہرین کہتے ہیں کہ کوئی کمال اس وقت تک کمال نہیں جب تک متعدی بہ غیر نہ ہو یعنی جب تک اس کمال سے دوسرے لوگ مستفید نہ ہوں تو عالم جو اس علم سے نفع اٹھا سکتا ہے اور اسے اٹھانا چاہیے وہ یہی ہے کہ پہلے خود اللہ کا بندہ بن کر رہنے کا ڈھنگ سیکھے پھر دوسروں کو سکھائے۔ عالم کے بس یہی دو کام ہیں اگر یہ نہ کرے تو اس نے اللہ کی ایک عظیم نعمت کی ناشکری کی۔ ناقدری کی اور اللہ کا قانون یہ ہے" لَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ " (ابراہیم: ۷) یعنی اگر میری نعمت کی ناشکری اور ناقدری کرو گے تو سن لو میرا عذاب بڑا سخت ہے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی یاد دہانی کرائی ہے۔

حدیث نمبر ۷۵:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الا لَدُّ الْخَصِمِ"

(بخاری ج ۱ ابواب المظالم والقصاص باب قول اللہ وھو الد الخصام حدیث نمبر ۲۲۵)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کریم کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ آدمی وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو"۔

شرح: جہاں چند آدمی مل کے رہتے ہوں وہاں اختلاف رائے ہونا ایک قدرتی امر ہے کیونکہ مختلف لوگوں کی سوچ مختلف

مزاج پسند و ناپسند کا معیار، مختلف عقل اور تجربہ مختلف ہوتا ہے۔ اور اگر رشتہ دار ہوں تو وہاں کئی گھریلو باتوں میں اختلاف ہوتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ مل کے بیٹھیں، اپنے اپنے دلائل دیں۔ جس کے دلائل قوی ہوں اس کی بات مان لی جائے۔ اختلاف دور ہو گیا اور اگر معاملہ عدالت تک چلا جائے تو وہاں جس کے پاس ثبوت ہو دیانتداری سے پیش کرے عدالت جو فیصلہ کرے وہ تسلیم کر لیا جائے۔ یہ صورت پسندیدہ بھی ہے شرافت اور انسانیت کا تقاضا بھی یہی ہے۔

لیکن یوں بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگ دلیل کی زبان میں نہ بات کرتے ہیں نہ وہ بات سمجھتے ہیں۔ بس اپنی بات پر اڑے رہتے ہیں ایسے لوگوں کو جھگڑالو کہا جاتا ہے وہ کسی معاشرے میں پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے۔ اس کی وجہ ایک چھپی ہوئی بیماری ہوتی ہے اور وہ ہے خود پسندی ایسے لوگ اپنے آپ کو عقل کل سمجھتے ہیں اپنی رائے کے مقابلے میں کسی کی رائے، دلیل، ثبوت کسی چیز کو خاطر میں نہیں لاتے۔

اس حدیث میں ایسے لوگوں کے متعلق نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کریم کے نزدیک ایسے لوگ سخت ناپسندیدہ ہوتے ہیں اول تو جو اللہ کو پسند نہ ہو وہ آدمی کیا ہوا اور جو سب سے زیادہ ناپسند ہو وہ تو لازماً شیطان کے فیصلے سے تعلق رکھنے والا ہوا۔ اس نے بھی تو یہی کچھ کیا تھا اپنی رائے پر اڑا رہا اور رب العالمین سے جھگڑتا رہا پھر ایسے لوگ معاشرے کے امن کے لئے سخت خطرناک ہوتے ہیں۔ اللہ کریم ایسا بننے سے بچائے اور دلیل کی زبان میں بات کرنے اور سمجھنے کی توفیق دے۔

حدیث نمبر ۷۶:

عَنْ سُلَيْمَانِ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَ صِلَةٌ"

(سنن للنسائی الصدقۃ علی الارقاب حدیث نمبر ۲۵۸۲)

ترجمہ: حضرت سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مستحق مسکین کو دینا صدقہ ہے اور رشتہ دار مستحق صدقہ کو صدقہ دینا یہ صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔ دونوں نیکیاں ہیں"۔

شرح: صلہ رحمی کا مطلب یہ ہے کہ رشتہ داری کے جن تعلقات کو جوڑے رکھنے کی شریعت میں تاکید آئی ان میں بال نہ آنے دینا حقوق کے سلسلے کا یہ شعبہ اتنا اہم ہے کہ قران حکیم میں کئی مقامات پر جب حقوق کی ادائیگی کا حکم ہوا وہاں ترتیب یہ رکھی ہے کہ سب سے پہلے قرابتداروں کا ذکر ہے پھر مسکین کا ذکر آتا ہے اور صلہ رحمی کا لحاظ نہ رکھنے کی جس سزا کا ذکر ہے وہ بڑی بھیانک ہے۔

سورۃ بقرۃ میں اللہ کریم کی آخری کتاب ہدایت کا ذکر فرماتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ کچھ بدنصیب ایسے بھی ہیں جو

اس کتاب ہدایت سے بھی گمراہی حاصل کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے لفظ فاسقین استعمال ہوا ہے اور ان کی نشانیوں میں سے ایک پہچان یہ بتائی کہ ان رشتوں کو توڑتے ہیں جن کے جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

صدقہ دینا حقوق کی ادائیگی ہی کی ایک شکل ہے۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ عام مسکین اور مستحق کو صدقہ دینے سے حق ادا ہو گیا۔ مگر کسی قریبی محتاج کو صدقہ دینے سے دو قسم کے حقوق ادا ہو گئے۔ ایک مسکین کو دینا دوسرا قریبی رشتہ دار کو دینا یعنی صلہ رحمی کا حق ہو گیا۔ فعل ایک ہے مگر مزدوری دہری مل رہی ہے۔ یہ صرف اس حق کی ادائیگی کی وجہ سے جس کی ایک تو تاکید کی گئی ہے دوسرا معاشرے میں امن وسکون پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

حدیث نمبر ۷۷:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ یَسَّرَ عَلٰی مُعْسِرٍ یَسَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ"

(مشکوٰۃ۔ کتاب العلم۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص کسی تنگ حال کے لئے آسانی کا موجب بنے اللہ کریم اس کے لئے دنیا اور آخرت میں آسانی پیدا کرتا ہے"۔

شرح: تنگ حالی ایک خاص کیفیت کا نام ہے جس کی صورتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ایک تو مالی طور پر تنگ حال ہونا ہے۔ اسی کو اکثر تنگ حالی کہا اور سمجھا جاتا ہے۔ اس تنگ حالی کو دور کرنے کا طریقہ بالکل سادہ اور عام ہے کہ اس کی مالی امداد کی جائے۔ ہاں یہ ضرور دیکھا جائے کہ تنگ حالی کس درجے کی ہے۔ کوئی مقروض ہے اور قرض خواہ اس کو تنگ کر رہے ہیں تو اس کو کھانا کھلا دینا کوئی خاص مدد نہیں ہوگی اس کے لئے آسانی پیدا کرنے کی صورت تو یہ ہے کہ اس کے قرض کی ادائیگی کی کوئی مناسب تدبیر کی جائے۔

تنگ حالی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس کے رشتہ دار اسے ناجائز طور پر تنگ کر رہے ہوں اس کو چین نہ لینے دیں تو اس کے لئے آسانی پیدا کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ اس کے رشتہ داروں کو معقول رویہ اختیار کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

غرض تنگ حالی کی کئی صورتیں ہیں جانی، مالی، ذہنی وغیرہ تو جس قسم کی تنگ حالی ہو اس کو دور کرنے اور اس کو سکھ کا سانس لینے کے قابل بنانا اس کے لئے آسانی کا موجب بنتا ہے۔ اس کا صلہ ملے گا مگر کہاں سے؟ اس سے نہیں جس کے لئے آسانی پیدا کی گئی ہے بلکہ رب العالمین کے خزانے سے ملے گا۔ اور صلہ بھی وہ نہیں جو ادلے کا بدلہ ہوتا ہے بلکہ صلہ یہ کہ رب العالمین اس کے لئے دنیا میں بھی آسانی پیدا کرے گا اور آخرت میں بھی۔ حالانکہ دنیا میں آسانی پیدا کر دینا اس کی محنت کا صلہ تو

ہوگیا مگر اس کی شان کریمی دیکھئے کہ یہاں تو آدمی جوں توں کر کے گزار لیتا ہے۔ آخرت کی تنگ حالی ایسی ہے کہ کوئی کسی کی مدد نہ کر سکے گا تو وہاں جو آسانی پیدا کی جائے اور رب العالمین کی طرف سے پیدا کی جائے کیا کہنا اس کی خوش نصیبی کا۔

حدیث نمبر ۷۸:

"عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" اَفْضَلُ الصَّدَقَۃِ اَنْ تُشْبِعَ کَبِدًا جَائِعًا"

(مشکوٰۃ۔ باب افضل الصدقۃ الفصل الثالث)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بہترین صدقہ یہ ہے کہ تو کسی بھوکے کو کھانا کھلا دے"۔

شرح: انسان کی بنیادی ضروریات تین شمار ہوتی ہیں اور جمہوریت میں تو یہ نعرہ کا کام کرتی ہیں یعنی روٹی کپڑا اور مکان۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں کی حیثیت ایک جیسی نہیں ہے مثلاً کپڑا، تو انسان ایک ایسے دور سے گزرا ہے جب اس کے پاس کپڑا نہیں تھا۔ مگر اس کے بغیر بھی وہ زندہ رہا۔ صرف زندہ نہیں رہا بلکہ تاریخ میں ایک تہذیبی دور کے انمٹ نشان چھوڑ آیا۔ اسی طرح انسان پر ایک دور ایسا بھی گزرا ہے جب وہ مکان بنانا جانتا ہی نہیں تھا مگر زندگی گزارتا رہا۔ آج بھی انسان پھٹے پرانے چیتھڑوں میں زندگی گزار لیتے ہیں جن کو کسی طرح بھی لباس نہیں کہا جا سکتا اور آسمان کی چھت کے نیچے اور فٹ پاتھوں پر زندگی گزار لیتے ہیں پس معلوم ہوا کہ کپڑا اور مکان زندگی گزارنے کے لئے دو سہولتیں ہیں جو کبھی اپنی حدود سے بڑھ کر عیاشی بھی بن جاتی ہیں۔

غذا ایسی ضرورت ہے جسے واقعی ضرورت کہا جا سکتا ہے کہ اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کی طرف رہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بہترین صدقہ یہ ہے کہ کسی بھوکے کو کھانا کھلایا جائے کیونکہ یہ صدقہ زندگی اور جان بچانے کا ذریعہ ہے جبکہ دوسرے اور صدقے زندگی کی بعض سہولتیں حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں اور سب جانتے ہیں کہ جان ہے تو جہان ہے۔

حدیث نمبر ۷۹:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "لَا یَشْکُرُ اللّٰہَ مَنْ لَّا یَشْکُرُ النَّاسَ"

(ابوداؤد باب فی شکر المعروف حدیث نمبر ۴۸۱۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا

نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا"۔

شرح: شکر ایک فطری اور پاکیزہ جذبہ ہے جو انسان تو کیا ہر جاندار میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ ایک کبوتر ایک مرغ، ایک بلی، ایک کتے یا ایک بھیڑ بکری کو پیار سے کچھ کھلائیں وہ آپ کو پہچان لے گا۔ پرندہ ہے تو اڑ کے آپ کے کندھے پر بیٹھ جائے گا، بلی ہے تو گود میں آ بیٹھے گی اور کوئی جانور ہے تو آپ کے پیچھے بھاگے گا یہ سب اظہار شکر کی صورتیں ہیں یعنی جانور احسان شناس بھی ہے اور محسن شناس بھی۔

اب آیئے حضرت انسان کی طرف۔ اگر ایک انسان کسی دوسرے پر احسان کرتا ہے تو وہ دو میں سے ایک حال سے خالی نہیں یا تو اسے دوسرے آدمی سے اس سے بہتر سلوک کی توقع ہوگی۔ یہ حالت شرف انسانیت سے گری ہوئی ہے اور خود غرضی کی ایک مہذب صورت ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ انسانی ضمیر نے کچھ کہہ دیا اور صرف اسی جذبہ کے تحت دوسرے پر احسان کیا یا محض اللہ کی رضا کی خاطر ایسا کیا یہ صورت نہایت پاکیزہ اور عظیم ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ شخص جس پر احسان کیا اس کا ضمیر اگر زندہ ہے تو وہ لازماً اپنے محسن کا شکریہ ادا کرے گا اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو بھلا اپنے اس منعم حقیقی کے احسانات کا شکر کیسے کر سکتا ہے جو ہر لحظہ اس پر احسان کئے چلا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شکر گزار انسان کے ذہن میں یہ حقیقت موجود ہوتی ہے کہ جس شخص نے مجھ پر احسان کیا وہ خود نہیں بلکہ اللہ کریم نے اس کے دل میں یہ بات ڈالی لہٰذا اس شخص کا احسان بھی دراصل اللہ کا احسان ہے لہٰذا وہ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرے گا اور اس کی تین صورتیں دل میں احساس ہونا، زبان سے ذکر کے کلمات کہنا اور اصل شکر یہ ہے کہ جو نعمت جس کام کے لئے دی گئی ہے اس مصرف میں استعمال کرنا ہیں۔

حدیث نمبر ۸۰:

"عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ"

(مشکوٰۃ۔ باب الکسب وطلب الحلال۔ الفصل الثانی نمبر حدیث ۲۷۲۲ ص ۲۴۶ سطر ۲)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو گوشت حرام روزی سے بنا ہے وہ جنت میں داخل نہ ہوگا"۔

شرح: غذا کا جسم انسانی کے ساتھ خاص تعلق ہے وہ یہ کہ غذا ہضم ہو کر خون کی شکل اختیار کرتی ہے اور خون رگوں میں چل کر انسانی قوت بنتا ہے جس سے انسان کاروبار کرتا ہے اعضاء اپنا کام کرتے ہیں۔ اطباء کا کہنا یہ ہے کہ ہر غذا کا اپنا اثر ہوتا ہے گرم غذا کھانے سے جسم میں حرارت اور گرمی پیدا ہوتی ہے، ٹھنڈی غذا کھانے سے جسم میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے۔

اسی طرح غذا کا ایک روحانی پہلو بھی ہے اور روح پر اس کا اثر بھی مختلف ہوتا ہے جو غذا حلال ہو اور حلال ذریعے سے حاصل کی گئی ہو پاکیزہ ہو اس سے جو خون بنتا ہے اس کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کے لئے ابھارتا ہے اور جو غذا حرام ہو یا حرام ذریعے سے حاصل کی گئی ہو اس کے کھانے سے جو خون بنتا ہے۔ اس کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ انسان کو معصیت پر اور اللہ کی نافرمانی پر ابھارتا ہے۔ حرام غذا کی نحوست کا یہ عالم ہے کہ ایک حدیث کا مضمون کچھ اس طرح ہے کہ اگر کسی کا لباس دس درم سے تیار ہوا ہو اور اس میں ایک درم حرام کا ہو تو جب تک وہ لباس جسم پر رہے گا اس کی کوئی عبادت قبول نہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ جو عبادت قبول نہ ہوئی وہ عبادت ہی نہ ہوئی بغاوت ہوئی جب لباس کی نحوست یہ ہے جو صرف جسم کے ساتھ مس کرتا ہے تو جس جسم کا گوشت پوست ہڈی خون سب کچھ حرام غذا سے تیار ہوا اس کی نحوست کا اندازہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔

جنت وہ پاکیزہ مقام ہے جو اللہ کے فرمابرداروں اللہ کے پسندیدہ اور برگزیدہ بندوں کی قیام گاہ ہے اس میں ایسا وجود کیسے داخل ہو سکتا ہے جو پاؤں کے ناخن سے لے کر سر کی چوٹی تک حرام میں ڈوبا ہوا ہو لہذا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو خبردار کیا ہے کہ حرام سے بچنے کا پورا پورا اہتمام کریں۔

سردیں صدق مقال اکل حلال

حدیث نمبر ۸۱:

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ ظَلَمَ قِيْدَ شِبْرٍ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرْضِيْنَ"

(بخاری صفحہ نمبر ۳۳۲ باب ماجاء فی سبع ارضین حدیث نمبر ۳۰۲۳)

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرما رہے تھے: "جس نے ایک بالشت زمین ظلم سے ہتھیالی قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق اس کے گلے میں لٹکایا جائے گا"۔

شرح: ظلم سے مراد یہ نہیں کہ لڑائی بھڑائی کر کے کسی کا حق مار لیا جائے ظلم کے معنی ہیں "وضع الشیٔ فی غیر محلہ" یعنی جو چیز جس مقصد کے لئے ہے اس کی بجائے کسی دوسرے مصرف میں استعمال میں لانا ظلم ہے۔ یہاں گویا ظلم سے مراد ناحق کسی کی زمین ہتھیالی۔ خواہ نہایت خاموشی سے خواہ کسی دانشورانہ فنکاری سے وہ ظلم ہوگا۔

دوسرا لفظ شبر ہے یعنی بالشت بھر۔ بالشت بھر زمین سے کسی کا کیا سنورتا ہے۔ اس جرم کی شدت ظاہر کرنے کے لئے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ یہ ایسا جرم ہے کہ اگر بالشت بھر زمین ہتھیالی جو بالکل بے وقعت ہے تب بھی وہ اسی درجے کا مجرم ہوگا۔

اس میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ حرام خواہ ایک پیسہ ہو خواہ ایک لاکھ حرام ہی ہے۔ جس نے بالشت بھر زمین غصب کی

اس نے حرام کو حرام نہیں سمجھا اس لئے اگر اس کا بس چلے تو سینکڑوں ایکڑ پر بھی قبضہ کر لے۔ پھر یہ کہ حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ اس لئے بالشت بھر کا لفظ استعمال کیا بخاری کی ایک اور حدیث میں ہے "بِغَيْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلٰى سَبْعِ اَرَضِيْنَ" "یعنی کچھ بھی خواہ وہ بالشت سے بھی کم ہو۔ اس حدیث میں اس کی سزا بتائی کہ "اسے قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا"۔ یہ تو بہت بڑے کافر کی سزا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس نے حرام کو حلال سمجھا اس لئے غصب کی سزا ملے گی۔

اس حدیث میں اس کی سزا بتائی کہ سات زمینوں کا طوق اس کے گلے میں لٹکایا جائے گا۔ آدمی "دانشور" ہو تو کہہ سکتا ہے کہ ایک ذرا سے گلے میں بھلا سات زمینیں کیسے لٹک سکتی ہیں۔ یہ صرف ڈرایا گیا ہے۔ چلو جتنی زمین غصب کی اتنی کا طوق بن گیا۔ تو پہن لیں گے۔ مگر جس کا ایمان اللہ کے رسول کی بات پر ہو وہ تو اس طرح سوچ بھی نہیں سکتا۔

قیامت کے دن جو سزا ملتی ہے وہ تو بیان کر دی گئی مگر یہاں اس کا جو نقصان ہوتا ہے وہ گزشتہ حدیث کی شرح میں بیان کر دیا گیا کہ ارشاد نبوی ہے کہ جس کا لباس دس درہم کا ہو اور اس میں ایک درہم حرام کا ہو تو جب تک وہ لباس جسم پر رہے گا کوئی عبادت قبول نہ ہوگی تو دوسروں کی زمیں غصب کرنے کا وبال یہاں یہ پڑتا ہے کہ آدمی عبادتیں بھی کرتا رہتا ہے مگر جب عبادت قبول نہ ہوئی تو وہ عبادت اس کا کیا سنوار سکتی ہے۔

یہاں سے ایک اور مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ اللہ و رسول نے تزکیہ کا ذریعہ صرف ذکر الٰہی قرار دیا ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ آدمی ذکر بھی کرے اور تزکیہ نہ ہو لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے بزرگ بھی موجود ہیں جو بتیس بتیس برس سے ذکر کر رہے ہیں مگر تزکیہ کا وہاں نشان تک نہیں جو بری عادتیں تیس سال پہلے تھیں وہی اب بھی ہیں بال برابر فرق نہیں آیا تو بات سمجھ میں آئی کہ جب کھانا پینا، اوڑھنا بچھونا، رہنا سہنا سب حرام کا ہے تو وہ ذکر الٰہی قبول کیسے ہو۔ اور جب قبول نہ ہو تو تزکیہ کیونکر ہو۔

اس لئے اس حرام کے دو محرکات کا ذکر کرتے ہوئے اکبر الہ آبادی نے بات واضح کر دی کہ۔

اہل غرور وہ حرص کیا ذکر سے شرف
تا چرخ بھی پہنچ کے وہ شیطان ہی رہے

حدیث نمبر ۸۲:

"عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ"

(مشکوٰۃ۔ باب الغضب والکبر۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ شخص جنت

میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی برابر کبر ہوگا"۔

شرح: کبر کے چلتے ہوئے اور مشہور معنی بڑائی۔ غرور۔ اکڑ وغیرہ ہیں مگر جو مفہوم شریعت نے متعین کیا ہے وہ ان لفظوں سے پوری طرح ادا نہیں ہوتا اس لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کبر کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبر کی حقیقت بیان فرمائی کہ کبر ہے "اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ" (صحیح مسلم) یعنی اللہ کی بات نہ ماننا حق بات قبول نہ کرنا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا کبر ہے۔ گویا کبر کے دورخ ہوئے ایک خالق کی طرف دوسرا مخلوق کی طرف بندہ ہونے کی وجہ سے خالق سے تعلق عقیدت اور اطاعت کا ہے لیکن جب اطاعت کی جگہ نافرمانی ہوئی تو بندگی ختم ہوئی اور کبر آدھمکا اور انسان ہونے کی وجہ سے اولاد آدم کے ساتھ تعلق تعاون اخوت وایثار کا ہے جب اس کی جگہ حقارت آ گئی تو انسانیت ختم ہوگئی۔

ابلیس میں یہی دونوں وصف تھے اللہ کے حکم کے جواب میں اس کا رویہ قرآن کریم بتاتا ہے کہ "ابیٰ" یعنی اس نے انکار کر دیا اور انسان کے بارے میں کہا "ءَ اَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْناً" (بنی اسرائیل:۶۱) یعنی کیا میں اس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی جیسی حقیر چیز سے پیدا کیا جس انسان میں یہ دونوں وصف ہوں گے اس نے گویا ابلیس کی میراث پائی۔ اب ظاہر ہے ابلیس کا وارث جنت میں کیسے داخل ہو سکتا ہے۔

ارباب سلوک کہتے ہیں کہ سالک جب تزکیہ شروع کرتا ہے تو رذائل رفتہ رفتہ اللہ کے فضل اور ذکر کی برکت سے نکل جاتے ہیں لیکن سب سے آخر یہ کبر نکلتا ہے۔ اس لئے اس خطرے سے آگاہ کر دیا گیا۔

حدیث نمبر ۸۳:

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ" لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ کَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰکِنَّ الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ"

(مشکوٰۃ۔ کتاب الرقاق۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دولت مندی کثرت مال سے نہیں بلکہ دل کا غنی ہونا دولت مندی ہے"۔

شرح: انسان فطرتاً یہ چاہتا ہے کہ سکون اور امن واطمینان سے زندگی بسر کرے۔ فکر اور پریشانی سے محفوظ رہے۔ اس کی تدبیر یہ کرتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرے تاکہ اس کی ہر ضرورت اور ہر خواہش پوری ہو سکے مگر اس کی یہ سوچ صحیح نہیں اسلام اس کی ایک تدبیر بتاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنے اندر قناعت کا وصف پیدا کرے۔ قناعت یہ ہے کہ انسان اللہ کریم

کی تقسیم پر نہ صرف راضی ہو بلکہ مطمئن بھی ہو اور اس کا یقین محکم ہو کہ اس کا ہر فیصلہ کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے لہذا انسان کی بہتری اسی میں ہوتی ہے۔

اس کے مقابلے میں ایک وصف ہے جسے حرص اور طمع کہتے ہیں۔ حرص یہ ہے کہ آدمی ہر وقت یہ آرزو کرتا رہے کہ میرے پاس یہ بھی ہو وہ بھی ہو وہ کیوں نہیں ہے یہ کیوں مل گیا وغیرہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کسی حال میں مطمئن نہیں ہوتا۔ غالب درست کہتا ہے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

اس فطری حقیقت کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا کہ اگر آدمی کے پاس وافر مال موجود ہو مگر اس کی حرص کا یہ عالم ہو کہ ہر حال میں نا نوے کے پھیر میں ہی رہے تو اس کی دولت اس کے کس کام آئے گی لہذا وہ دولتمند نہیں بلکہ مفلس ہے۔ دوسرا شخص ایسا ہے کہ اس میں قناعت ہے تو اگر اس کے پاس مال و دولت وافر نہیں پھر بھی وہ دولت مند ہے کیونکہ وہ نہایت اطمینان سے زندگی بسر کر رہا ہے۔ لہذا اصل دولت تو قناعت ہی ہے۔

حدیث نمبر ۸۴:

"عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافاً وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا اٰتَاهُ"

(مشکوٰۃ۔ کتاب الرقاق۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اسلام قبول کیا اور بقدر ضرورت اسے رزق ملا اور جو کچھ اللہ نے دیا اس پر قناعت کر لی"۔

شرح: اس حدیث میں قناعت کی فضیلت بیان کی گئی ہے وہ اس طرح کہ ایک خاص ترتیب کے ساتھ تین چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ سب سے پہلے حتمی اعلان فرمایا کہ کامیابی کامرانی اور فلاح ہر انسان کو مطلوب اور مرغوب ہے۔ تو لو سنو فلاح کس کے حصے میں آئے گی اب وہ تین چیزیں بیان ہوئیں۔

۱۔ اسلام کی سعادت نصیب ہوئی۔ یعنی فلاح کی بنیاد یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اپنے رب کے سپرد کرے اپنے اختیار اور اپنی خواہش کو اس کی مرضی کے تحت کر دے اور بے فکر ہو جائے۔

۲۔ جسے اتنا رزق ملا جو اس کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی ہو۔ آدمی کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں تو وہ فکر سے

آزاد رہتا ہے کچھ لوگ آ بیل مجھے مار پر عمل کرتے ہوئے فکر کو خود دعوت دیتے ہیں وہ یوں کہ ضروریات پر اکتفا نہیں کرتے تشہیات کے لئے سرگرداں رہتے ہیں اور تشہیات کی خصوصیت یہ ہے کہ۔

گھٹتا	جاتا	ہے	خط پیمانہ
بڑھتی	جاتی	ہے	تشنگی ساقی

۳۔ وہ شخص جسے اللہ کریم نے قناعت کا وصف عطا فرما دیا۔ یعنی وہ اللہ کی تقسیم پر مطمئن ہو گیا دل میں یہ بات کبھی نہ آئی کہ ہائے مجھے یہ کیوں نہ ملا۔ بس اب فلاح اور عیش کی تکمیل ہو گئی۔

حدیث نمبر ۸۵:

''عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ''مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَالَا یَعْنِیْهِ''

(ترمذی باب فیمن تکلم بکلمۃ یضحک بھا الناس)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انسان کے اسلام کی خوبصورتی اس کا لایعنی کام چھوڑنا ہے''۔

شرح: حسن وہ وصف ہے کہ جس چیز میں پایا جائے دیکھنے والے کا دل اس چیز کی طرف کھچا چلا جاتا ہے۔ اس لئے ہر آدمی زیادہ سے زیادہ یہ وصف اپنے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کا لباس حسین ہو۔ اس کی بات میں حسن ہو۔ اس کا مکان حسین ہو۔ اس کی ہیئت کذائی میں دلربائی ہو۔ گویا یہ ایک فطری داعیہ ہے جس کی تسکین کے لئے انسان کوشش کرتا رہتا ہے۔

اسلام دین فطرت ہے اس لئے وہ انسانی فطرت کا لحاظ ہر حکم میں رکھتا ہے اس حدیث میں انسان کے اسی فطری داعیہ کی تسکین کا سامان کر دیا گیا ہے۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب ایک شخص اسلام قبول کرتا ہے تو وہ یہ عہد کرتا ہے کہ میں اپنے آپ کو اللہ رب العالمین کے سپرد کرتا ہوں اس خود سپردگی کا مفہوم یہ ہے کہ اب میری پسند اور میرا معیار اللہ کریم کی پسند اور معیار کے ماتحت ہو گا۔ یہ بہت بڑا عہد ہے، اپنی انا کو بالکل ختم کر دینا ہے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو انسان ہے تو لازماً تیری فطرت کا تقاضا ہو گا کہ میرا اسلام لانا محض ایک ضابطے کی کارروائی نہ بنے بلکہ اس میں بھی حسن، کشش اور جاذبیت پیدا ہو تو میں تجھے اس کی تدبیر بتاؤں وہ یہ کہ فضولیات کو ترک کر دے تیرے اسلام میں حسن پیدا ہو جائے گا، فضول باتیں ترک کر دے، فضول کام نہ کر، فضول سوچ سے بچ، فضول خواہشوں سے دستبردار ہو۔ فضول آرزوؤں اور تمناؤں سے دل کو خالی رکھ فضول سوسائٹی

میں نہ جا فضول مشاغل میں مبتلا نہ ہو۔ غرض ہر فضول سے بچ تیرے اسلام میں حسن ہی حسن ہوگا۔

حدیث نمبر ۸۶:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوةُ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا"

(مشکوٰۃ، باب بیان الخمر وعید شاربھا۔ الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے شراب پی اللہ تعالیٰ اس کی چالیس روز کی نمازیں قبول نہیں کرے گا''۔

شرح: نماز کیا ہے؟ ایک عبادت ہے، مگر عبادت میں تو عبد اور معبود کے تعلق کو نبھایا جاتا ہے۔ یہ ایسی عبادت ہے جس میں صرف عبد اور معبود کا تعلق نہیں بلکہ محب اور محبوب کا رشتہ بھی ہے۔ ہر چاہنے والے کی خواہش ہوتی ہے کہ کسی طرح محبوب کی ملاقات کا اس کی مجلس کا موقع مل جائے اور جب موقعہ ملے تو وہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا اور یہاں محبوب ایسا قدر دان اور محب نواز ہے کہ اس نے ہر روز پانچ مرتبہ ملاقات کا موقع عطا فرمایا اور لطف یہ کہ خود بلاتا ہے اور اپنے گھر بلاتا ہے اور کہتا ہے جی بھر کے میرے ساتھ باتیں کر۔ فرض پڑھ کے دل نہیں بھرا تو سنتیں پڑھ لے ابھی اور حسرت باقی ہے تو نفل پڑھ لے اور نفلوں کی تعداد کی کوئی پابندی نہیں۔ کتنا کریم ہے ایسا محبوب کہیں دنیا میں مل سکتا ہے۔

شراب کیا ہے؟ ایک کڑوا کسیلا اور بدبودار مشروب جو بے خود کردے۔ عقل و خرد کا دشمن اپنے آپ کی خبر نہیں یہ احساس نہیں کہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا کر رہا ہے اب سوچئے کہ محض تفریح کے طور پر یہ دشمن خرد بلا پی کر جو آدمی محبوب کی ملاقات کے لئے جائے تو کیا محبوب کو اس کی بدبو پسند آئے گی؟ کیا اس کی احمقانہ حرکتیں وہ پسند کرے گا اور محبوب بھی ایسا نازک حساس اور نفاست پسند ظاہر ہے کہ ایسا شخص جب اس کے گھر جائے گا تو وہ نہ اس کی طرف متوجہ ہوگا نہ اس سے بات کرے گا نہ اس کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھے گا اور ایسا ہی ہونا چاہیے بس یہی مراد ہے کہ اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہ ہوگی اتنی منحوس چیز کو ایک دفعہ پیا اور چالیس روز محبوب کی ملاقات سے محروم۔

حدیث نمبر ۸۷:

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِیْ اِلَّا بِخَيْرٍ وَفِیْ رِوَايَةٍ اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهٗ"

(مشکوٰۃ۔ باب الرفق والحیاء وحسن الخلق۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حیا سے بھلائی ہی

بھلائی حاصل ہوتی ہے۔ حیا ہے ہی سراپا بھلائی"۔

شرح: حیا ایک عمدہ اخلاقی وصف اور قلب کی ایک خاص حالت ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ آدمی ہر اس بات اور ہر اس کام سے بچے جو کسی کی نگاہ میں معیوب ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو کام کسی آدمی کی نگاہ میں معیوب ہو۔ اس کے سامنے وہ کام کرنے سے رک جائے، کسی معاشرے میں جو کام برا سمجھا جاتا ہو اس معاشرے میں رہ کر وہ کام نہ کرے۔ یہ بھی اچھی بات ہے مگر حیا کی ادنیٰ قسم ہے۔

دوسری حیا کی اعلیٰ قسم ہے اور وہ یہ کہ جو بات اللہ کریم کو پسند نہ ہو جو کام اللہ کریم کی نگاہ میں معیوب ہو وہ بات اور وہ کام نہ کرے خواہ تنہائی میں ہو کیونکہ آدمی اللہ کریم کی نگاہ سے کسی وقت اور کسی حالت میں اوجھل نہیں ہوتا۔ یہ ہے حیا کی اعلیٰ قسم اور مومن کے لئے یہی مطلوب ہے گو پہلی قسم بھی اچھی ہے۔ اسی لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حیا کو نری بھلائی قرار دیا ہے۔ سچ کہا کسی عارف نے۔

جس کو خدا کی شرم ہے وہ ہے بزرگ دیں
دنیا کی جس کو شرم ہے مرد شریف ہے
جس کو کسی کی شرم نہیں اس کو میں کیا کہوں
فطرت میں وہ رذیل ہے دل کا کثیف ہے

ایک اور حدیث میں حیاء کو ایمان کا شعبہ فرمایا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ایمان کی علامت اور ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی کو تنہائی میں بھی وہ کام کرنے سے حیا آئے جو اللہ کریم کو پسند نہیں۔

حدیث نمبر ۸۸:

عَنْ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقاً وَ خُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَيَاءُ"

(مشکوٰۃ۔ باب الرفق والحیآء۔ الفصل الثالث)

ترجمہ: حضرت زید بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر مذہب کا ایک خلق ہوتا ہے اور اسلام کا خلق حیا ہے"۔

شرح: خلق، عادت یا خصلت کو کہتے ہیں۔ ہر اچھے آدمی میں کئی اچھی عادتیں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے اس کو اخلاق حمیدہ کا مالک کہا اور سمجھا جاتا ہے مگر یہ عام مشاہدہ ہے کہ اس میں کوئی ایک خاص عادت سب سے زیادہ نکھری ہوئی اور ممتاز ہوتی ہے

اسی طرح اچھے مذاہب میں کئی اچھے اصول ہوتے ہیں جن کو اس مذہب کا خلق کہا جاسکتا ہے مگر کوئی ایک خاص ایسا اصول ہوتا ہے جو اس کی خصوصیت سمجھا جاتا ہے۔

اسلام، چونکہ دین فطرت بھی ہے اور دین کامل بھی اس لئے اس کے سارے اصول اور تمام تعلیمات ایک سے ایک بڑھ کر عمدہ اور اعلیٰ ہے چنانچہ داعی اسلام نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کراتے ہوئے اللہ کریم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی وصف کا خصوصیت سے ذکر فرمایا کہ "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" (القلم:۴) اس سب کے باوجود ایک وصف ایسا ہے جو اسلام کا طرہ امتیاز ہے اور وہ ہے حیا۔ اس لفظ کے معنی اور مفہوم پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کے سامنے آجاتی ہے کہ یہ وصف تمام اوصاف حمیدہ اور تمام اخلاق حسنہ کا جامع ہے۔ حیا کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کریم کی نافرمانی کرنا ایک مسلمان کے لئے ایسا ہی ہے جیسے آگ میں کودنا۔ بلکہ اللہ کی نافرمانی کے تصور سے بھی آدمی کانپ جائے۔ یہ احساس تمام خوبیوں ساری نیکیوں اور سب کمالات کا ماخذ، منبع، مصدر اور جوہر ہے۔ اسی لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وصف کو خاص اسلام کا وصف قرار دیا ہے۔

حدیث نمبر ۸۹:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "اَلْمُؤْمِنُ مَالِفٌ وَلَا خَیْرَ فِیْمَنْ لَّا یَاْلَفُ وَلَا یُؤْلَفُ"

(مشکوٰۃ۔ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق۔ الفصل الثالث)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن محبت مجسم ہے اس شخص میں کوئی خوبی نہیں جو نہ محبت کرے اور نہ کوئی اس سے محبت کرے"۔

شرح: ایمان نام ہی محبت کا ہے تو مومن سراپا محبت کیوں نہ ہو۔ اللہ کریم نے مومن کی نشانی اور اس کی پہچان یہ بتائی کہ "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ" (البقرہ:۱۶۵) کا لفظ یہ بتاتا ہے کہ مومن کو ساری مخلوق سے محبت ہوتی ہے مگر سب سے زیادہ محبت خالق سے ہوتی ہے۔ ہاں مخلوق سے محبت کے مختلف مدارج ہیں جن کی نشاندہی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ" (صحیح بخاری) یعنی تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک اسے اپنے ماں باپ اپنی اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کے میرے ساتھ محبت نہ ہو اب محبت کے مدارج یوں بنے کہ مومن کو سب سے زیادہ محبت اپنے خالق سے ہوتی ہے۔ پھر مخلوق میں اپنے ماں باپ سے اپنی اولاد سے اور ان کے بعد تمام نبی نوع انسان سے محبت ہوتی ہے۔ یہ ساری محبتیں طبعی ہیں ان سب سے بڑھ کر عقلی محبت نبی

رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتی ہے۔خوب کہا اک عارف نے:

ما قصہ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

محبت کا یہ خاصہ ہے کہ یہ جانبین سے ہوتی ہے؛ چنانچہ مومن کو جب اپنے خالق اور حمتہ للعالمین کے ساتھ محبت ہے تو ادھر سے بھی جواب ملتا ہے۔کہ ''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ'' (ال عمران:۳۱) یعنی اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو ثبوت دو ثبوت ہے اتباع حبیب یہ کرو گے تو اللہ تم سے محبت کرے گا۔اس لئے معلوم ہوا کہ ایمان کا خاصہ محبت ہے۔تو جو شخص ایمان کا مدعی ہے یعنی کہتا ہے میں مومن ہوں تو اسے لازماً اپنے خالق سے اور اس کی مخلوق سے محبت ہوگی اور یہ محبت یکطرفہ ہوتی نہیں اس لئے خالق کو بھی اس کے ساتھ محبت ہوگی اور مخلوق کا بھی وہ محبوب ہوگا اگر خدانخواستہ یہ معاملہ نہیں یعنی نہ اسے کسی کے ساتھ محبت ہے نہ کوئی اس سے محبت کرتا ہے تو ایمان کا معاملہ گڑبڑ ہے۔محض لیبل ہے اندر مال کوئی نہیں اس کی فکر کرے۔

حدیث نمبر ۹:

وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ''اِنَّ اللّٰهَ یَحِبُّ الْمُؤْمِنَ الْمُفَتَّنَ التَّوَّابَ

(مشکوٰۃ۔باب الاستغفار والتوبہ۔الفصل الثالث)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو وہ مومن پسند ہے جو آزمائشوں میں ڈالا گیا ہو اور بہت توبہ کرنے والا ہو''۔

شرح: قاعدہ یہ ہے کہ انعام کا مستحق وہ ہوتا ہے جو کوئی کارنامہ کر کے دکھائے جتنا بڑا کارنامہ ہوگا اتنا بڑا انعام ہوگا۔اللہ کریم نے ایک اعلان فرمایا ہے کہ: ''اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ'' (العنکبوت:۱) یعنی کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جب انہوں نے کہہ دیا کہ ہم ایمان لائے تو بات ختم ہوگئی کیا ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی کہ وہ اپنے قول کے سچے ہیں یا نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر مومن کی آزمائش ہوتی ہے جب اس نے کہا ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' تو اس نے بہت بڑا دعویٰ کیا ہے کہ میں صرف اللہ کی بات مانوں گا اور بات ماننے کا طریقہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھوں گا یہ بہت بڑا دعویٰ ہے اس لئے آزمائش ضرور ہوگی۔

آزمائش کے طریقے مختلف ہیں مثلاً کسی کو کوئی بڑی نعمت دے کے آزمایا جاتا ہے تو کسی کو محروم رکھ کے آزمایا جاتا ہے۔ کسی کو عیش وراحت دے کر آزمایا جاتا ہے کسی کو غم واندوہ دے کے آزمایا جاتا ہے۔ آزمائش میں ڈالنا تو رب العالمین کا کام ہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ بندہ مومن کا ردِعمل کیا ہے۔ پہلی صورت میں صحیح مومن کا ردِعمل وہ ہوگا جس کو شکر کہتے ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ اول تو مومن کے دل میں یہ احساس یقین کے درجے تک ہوتا ہے کہ یہ محض اس کا کرم ہے میری لیاقت یا میری عقل کو کوئی دخل نہیں پھر اس کی زبان سے اس کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ بے اختیار کہہ اٹھا ہے الحمدللہ پھر اس کا عملی مظاہرہ ہوتا ہے وہ ہے شکر کی اصلی صورت وہ یوں کہ جو نعمت جس مقصد کے لئے دی گئی اس سے صرف وہی کام لیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ دوسرا ردِعمل تواضع کا ہوتا ہے یعنی یہ سب کچھ کرنے کے بعد مومن یہی سمجھتا ہے کہ مجھ سے شکر ادا کرنے کا حق ادا نہیں ہوا چنانچہ وہ اپنی کوتاہیوں کے لئے اللہ کریم سے معافی مانگتا ہے اور توبہ واستغفار کرتا ہے۔ اگر ردِعمل یہ ہوا تو ایسے مومن کے لئے بشارت ہے کہ اللہ کریم اسے بہت پسند کرتا ہے۔

دوسری صورت میں جو ردِعمل ہوتا ہے اس کا نام صبر ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مومن پر جب مصیبت آتی ہے تو یقین کی حد تک اسے احساس ہوتا ہے کہ میں اور میرے پاس جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے میرا نہیں جب وہ مالک ہے تو جو وہ چاہے کرے میں کون ہوتا ہوں شکوہ شکایت کرنے والا پھر وہ سوچتا ہے کہ وہ تو قادر ہے اس سے بڑی مصیبت بھی بھیج سکتا ہے اس نے کرم کیا کہ یہ چھوٹی سی مصیبت بھیجی۔ پھر وہ سوچتا ہے کہ اس نے اعلان کیا ہے "اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ" (البقرہ:۱۴۳) یقیناً اس مصیبت میں ضرور میرا کوئی فائدہ ہے۔

یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی اسے احساس ہوتا ہے کہ صبر کرنے کا حق مجھ سے ادا نہیں ہو سکا چنانچہ اپنی خامی اور نقص کے لئے اللہ سے معافی مانگتا ہے توبہ واستغفار کرتا ہے۔ یہ ہے اصلی مومن کا ردِعمل اور اسی کے لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت سنائی ہے کہ ایسا مومن جسے آزمائش میں ڈالا گیا اور اس نے یہ ردِعمل دکھایا وہ اللہ کا پیارا بندہ۔ اللہ کو بہت پسند ہے۔

حدیث نمبر ۹۱:

عَنْ عَمَّارٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "مَنْ کَانَ ذَا وَجْھَیْنِ فِی الدُّنْیَا کَانَ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ"

(مشکوٰۃ۔ باب حفظ اللسان۔ الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص دنیا میں دو رُخا ہوگا قیامت والے دن اس کے لئے آگ کی دو زبانیں ہوں گی"۔

شرح: دوُرخا ہونا سیرت و کردار کی بہت بڑی کمزوری ہے اس کی کئی صورتیں ہیں مثلاً ایک صورت تو یہ ہے کہ آدمی کسی کے سامنے اس کی بڑی تعریف کرے اس کی تعظیم کرے۔ اس سے عقیدت کا اظہار کرے مگر اس کی غیر حاضری میں اس کی مذمت کرے ہر عیب اس کے ساتھ منسوب کرے اور اس کا ڈھنڈورہ پیٹے یہ سراسر دھوکا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دو آدمیوں میں آپس میں کچھ تلخی ہوگئی تو ایک شخص ان میں سے ایک کے پاس جائے اس کی ہاں میں ہاں ملائے اور دوسرے کو برا بھلا کہے اور پھر دوسرے کے پاس جائے تو اس کی ہاں میں ہاں ملائے اور پہلے کو برا بھلا کہے اس طرح اُن دونوں میں اور بھی بُعد ہوتا جائے اور یہ دوُرخا آدمی ان کے درمیان نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑکائے یہ دھوکا بھی ہے اور فساد اور بگاڑ پیدا کرنے کی صورت بھی۔

قیامت کے روز جو سزا ملے گی وہ اسی جنس اعمال ہوگی تو اس دوُرخے آدمی کے متعلق نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی کہ قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں جس ایک زبان سے دو کام لے کر دو آدمیوں کے درمیان نفرت کی آگ بھڑکا تا رہا اب یہ دو زبانیں بن جائیں گی اور آگ کی ہوں گی اور خود اسی کو جلائیں گی۔ اعاذنا اللہ منھا۔

حدیث نمبر ۹۲:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "اِذَا کَذِبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْہُ الْمَلَکُ مِیْلاً مِنْ نَتْنِ مَا جَآءَ بِہٖ"

(مشکوٰۃ۔ باب حفظ اللسان۔ الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب بندہ جھوٹ بولتا ہے فرشتہ اس کی بدبو کی وجہ سے اس سے ایک میل دور ہو جاتا ہے"۔

شرح: سورہ رعد میں ارشاد ربانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لئے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو اس کی جان اور اس کے اعمال کی اس وقت تک حفاظت کرتے ہیں جس وقت تک اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دے رکھا ہے۔

اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ جب انسان جھوٹ بولتا ہے تو اس سے ایسی بدبو پیدا ہوتی ہے کہ وہ حفاظتی فرشتہ اس سے ایک میل تک دور بھاگ جاتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فرشتے کو جو بدبو آتی ہے وہ جھوٹ بولنے والے انسان کو کیوں نہیں آتی اس کا ایک آسان جواب تو یہ ہے کہ جو آدمی گندہ ذہنی کا مریض ہو یعنی اس کے منہ سے بو اٹھتی ہو اس کے پاس بیٹھنے والے محسوس کرتے ہیں مگر خود

اسے بدبو نہیں آتی۔ جبھی تو کسی عارف نے کہا ہے۔

آپ اپنے عیب سے واقف نہیں ہوتا کوئی
جیسے بو اپنے دہن کی آتی ہے کم ناک میں

دوسرا جواب یہ ہے کہ آدمی ایک مادی مخلوق ہے اسے مادی مخلوق کا علم ان مادی حواس خمسہ سے حاصل ہوتا ہے اور جھوٹ میں جو بو ہے وہ مادی نہیں روحانی ہے مجرد ہے اور فرشتہ نوری مخلوق ہے جو اس مجرد اور روحانی بو کو محسوس کر لیتا ہے۔ اصل بات جو اس حدیث سے حاصل ہوتی ہے اس کے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ایک آدمی نابینا ہے وہ راستے میں کہیں جا رہا ہے کوئی سوانکھا اسے بتاتا ہے کہ آگے کانٹے ہیں یا گڑھا ہے تو اس کا ردعمل کیا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے ردعمل دو ہو سکتے ہیں اول یہ کہ وہ کہے کچھ نہیں ہے مجھے کانٹے نظر نہیں آتے یا گڑھا دکھائی نہیں دیتا اس لئے میں یہ بات نہیں مانتا لہذا وہ آگے چلتا ہے اور نتیجہ بھگت لیتا ہے۔

دوسرا ردعمل یہ ہو سکتا ہے کہ وہ نابینا سوچتا ہے کہ بتانے والا سوانکھا ہے اس لئے مجھے اعتبار کرنا چاہیے چنانچہ وہ رک جاتا ہے اور بچ جاتا ہے۔ تجربہ یہ ہے کہ لوگ یہ دوسرا ردعمل اختیار کرتے ہیں کسی نابینا نے پہلا ردعمل کبھی اختیار نہیں کیا۔

تو اس حدیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ کوئی احمق یہ نہ سمجھے کہ جب مجھے جھوٹ کی بو نہیں آتی تو میں کیوں مانوں۔ مومن کا ردعمل تو یہ ہونا چاہیے کہ جو بات نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم بتا رہے ہیں وہ اتنی سچی اور یقینی ہے کہ میرے اپنے حواس سے حاصل کیا ہوا علم بھی اتنا حقیقی اور یقینی نہیں ہو سکتا لہذا مومن اس بدبو سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔

مگر کیا کیا جائے بڑے بڑے بزرگ لوگ جھوٹ بولتے ہیں، بے دریغ بولتے ہیں، مسلسل بولتے ہیں اور تھوک بولتے ہیں یعنی بایں بزرگی انہیں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر اعتبار نہیں اللہ تعالیٰ اس پر خود غلط ہونے سے محفوظ رکھے۔

حدیث نمبر ۹۳:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعْضِ جَسَدِيْ فَقَالَ " يَا عَبْدَ اللّٰهِ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ وَعُدْ نَفْسَكَ مَعَ الْمَوْتٰى "

(شعب الایمان البیہقی حدیث نمبر ۱۰۲۴۶ وَفِيْ حَدِيْثِ اَبِيْ مُعَاوِيَةَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ آخِرِهٖ وَعُدْ نَفْسَكَ فِيْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کے کچھ حصہ کو پکڑا

پھر فرمایا: ''اے عبداللہ! تو دنیا میں یوں رہ جیسے تو اجنبی ہے یا راہ چلتا مسافر ہے اور اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کر''۔

شرح: اگر کوئی شخص اپنے وطن کو چھوڑ کر کسی غیر ملک میں چلا جائے تو وہ وہاں اجنبی ہوتا ہے اور اپنے آپ کو اجنبی سمجھتا ہے یہ اجنبی ہونا یا سمجھنا کوئی خیالی بات نہیں ہوتی بلکہ اس کی روز مرہ زندگی پر اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مثلاً دوسرے ملک میں اس کا جانا بلاوجہ اور بے مقصد نہیں ہوتا وہاں اسے کچھ کرنا ہوتا ہے چنانچہ جس کام کے لئے وہاں جاتا ہے وہ کام کرتا ہے مگر اس کا دل وطن ہی کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ وہاں جو کچھ کرتا ہے اس کے متعلق سوچتا ہے کہ اس کا اثر میری اس زندگی پر کیا پڑے گا جو میں نے ہمیشہ اپنے وطن میں گزارنی ہے۔ پھر جب تک وہاں رہتا ہے یہ حقیقت اس کے ذہن میں موجود رہتی ہے کہ یہاں کی رہائش عارضی ہے اس لئے یہاں رہنے کے لئے اتنا ہی اہتمام کرتا ہے جتنا عرصہ یہاں رہنا ہے یہ نہیں کہ وہاں بنگلے بنانے یا جائیداد بنانے میں جان کھپاتا رہے۔

اس حدیث میں اسی نفسیاتی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مومن کا وطن اور اصلی گھر جنت ہے۔ دنیا میں کچھ کمانے کے لئے آیا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ کما کر وطن میں لے جائے اور وہاں اپنے لئے بنگلے بنائے یا باغ خریدے یا جائیداد بنائے۔ یہاں رہ کر کام کرے مگر اس کا دل وطن میں ہی اٹکا رہے گویا اس حدیث میں یہ بتایا کہ دنیا کام لینے کے لئے ہے دل دینے کے لئے نہیں اس لئے تو یہاں بالکل اسی طرح رہنا سیکھ جیسے ایک شخص کسی غیر ملک میں اجنبی بن کر رہتا ہے۔

دوسری بات یہ فرمائی یا اس دنیا میں یوں رہ جیسے کوئی راہ چلتا مسافر۔ اس راہ چلتے مسافر کے رہنے کا بھی خاص انداز ہوتا ہے۔ وہ چل رہا ہوتا ہے دائیں بائیں کئی خوشنما منظر آتے ہیں کئی دلفریب نظارے ہوتے ہیں۔ کہیں کوئی بارونق شہر آجاتا ہے کہیں کوئی کھیل تماشا ہو رہا ہوتا ہے مگر مسافر کہیں نہیں اٹکتا ہاں ایک لمحہ رکا ایک نگاہ ڈالی اور منزل کی طرف چل دیا راستے میں کہیں تھک گیا تو کسی ٹھنڈی چھاؤں میں ذرا ستانے بیٹھ گیا۔ رات آ گئی تو کسی ہوٹل میں گزار دی یہ کبھی نہیں ہوتا کہ مسافر اپنی منزل کو یکسر بھول جائے اور ان مناظر میں بالکل کھو جائے یا اس ہوٹل میں ہی ڈیرے ڈال دے۔ وہ تو بس اپنی منزل پر پہنچنے کی فکر میں گم رہتا ہے۔

تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا میں رہنے کا سلیقہ سکھایا ہے مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''کسانک'' کیوں فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ ''ایسا رہ جیسا کہ۔۔۔۔'' تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے آپ پر وہ کیفیت طاری کرنا مقصود ہے جو ایک اجنبی یا راہ چلتے مسافر کی ہوتی ہے۔ اسی عمل کو تصوف کی اصطلاح میں مراقبہ کہتے ہیں۔ جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ خاص کیفیت اپنے اوپر طاری کرے۔ اہل تصوف تزکیہ کی خاطر کچھ دیر کے لئے یہ مشق مراقبہ کراتے ہیں مگر حدیث کا منشا تو یہ ہے کہ مومن اپنی پوری زندگی اسی مراقبہ میں گزار دے کہ اپنے اوپر یہ کیفیت طاری رکھے کہ میں ایک غیر ملک میں آیا ہوں اجنبی ہوں یا ایک راہ چلتا مسافر ہوں اور دل ہمیشہ وطن میں ہی اٹکا رہے۔

حدیث نمبر ۹۴:

عَنِ النَّوَّاسِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ فَقَالَ "اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاکَ فِیْ صَدْرِکَ وَکَرِھْتَ اَنْ یَّطَّلِعَ عَلَیْہِ النَّاسُ"

(مسلم مشکوٰۃ۔ باب الرفق والحیاء۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت النواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا نیکی اور گناہ کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نیکی عمدہ اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تجھے پسند نہ ہو کہ لوگوں کو اس کا علم ہو جائے گا"۔

شرح: درحقیقت نیک نام ہے اطاعت الٰہی اور اتباع سنت کا اور اس کے لئے علم کی ضرورت ہے کہ اللہ کے احکام کیا ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کیا ہے تو اس مشکل کا حل نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ نیکی نام ہے حسن خلق کا اب صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ حسن خلق کیا ہے۔ اس مرکب کی تفصیل بڑی لمبی ہے کیونکہ وہ پوری زندگی پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حسن خلق نام ہے اپنے خالق کے ساتھ معاملہ کھرا رکھنے، اپنی ذات کے ساتھ معاملہ کھرا رکھنے اور مخلوق کے ساتھ معاملہ کھرا رکھنے کا۔ یہ ایسی نشانی ہے کہ ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ نیکی کیا ہے۔

نیکی کے ساتھ برائی یا گناہ کا ذکر لازماً آتا ہے کیونکہ یہ سارا ہنگامہ نیکی اور بدی کی جنگ ہی کا تو ہے۔ اس لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مشکل بھی حل کر دی ورنہ اس کے لئے علم کی ضرورت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ کی پہچان کے لئے دو علامتیں بنائیں۔ اول یہ کہ گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے۔ یہ دل میں کھٹکنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں پہلی یہ کہ ایک کام کے کرنے کو دل چاہتا ہے پھر دل نہیں بھی چاہتا اور آدمی یہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ کروں یا نہ کروں دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ دل صاف طور پر نہ کرنے کا فیصلہ سنا دیتا ہے۔ بس یہ ہے گناہ دوسری علامت یہ بتائی کہ فرض کیا دل نے ایک کام کے کرنے کا فیصلہ دے دیا خواہ وہ فیصلہ غلط ہو مگر اس فیصلہ کے قبول کرنے یا رد کرنے کی ایک اور پہچان دے دی کہ اگر تجھے یہ محسوس ہو کہ کام تو کروں مگر لوگوں کو معلوم نہ ہو تو بات بنتی ہے۔ ورنہ بات بگڑتی ہے بس یہ احساس اس بات کی علامت ہے کہ وہ گناہ ہے دیکھئے نیکی اور گناہ کے معلوم کرنے کا کتنا آسان طریقہ بنا دیا۔

چند عنایات تیری ہوں تو گنی بھی جائیں

حدیث نمبر۹۵:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "اِنَّ اللّٰهَ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ: اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِی، اَلْیَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ"

(مشکوٰۃ۔ باب الحب فی اللہ ومن اللہ۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے دن اللہ فرمائیں گے کہاں ہیں وہ لوگ جو میرے لئے آپس میں محبت کرتے تھے آج میں انہیں اپنے سایے میں جگہ دوں گا یہ وہ دن ہے کہ میرے سایے کے سوا کوئی سایہ نہیں"۔

شرح: علمائے اخلاق کہتے ہیں کہ محبت کے محرکات تین ہوتے ہیں جمال، نوال اور کمال۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں محرکات میں محبت کرنے والے کی خود غرضی جھلکتی ہے۔ جمال کی وجہ سے کسی سے محبت کی تو اس میں غرض اپنے جمالیاتی ذوق کی تسکین ہے۔ نوال کی وجہ سے محبت کی تو ظاہر ہے کہ اس میں کچھ مال ملنے کی توقع ہوتی ہے اور اگر کمال کی وجہ سے محبت کی تو یہ اعلیٰ اور ارفع معلوم ہوتی ہے مگر اس میں یہ غرض پوشیدہ ہوتی ہے کہ اس کمال سے کچھ فیض مجھے بھی ملے گا۔

محبت کی ایک قسم اور ہے جہاں تک علمائے اخلاق کی نگاہ نہیں پہنچ سکی اور وہ محبت اس وجہ سے کہ یہ میرے محبوب کا چاہنے والا ہے اس کو میرے محبوب سے تعلق ہے لہٰذا اس سے محبت ہوگئی دیکھ لیجئے اس میں خود غرضی کا شائبہ تک نہیں اور یہی اصل محبت ہے۔ اس کا محرک اس محبوب کی ذات ہوتی ہے جو ساری کائنات کا محبوب ہے۔ اس محبت میں باہمی رقابت نہیں ہوتی حسد نہیں ہوتا۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی محبت کی نشاندہی فرمائی مگر اس انداز سے کہ اس محبت کا صلہ فارن ایکسچینج کی صورت میں ملے گا جس کا اعلان خود محبوب کی طرف سے ہے کہ قیامت کے روز وہ محبوب حقیقی اپنے چاہنے والوں کو خود بلائے گا اور وہ انعام دے گا جو اس روز کسی کو کہیں سے نہ مل سکے گا یہ ہے کامل محبت کا کامل صلہ کہ ان لوگوں نے آپس میں جو محبت کی وہ صرف میری محبت کی وجہ سے کی اس لئے میں خود بلا کے اس کا صلہ انہیں دیتا ہوں۔

حدیث نمبر ۹۶:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ تَقُوْلُ فِیْ رَجُلٍ اُحِبُّ قَوْماً وَلَمْ یَلْحَقْ بِھِمْ فَقَالَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ"

(مشکوٰۃ۔ باب الحب فی اللہ ومن اللہ۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس آدمی کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو کسی جماعت سے محبت کرتا ہو مگر ان کے ساتھ مل نہ سکا ہو۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدمی کا شمار انہیں کے ساتھ ہوتا ہے جن کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے"۔

شرح: محبت ایک پاکیزہ جذبہ ہے جس کا مقام قلب ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ محبت دل کی خاصیت ہے۔ وہ دل، دل ہی نہیں بلکہ برف کی قاش ہے یا پتھر کی سل ہے جس میں محبت نہ ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ محبوب مختلف ہوتے ہیں ہر دل کا محبوب اپنا ہی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے مزاج مختلف ہیں پسند و ناپسند کا معیار جدا ہے۔ طبائع میں اختلاف ہوتا ہے۔ اس لئے ہر شخص کا محبوب وہ ہوتا ہے جس سے مزاج ملتا ہو۔ طبائع میں یکسانیت ہو پسند و ناپسند کا معیار ایک جیسا ہو جہاں اس اصول سے بات ہٹی ہوئی نظر آئے وہاں دراصل محبت نہیں ہوتی کوئی چھپی ہوئی ہوس معلوم ہوتی ہے۔

دور کیوں جایئے لوگ بٹیروں سے محبت کرتے ہیں باز اور شکرے بڑی محبت سے پالتے ہیں۔ اگر آپ غور سے ان کی نفسیات کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کے مزاج بالکل ان پرندوں سے ملتے جلتے ہیں۔ آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ کسی دلیر جری اور دبنگ قسم کے آدمی نے کبھی بٹیر پالے ہوں یا کسی مسکین طبع گوشہ نشین قسم کے آدمی نے شکار کے لئے باز یا شکرا پال رکھا ہو۔ جب مزاج کی اس یکسانیت کا تعلق جانوروں سے محبت کرنے تک ہے تو انسانوں سے محبت کے معاملے میں یہ اصول کیوں کارفرما ہو۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ محبت اسی سے ہوگی جس سے مزاج ملتا ہو کسی چور اور ڈاکو کو کسی شیخ القرآن یا شیخ الحدیث سے محبت کیا ہو سکتی ہے۔

اس حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اصول کی تصدیق فرمائی ہے اس حدیث میں غور طلب بات تو سائل کے سوال کی ہے۔ اس نے کیوں پوچھا بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا اثر یہ تھا کہ آپ کی مجلس میں بیٹھنے والا جب کوئی بات پوچھتا تو وہ اتنی اہم۔ ایسی تعمیری اور اتنی دوررس نتائج کی حامل ہوتی کہ کیا کہنا۔ سائل کے اس سوال کی بنیاد یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس کے سامنے ہوگا کہ "لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ

أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ "(صحیح بخاری) یعنی تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک اسے اپنے ماں باپ اپنی اولاد اور سب لوگوں سے بڑھ کر میرے ساتھ محبت ہو۔ اس نے خیال کیا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تو قیامت تک ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد جو لوگ پیدا ہوں۔ گے ایمان لائیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوگی مگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور ملاقات سے تو محروم رہیں گے ان کا شمار کس میں ہوگا یا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت میں سے جس کی بھلائی چاہتا ہے اس کے دل میں میرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت ڈال دیتا ہے۔ صحابہ کا دور تو گزر جائے گا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی یقیناً صحابہ سے محبت کریں گے مگر صحابہ کی مجلس تو نصیب نہ ہوگی۔ محسوس یوں ہوتا ہے کہ سوال کی وجہ کوئی ایسی ہی بات ہوسکتی ہے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب دیا وہ آخرت کے حوالے سے دیا۔ کہ کوئی رشتہ داری اور دوستی کام نہیں آئے گی رشتہ دار اپنے رشتہ داروں سے دور بھاگیں گے اور دوست، دوستوں کے واقف نہیں بنیں گے مگر جنہیں یہاں اللہ و رسول آپ کے صحابہ یا اہل اللہ سے محبت ہوگی وہاں وہ انہیں کی جماعت کا ایک فرد شمار ہوگا۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں یہاں ایسی محبتیں نصیب ہو جائیں۔

حدیث نمبر ۹۷:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ یُّخَالِلُ"

(مشکوٰۃ۔ باب الحب فی اللہ ومن اللہ۔ الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے اس لئے تم میں سے ہر شخص کو چاہئے کہ خوب دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کر کے کسی کو دوست بنائے"۔

شرح: دین کا لفظ عام طور پر مذہب کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اس لفظ کا صحیح مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ وہ طریقہ زندگی۔ جس پر چل کر انسان اس دنیا میں پاکیزہ زندگی گزار سکتا ہے اور آخرت کی ابدی زندگی نہایت سکون اور عیش سے گزارنے کی صورت بن سکتی ہے۔ ویسے یہ لفظ مطلق طرز زندگی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے ہر مفہوم کے اعتبار سے اس کی اہمیت مسلم ہے۔ یعنی اگر صحیح طرز زندگی اختیار کرے گا تو سکون سے رہے گا اور غلط طرز اختیار کر لی تو سکھ نصیب نہیں ہوگا۔

اس حدیث میں دوسرا موضوع دوست اور دوستی ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ وہ مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے۔ اس لئے معاشرے میں انسانوں کے باہمی تعلقات کئی صورتیں اختیار کر لیتے ہیں مگر انسان چاہتا ہے کہ باہمی تعلقات ایسے ہوں کہ

زندگی میں سکون ملے۔اس مقصد کے پورا کرنے کے لئے انسان معاشرے میں اصول انتخاب سے کام لیتا ہے یعنی معاشرے میں سے ایسے افراد تلاش کرتا ہے جو اس کے مزاج کے مطابق ہوں ایسے افراد کو دوست کہتے ہیں اور اس تعلق کو دوستی کہتے ہیں۔اس تعلق کے قائم کرنے میں انسان کے اختیار اور پسند کو دخل ہے مگر رشتہ داری کے تعلق انسان کے اختیاری نہیں ہوتے اس لئے دوستی کا تعلق خونی رشتہ کے تعلق سے بھی زیادہ قوی ہوتا ہے اسی لئے کہتے ہیں کہ کسی نے کسی سے پوچھا کہ بھائی اچھا ہوتا ہے یا دوست تو اس نے جواب دیا کہ بھائی اچھا ہوتا ہے اگر وہ دوست ہو اس تعلق کی قوت کا یہ عالم ہے کہ دوست ہر صورت میں دوست جیسا بننے کی کوشش کرتا ہے اس قوت کے پیش نظر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوست اپنے دوست کی خاطر دین بھی بدل لیتا ہے اور دین دوستی سے زیادہ اہم ہے کہ اس کا تعلق آخرت سے ہے اس لئے کسی کو دوست بناتے وقت خوب چھان بین کیا کرو لیکن ایسا نہ ہو کہ دوستی بنانے کے لئے دین کی دولت بھی لٹا بیٹھو۔

حدیث نمبر ۹۸:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ حُسْنَ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ''

(مشکوٰۃ۔باب ما ینھی عنہ من التھاجر۔الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حسن ظن عبادت کی خوبی کا حصہ ہے''۔

شرح: عبادت نام ہے اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل عقیدت، محبت اور شوق سے کرنے کا۔حکم خواہ کوئی اہم ہو یا بالکل معمولی۔عبادت اس کا نام نہیں کہ جو بات اپنی پسند کی ہو وہ تو شوق سے کرے اور جو پسند کی نہ ہو اسے قابل اعتنا ہی نہ سمجھے۔

حسن ظن یہ ہوتا ہے کہ کسی کو کوئی ایسا کام کرتا دیکھے جو دیکھنے والے کو صحیح نظر نہ آئے تو اس کی نیت پر حملہ کر کے اسے برا آدمی نہ سمجھے بلکہ یہ خیال کرے کہ ممکن ہے میرا فیصلہ غلط ہوگا اس نے کسی بری نیت سے یہ کام نہ کیا ہو اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے متعلق یہی رویہ اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔اس لئے جب ایک مومن نے حسن ظن سے کام لیا تو یہ اس امر کا ثبوت ہوگا کہ اس کے دل میں عبادت کا صحیح جذبہ موجود ہے۔

حدیث نمبر ۹۹:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِیْھِمَا کَثِیْرٌ مِنَ النَّاسِ اَلصِّحَّۃُ وَالْفَرَاغ

(بخاری۔ مشکوٰۃ۔ کتاب الرقاق۔ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو نعمتوں کو اکثر لوگ بے فائدہ ضائع کر دیتے ہیں۔ ایک صحت دوسری فراغت''۔

شرح: نعمت سے مراد کام کی چیز جو بلا استحقاق اور بے مزد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو عطا کی گئی ہو ظاہر ہے کہ انسان کا یہ وجود اس کی ساری صلاحیتیں اور قوتیں بنیادی اور سب سے بڑی نعمتیں ہیں۔

نعمت کی قدر اور بے قدری کیا ہے؟ نعمت کی قدر یہ ہے کہ اللہ کریم نے جو چیز جس مقصد کے لئے عطا کی ہے اسی مقصد کے حصول میں اللہ کریم کی ہدایت کے مطابق لگائی جائے اور بے قدری یہ ہے کہ یا تو اس نعمت سے کوئی کام ہی نہ لیا جائے یا اللہ کریم کی ہدایات سے بے نیاز ہو کر اپنی پسند اور مرضی کے مطابق اس نعمت سے کام لیا جائے۔

جن دو نعمتوں کا ذکر ہے ان میں سے پہلی یعنی صحت کی نعمت کی قدر دانی کیا ہے سب سے پہلے یہ کہ صحت کو غنیمت سمجھا جائے کیونکہ کسی وقت بھی اس کے چلے جانے کا امکان ہے۔ پھر یہ کہ انسان کا جو مقصد تخلیق ہے اس کو پورا کرنے کے لئے اس سے کام لیا جائے۔ انسان کا مقصد تخلیق اول یہ ہے جو اللہ کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ'' (الذریت:۵۶) یعنی انسان وہ ہے جو زندگی بھر اللہ کی بات مانتا رہے اس کے دو حصے ہیں اول یہ کہ حسب ضرورت دین کا علم حاصل کرے، دوم یہ کہ اس علم کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے میں کوشاں رہے۔

انسان کا مقصد تخلیق دوسرے مقام پر جو بیان ہوا وہ یہ ہے کہ انسان اللہ کا نائب ہے اس سلسلے میں صحت اور فرصت کی نعمت کی قدر دانی یہ ہے کہ سب سے پہلے نائب کا منصب پہچانے نائب وہ ہے جو اصل حاکم کے احکام اس کی ریاست میں نافذ کرے اس کی صورت بھی وہی ہے کہ دین سیکھنا اور اس کے مطابق خود زندگی بسر کرنا اور دوسروں کو دین سکھانا اور دیندار بنانا یہ نہ ہوا تو گویا دونوں نعمتوں کی ناقدری کی جس کی سزا بھگتنا پڑے گی۔

حدیث نمبر۱۰۰:

فَقَالَ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ إِذَا أَنَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِي اللّٰهُ وَأَحَبَّنِي النَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيْمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ

(مشکوٰۃ۔کتاب الرقاق۔الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا ایک شخص آیا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسا عمل بتایئے جو میں کروں تو اللہ بھی مجھے پسند کرے اور لوگ بھی۔ فرمایا: ''دنیا کی محبت دل سے نکال دے اللہ تجھ سے محبت کرے گا اور اس چیز کی حرص دل سے نکال دے جو لوگوں کے پاس ہو تو لوگ تجھ سے محبت کریں گے''۔

شرح: قربان جایئے اس سوال پر سائل نے ایک جملے میں سارا دین پوچھ ڈالا اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا گر پوچھ ڈالا اور ہزار بار قربان جایئے اس جواب پر کہ ایک لفظ میں سب کچھ بتا ڈالا۔

زہد کہتے ہیں بے رغبتی کو جہاں رغبت نہ ہو وہاں محبت نہیں ہوتی اور جہاں محبت نہ ہو وہاں نہ لگاؤ ہوتا ہے نہ دلچسپی پوچھنے والے نے ایک چیز کی طلب ظاہر کی ایسا عمل جس کے کرنے سے مجھے اللہ کریم بھی پسند کرے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں۔ جواب دیا زہد اختیار کرو مگر کیسے؟ دنیا کی محبت دل سے نکال دو دنیا کیا ہے؟ غیر اللہ۔ پوری کائنات میں دو ہی تو چیزیں ہیں ایک خالق اور ایک مخلوق یعنی ایک اللہ اور ایک غیر اللہ جب غیر اللہ کی محبت دل سے نکال دی تو دل خالی ہو گیا اور قدرت کا قانون ہے کہ کسی جگہ خلا نہیں رہنے دیتی۔ دل کو کیسے خالی رہنے دیتی اور دل کی خاصیت ہے محبت کرنا اور کائنات میں چیزیں بس دو ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ایک چلی گئی تو صرف دوسری ہی سے خلا پر کیا جا سکتا ہے پس دنیا کی محبت دل سے نکلی یعنی غیر اللہ کی محبت دل سے نکلی تو لازماً وہاں اللہ ہی کی محبت آئے گی۔ تو دل اللہ کی محبت سے بھر گیا تو اس دل سے اللہ کریم کیوں محبت نہ کرے آدھے سوال کا جواب مکمل ہو گیا دوسرا آدھے کا جواب یہ ہوا کہ جو کچھ لوگوں کے پاس ہے مال و دولت، اقتدار و اختیار وغیرہ اس سے بے رغبتی اختیار کر یعنی تیرے دل میں اس بات کی حرص نہ ہو کہ ہائے یہ چیزیں میرے پاس کیوں نہیں یہ حسرت ہو گی تو لوگوں سے نفرت ہو گی جس سے نفرت ہو وہ محبت کیوں کرنے لگا۔ اس لئے کرنے کا کام کیا ہوا؟ جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس کی حرص نہ کر تو پھر کیا کر؟ پھر یہ کر کہ اللہ کریم کی تقسیم پر راضی اور مطمئن ہو جا کہ جو کچھ اس نے مجھے دیا ہے میرے لئے یہی مناسب اور کافی تھا۔ اسی کا نام قناعت ہے۔

یہاں پر وہی اصول آیا کہ دل سے جب حرص نکل گئی تو دل اس چیز کی محبت سے خالی ہو گیا جس کی حرص تھی اب اس

خلا کو پورا کیا قناعت نے یعنی اس چیز کی محبت نے کہ اللہ کی تقسیم نہایت پیاری تقسیم ہے۔ اللہ کی تقسیم سے محبت ہوئی تو اللہ کے بندوں سے نفرت جاتی رہی۔ نفرت گئی تو محبت آ گئی۔ جب تو لوگوں سے محبت کرنے لگا تو لوگ تجھ سے محبت کیوں نہ کریں گے۔ محبت میں یک طرفہ ٹریفک تو چلتی نہیں یہاں تو دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔

تو معلوم ہوا کہ ایک طرف زہد اختیار کرنے سے حقوق اللہ کا شعبہ درست ہو گیا اور دوسری طرف زہد اختیار کرنے سے حقوق العباد کی تکمیل ہو گئی اور یہی تو سارا دین ہے اور جب دین ہاتھ آ گیا تو دنیا بھی سنور گئی اور آخرت بھی بن گئی اور یہی مطلوب ہے۔

حدیث نمبر ۱۰:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "اَکْثِرُوْا ذِکْرَھَا ذِمِ اللَّذَّاتِ یَعْنِیُ اَلْمَوْتَ"

(مشکوٰۃ۔ باب البکاء والخوف۔ الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لذت پرستی سے دور رکھنے والی یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو"۔

شرح: لذت پرستی زندگی گزارنے کی ایک ایسی صورت ہے جو انسان کو انسانیت کے درجے سے گرا کر حیوانیت کی سطح پر لے آتی ہے یہ روش اختیار کرنے سے انسان کی سوچ اور اس کے کردار پر حیوانیت کا غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ شرف انسانیت سے محروم ہوتا چلا جاتا ہے۔ حصول لذت کے بغیر اس کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں رہتا عاقبت اندیشی اور انجام کی فکر کے الفاظ ہی اس کی لغت سے خارج ہو جاتے ہیں۔

اس کے برعکس مومن کی زندگی کا مقصد ہی آخرت کی کامیابی حاصل کرنا ہے جس کا ذریعہ اس چند روزہ زندگی کو خدا پرستی کی زندگی بنانا ہوتا ہے۔ جب یہ مقصد آنکھوں سے اوجھل اور ذہن سے خارج ہوا ایمان کی خیر نہیں۔

اس مرض کا علاج نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ موت کو کثرت سے یاد کیا کرو اس کا اثر کیا ہوگا؟ اس کا کوئی ایک اثر نہیں بلکہ اس کے کئی اثرات ہیں مثلاً:

۱۔ موت کی یاد سے یہ بات ذہن میں آئے گی کہ مجھے یہاں سے جانا ہے ہمیشہ یہاں نہیں رہنا ہے۔

۲۔ جہاں جانا ہے وہاں سے اور کہیں نہیں جانا ہے بلکہ ہمیشہ وہاں رہنا ہے۔

۳۔ یہاں کی لذت اور عیش عارضی ہے اور وہاں کی لذت دائمی ہے۔

۴۔ یہاں کی تکلیف اور دکھ بھی عارضی ہے اور وہاں کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔

۵۔ یہاں فانی لذتوں پر مرنے سے وہاں کا کام بگڑتا چلا جائے گا اس طرح موت کو یاد کرنے سے لذت پرستی کی جگہ خدا پرستی آجاتی ہے اور آخرت سنوارنے کی فکر بڑھتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۲:

عَنْ اَبِیْ ذَرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُ مَا کُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ"

(مشکوٰۃ۔ باب الرفق والحیا وحسن الخلق۔ الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو جہاں کہیں بھی ہو اللہ کا خوف دل میں رکھو اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہ۔ برائی ہو جائے تو فوراً کوئی نیکی کر۔ وہ اس برائی کا اثر مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آ"۔

شرح: اس حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کا اہتمام کرنے کی تاکید فرمائی یعنی پورے دین پر چلنے کا سلیقہ سکھا دیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ تو جہاں کہیں ہو تقویٰ کو ہاتھ سے نہ جانے دے تقویٰ قلب کا ایک وصف ہے جس کا کام یہ ہے کہ انسان کو اللہ کی نافرمانی کی طرف نہ جانے دے "جہاں کہیں ہو" نے اس میں ایک خاص کیفیت پیدا کر دی کہ آدمی کی کمزوری یہ ہے کہ جب اسے یقین ہو کہ میرے اس فعل کو کوئی نہیں جانتا وہاں وہ بڑے سے بڑا گناہ بھی کر بیٹھتا ہے اس چھوٹے سے ٹکڑے میں یہ بتا دیا کہ تم جہاں کہیں ہو گے اللہ وہاں موجود ہوگا اس لئے اس سے چھپ کر اس کی نافرمانی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ اگر نافرمانی ہو جائے تو اس کی تلافی یوں کر کہ کوئی نیک کام فوراً کر لے جو اس برائی کے اثر کو مٹا دے گا یہاں اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ برائی کی دو صورتیں ہیں اول حقوق اللہ کی ادائیگی میں کمی یا غفلت۔ اس کی تلافی کی صورت تو ظاہر ہے کہ آدمی فوراً توبہ کرے نوافل پڑھ لے اس کا ذکر کر لے دوسری برائی انسانوں کے حقوق کا غصب اس کے بعد خواہ ہزار نفل پڑھے کثرت سے ذکر کرتا رہے اس برائی کا اثر اس وقت تک محو نہیں ہوگا جب تک صاحب حق کو اس کا حق ادا نہ کر دے یا اس سے معاف نہ کرا دے آدمی کہیں اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے کہ لوگوں کے حقوق بے شک غصب کرتے رہو بس نفل پڑھ کر ذکر کر لو۔ کام بن جائے گا۔

۳۔ لوگوں کے ساتھ حسن خلق سے پیش آؤ یہ ہے حقوق العباد کی ادائیگی کا شعبہ اور حسن خلق یہ ہے لوگوں کے ساتھ

معاملہ کھرا رکھو یہ حسن خلق نہیں کہ خوشامد بھی کرلو تعریف بھی کرو تعظیم بھی کرو مگر چوہوں کی طرح چھپ چھپ کے دوسروں کے حقوق بھی غصب کرتے رہو۔

حدیث نمبر۱۰۳:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنُكُمْ اَخْلَاقًا"

(مشکوٰۃ۔باب الرفق والحیآء حسن الخلق۔الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں اچھے لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں"۔

شرح: اچھا اور برا دونوں کلی مشکک ہیں صرف یہ نہیں کہ ان کے مدارج میں فرق ہوسکتا ہے یعنی کوئی اچھا ہے تو کوئی بہت اچھا ہے کوئی برا ہے تو کوئی بہت ہی برا بلکہ ان میں یہاں تک اختلاف ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کسی کام کو اچھا سمجھتا ہے دوسرے اسی کام کو برا سمجھتے ہیں ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کو برا سمجھتا ہے کئی ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس کو نہایت اچھا سمجھتے ہیں اس لئے یہاں یہ مشکل آن پڑی ہے کہ پھر کون فیصلہ کرے کہ حتمی طور پر اچھا کون ہے اور برا کیا ہے۔ یہ فیصلہ کرنا انسانوں کے بس کی بات نہیں کیونکہ طبیعت، مزاج اور پسند و ناپسند کے معیار میں اختلاف سے نہ انکار کیا جاسکتا ہے نہ اسے دور کیا جاسکتا ہے اس لئے اس کا فیصلہ وہی کرسکتا ہے جو اچھے اور برے دونوں قسم کے انسانوں کا خالق ہے۔ اور وہ اپنا فیصلہ اپنے کسی ایسے نمائندے کے ذریعے ہی سنا سکتا ہے جو اپنی مرضی سے بات ہی نہ کرے بلکہ خالق جو کچھ اس سے کہلائے صرف وہی کہے۔

اس حدیث میں یہی عقدہ حل کیا گیا ہے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا فیصلہ سنا دیا کہ تم میں اتنی اہلیت ہی نہیں ہے کہ حتمی طور پر کسی کے متعلق اچھا یا برا ہونے کا فیصلہ دے سکو۔ اس لئے مجھ سے سنو میں تمہیں خالق کا فیصلہ اور معیار بتا دیتا ہوں۔

آدمی کے اچھا یا برا ہونے کا معیار نہ نسب ہے نہ وطن ہے، نہ مال ہے، نہ اقتدار ہے، نہ اثر و رسوخ ہے، نہ شہرت ہے بلکہ معیار ہے اخلاق۔ جس کے اخلاق اچھے وہ اچھا اور اخلاق جتنے اچھے اتنا اچھا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اخلاق کیا اور کیسے ہوتے ہیں اخلاق سے مراد آدمی کا برتاؤ ہے اپنے خالق سے، اپنی ذات سے اور اس کی مخلوق سے یہ برتاؤ کیسا ہو؟ نہ کسی سے زیادتی ہو نہ ظلم ہو نہ کسی کو ایذا پہنچائی جائے نہ کسی کا حق مارا جائے بلکہ برتاؤ ہو تعاون کا ایثار کا، ہمدردی کا اطاعت کا، اخوت کا ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ خالق کے ساتھ، اپنی ذات کے ساتھ اور مخلوق کے ساتھ معاملہ بالکل کھرا ہو یہ ہے اخلاق حسنہ اور یہی خدائی معیار ہے آدمی کے اچھا ہونے کے باقی سب معیار ناقص، غلط اور ناقابل التفات ہیں۔

حدیث نمبر ۱۰۴:

عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ "اِنَّ اَثْقَلَ شَیْءٍ یُوْضَعُ فِیْ مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ خُلُقٌ حَسَنٌ"

(مشکوٰۃ۔ باب الرفق والحیاء۔ الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے دن سب سے وزنی چیز جو مومن کے میزان میں رکھی جائے گی وہ اخلاق حسنہ ہوں گے"۔

شرح: وزن نام ہے زمین کی کشش کا۔ ہر کشش کی قوت یا یوں کہئے کہ وزن معلوم کرنے کے لئے باٹ استعمال ہوتے ہیں اور مختلف محل یا مختلف اشیاء کا وزن معلوم کرنے کے لئے باٹ بھی مختلف ہوتے ہیں اور ترازو بھی ضروری نہیں کہ ہر چیز ہر ترازو پر اور ایک ہی قسم کے باٹوں سے تولی جاسکے۔ مثلاً ایندھن کی لکڑی کا وزن کرنے کے لئے ایک خاص قسم کا ترازو اور بڑے بڑے باٹ ہوتے ہیں آدمی چاہے کہ وہ اس ترازو اور ان باٹوں سے اپنی سونے کی انگوٹھی کا وزن معلوم کرلے یہ ممکن نہیں اسی طرح اس کے برعکس معاملہ ہے اور کسی چیز کی قدر و قیمت کا تعین صرف اس کے وزن ہی سے نہیں کیا جاتا یہ اصول مادیات میں کارفرما ہوتا ہے۔

مجردات میں بھی وزن کا تصور موجود ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ یہ دلیل بڑی وزنی ہے کوئی پوچھے یہ وزن کیسے معلوم کیا گیا تو اس کا جواب یہی ہوسکتا ہے کہ اس دلیل کو قلب و دماغ بڑی آسانی سے قبول کرتا اور پسند کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ مجردات کا وزن معلوم کرنے کے لئے میزان بھی ہے اور باٹ بھی ہیں مگر وہ مادیات سے بالکل مختلف ہیں۔

قیامت کے دن اعمال کا جو وزن ہوگا وہ مادیات کی قسم کا نہیں ہوگا کیونکہ اول تو اعمال مادیات کے ادارے سے خارج ہیں پھر وہاں زمین اور اس کی کشش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا وہ مجردات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے لئے اصول یہ ہے کہ کسی عمل میں وزن کا مطلب اللہ کریم کے ہاں اس کی مقبولیت کی کشش ہے اگر وہ عمل اللہ کریم کے ہاں قبولیت پا گیا تو اس میں وزن پیدا ہوگیا۔ اب اس عمل کی قدر و قیمت متعین ہوگی اللہ کریم کی پسند سے۔ یعنی جو عمل اللہ کریم کے ہاں جتنا زیادہ پسندیدہ ہے اتنا زیادہ اس کا وزن ہے اور اتنی زیادہ اس کی قیمت بھی ہے۔

اس حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اصول کی نشاندہی فرمائی ہے اور اس کے کئی پہلو سامنے آگئے ہیں مثلاً:

۱۔ قیامت کے دن وزن اس عمل کا ہوگا کہ اس شخص کے معاملات اپنے خالق سے کیسے تھے اپنی ذات سے کیسے تھے اور مخلوق سے کیسے تھے۔

۲۔ اس کا وزن نہیں ہوگا کہ اس کا جسم کتنا موٹا تھا یہ مالدار کتنا تھا یا یہ کس خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ ملک ان چیزوں کی منڈی ہی نہیں۔

۳۔ جب اعمال اور معاملات کا وزن ہوگا تو ظاہر ہے کہ ہر عمل کا وزن برابر تو نہیں ہوسکتا تو یہ حقیقت اس حدیث میں بیان فرمائی گئی عمل میں وزن تو قبولیت سے پیدا ہوگا اور اس کا درجہ اللہ کریم کی پسند کے مطابق ہوگا اور اللہ کریم کو سب سے زیادہ پسند خلق حسن ہے اس کے لئے سب سے زیادہ وزن اسی کا ہوگا۔

حدیث نمبر ۱۰۵:

عَنْ عَائِشَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يَقُوْلُ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَاتِ قَائِمِ اللَّيْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ"

(رواہ ابوداود۔ مشکوٰۃ۔ باب الرفق والحیاء۔ الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: ''مومن اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے قائم اللیل اور صائم النہار کا درجہ پالے گا''۔

شرح: قائم اللیل اس شخص کو کہتے ہیں جو ساری ساری رات اللہ کریم کی عبادت میں گزار دے اور صائم النہار اسے کہتے ہیں جو ہمیشہ دن کو روزہ رکھے۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں کام بڑی محنت اور مشقت کے ہیں اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آدمی کا اپنے رب سے کتنا گہرا تعلق ہے اور وہ تعلق بھی محبت کا ہے پھر اس مشقت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص حقوق اللہ کی ادائیگی کے بارے میں کیسا بلند درجے کا معیاری انسان ہے۔

مگر ان دونوں مشقتوں میں دین کے دوسرے نصف حصے کا کوئی ذکر نہیں اور وہ اتنا اہم ہے کہ اگر اس میں کمی رہ جائے تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مفلس قرار دیا ہے جو ایک طویل حدیث میں بیان ہوا ہے۔

اس حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ اچھے اخلاق کی وجہ سے آدمی وہی درجہ پالیتا ہے جو رات دن کے عبادت گزار کا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اچھے اخلاق اور اس مشقت میں قدر مشترک کیا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ عبادت نام ہے اللہ کی بات ماننے کا محبت اور شوق سے اور اچھے اخلاق نام ہے اپنے خالق کی مخلوق اور اپنی ذات کے ساتھ معاملہ کھرا رکھنے کا اور یہ اس لئے کہ اللہ نے حکم دیا ہے اور ایسا کرنا اللہ کی اطاعت ہی ہوئی اور وہ بھی شوق اور محبت سے تو معلوم ہوا کہ دونوں کی بنیاد، جڑ اور روح ایک ہی ہے اور جب جڑ ایک ہے تو پھل بھی ایک ہونا چاہیے تو حاصل یہ ہوا کہ اچھے اخلاق کی بنیاد

اگر اللہ کی اطاعت کا جذبہ اور اللہ کی محبت ہو تو وہ کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ اسی درجہ کی عبادت ہے جو درجہ ایک قائم اللیل اور صائم النہار کو حاصل ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۶:

عَنْ مَالِکٍ بَلَغَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ"

(موطا امام مالک۔ مشکوٰۃ۔ باب الرفق والحیاء وحسن الخلق۔ الفصل الثالث)

ترجمہ: حضرت امام مالک رحمتہ اللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ انہیں یہ بات پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں"۔

شرح: حسن وقبح، اچھائی اور برائی کلی مشکک ہیں۔ یعنی ایک تو ان کے مدارج مختلف ہیں دوسری عجیب بات یہ ہے کہ ایک چیز ایک فرد یا جماعت کے ہاں اچھائی شمار ہوتی ہے اور وہی چیز دوسرے فرد یا جماعت کے ہاں برائی شمار ہوتی ہے ایسی باتیں انگلیوں پر گنی جاسکتی ہیں جن کے اچھا یا برا ہونے میں پوری انسانیت متفق ہو۔

اب مشکل یہ ہے کہ یہ فیصلہ کیسے ہو کہ درحقیقت اچھائی کونسی ہے اور کونسی اچھائی کس درجے کی ہے یہ فیصلہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں یہ کام صرف خالق انسان کا ہے۔ اس نے پہلے انسان کو یہ ضمانت دی تھی کہ اس سلسلے میں رہنمائی کرنا ہم اپنے ذمے لیتے ہیں تمہیں اپنی اولاد کو یہ تاکید کرنی ہے کہ ہماری رہنمائی کے مطابق چیزوں کی اچھائی برائی تسلیم کرنا اور ہر اچھائی کو قبول کرنا اور ہر برائی سے اجتناب کرنا تمہارا کام ہے چنانچہ اللہ کریم نے ابتدائے آفرینش سے ہی یہ سلسلہ شروع کر دیا حتیٰ کہ اپنا آخری نمائندہ اور آخری معلم انسانیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقرر فرمایا۔

آپ کی تشریف آوری کا مقصد تو ظاہر ہے کہ انسان کو اللہ کا بندہ اور اللہ کی مخلوق کا خیر خواہ بن کر زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ سکھائیں اور اس ڈھنگ کی زندگی کے دو ہی تو پہلو ہیں کہ خالق سے معاملہ کیا ہو اور مخلوق سے کیسا ہو۔ یہی سارا دین ہے اور اس سلسلے میں عملاً سلیقے کا نام حسن اخلاق ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت واضح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں تو صرف اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تمہیں صرف اچھا اور کھرا معاملہ کرنے کا طریقہ ہی نہ بتاؤں بلکہ کھرا معاملہ کر کے دکھاؤں اور کھرا بھی اس درجے کا کہ اس سے اوپر اور کوئی درجہ نہ ہو۔ اس لئے تمہارا کام یہ ہے کہ اگر تمہیں میرا امتی اور اللہ کا بندہ بن کر رہنا ہے تو وہ اخلاق حمیدہ اپناؤ جو میں تمہیں سکھا کے جا رہا ہوں اور جس کے عملی نمونے اپنے شاگرد چھوڑ کر جا رہا ہوں۔

حدیث نمبر ۱۰۷:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقًا"

(بخاری مجلد اول۔ صفحہ ۵۳۱ کتاب المناقب)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں"۔

شرح: حدیث نمبر ۱۰۶ میں اس امر کی تفصیل گزر چکی ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ وزنی چیز جو مومن کے نامہ اعمال کا وزن کرتے ہوئے میزان کے پلڑے میں رکھی جائے گی وہ حسن خلق ہے۔

اس حدیث میں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اعمال میں وزن نام ہے اللہ کی پسند کا یعنی جو عمل اللہ کریم کو جتنا زیادہ پسند ہے میزان میں اس کا وزن سب سے زیادہ ہے۔ تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت سنادی کہ اللہ کریم کو سب سے زیادہ پسند جو عمل ہے وہ حسن اخلاق ہے "احب" تفضیل کا صیغہ ہے جو کسی وصف کے انتہائی بلند درجے کو بیان کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور جس سے اوپر اور کوئی درجہ نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ اطاعت الٰہی کے سلسلے میں جتنے بیشمار پسندیدہ اعمال ہیں ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل حسن اخلاق ہے۔ تو اس خبر دینے کا مقصد کیا ہوا؟ یہی کہ مومن کو اچھے اور پسندیدہ اعمال کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے مگر سب سے زیادہ حسن اخلاق کی طرف توجہ دینی چاہیے اس کی بھی دو صورتیں ہیں ایک حسن اخلاق کا علم دوسرا عملاً حسن اخلاق کا حامل ہونا اور یہی دوسری صورت مطلوب ہے۔

مدحت گفتار کو سمجھو نہ اخلاقی سند
خوب کہنا اور ہے اور خوب ہونا اور ہے

حدیث نمبر ۱۰۸:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: "اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَیْکَ"

(سورۃ ھود۔ کتاب التفسیر صفحہ ۶۷۷۔ باب قولہ وکان عرشہ علی الماء)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کریم فرماتا ہے تو خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا"۔

شرح: خرچ کرنے کا مفہوم عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مال کا ایک آدمی کی جیب سے نکل کر دوسری جگہ چلا جانا مگر درحقیقت خرچ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ مال کا ایک آدمی کی جیب سے نکل کر وہ صورت اختیار کرنا جس میں کسی کا بھلا ہو، ایک آدمی اگر کچھ رقم جیب سے نکال کر دریا میں پھینک دے تو اسے خرچ کرنا نہیں کہتے۔ ہاں اسے ضائع کرنا یا ڈبو دینا کہہ سکتے ہیں اور اسلام کی نگاہ میں خرچ کرنے کا مطلب ہے کہ اپنے پاس جو کچھ ہے یعنی مال، قوت، وقت، فرصت وغیرہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں اس طور سے لگا دینا جس سے دوسروں کا بھلا ہو اس کا اصطلاحی نام انفاق ہے۔ اور یہ صرف مال تک محدود نہیں۔

اس حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کریم کا حکم بتا رہے ہیں کہ اللہ کے بندے اللہ کے حکم کی تعمیل میں اللہ کی دی ہوئی ہر نعمت کو اللہ کی مخلوق کی بھلائی کے لئے لگا دیں اس کا صلہ یہ ملے گا کہ تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ یہ خرچ کرنے والا تجھ پر کون ہوگا اور کیا خرچ کرے گا اور کیسے خرچ کرے گا ظاہر ہے کہ جو خرچ کرنے کا حکم دے رہا ہے وہی تجھ پر خرچ کرے گا اس خرچ کرنے کا مفہوم ہے کہ تجھے عطا کرے گا وہ عطا اسی صورت میں ہوگی جس صورت میں تو خرچ کرے گا یعنی مال خرچ کرے گا تو وہ تجھے اور مال عطا کرے گا اپنی ذہنی یا جسمانی قوت خرچ کرے گا تو وہی چیز تجھے عطا کرے گا اپنا علم، اپنا وقت اس کے لئے لگائے گا تو اور علم اور فراغت نصیب کرے گا۔

پھر اس عطا کی بھی دو صورتیں ہیں مثلاً مال خرچ کیا اور اللہ کریم نے اور مال عطا کیا ایک صورت یہ ہے اور دوسری صورت یہ کہ جو مال پاس رہ گیا ہے اس میں برکت دے دی۔

یہ برکت کیا چیز ہے برکت اسے کہتے ہیں کہ پاس خواہ کتنا ہو تھوڑا یا بہت مگر کوئی ضرورت رکنے نہ پائے اور یہی سب سے بڑی دولت ہے یہ نہیں کہ بنک بیلنس تو بہت ہو مگر یہی شکایت لب پر ہو کہ ہائے یہ ضرورت بھی پوری نہیں ہوئی وہ کام ادھورا رہ گیا اس کام میں روڑا اٹک گیا ہے یہ تو افلاس کی صورت ہے اس کے مقابلے میں اگر کوئی خاص بنک بیلنس نہیں مگر روزمرہ کی کوئی ضرورت ایسی نہیں جو پوری نہ ہو کوئی کام ایسا نہیں جو کسی مقام پر آ کر رک جائے یا اٹک جائے اس کو کہتے ہیں برکت اور اسی کا نام ہے غناء اور یہی سب سے بڑی دولتمندی ہے تو اس کو حاصل کرنے کا ڈھنگ بتا دیا کہ جو نعمت اللہ کریم نے تمہیں دے رکھی ہے اسے بس اسی کی ہدایت اور اسی کی رضا کی خاطر مخلوق کی بہتری کے لئے لگا دے اس کے بدلے وہ عظیم دولت عیش مل جائے گی۔

☆ ☆ ☆

فقہ کی بنیاد

سبق نمبر 1

فقہ کی بنیاد

اسلامی قانون اور شریعت کے بنیادی ماخذ دو ہیں۔ اول کتاب اللہ یعنی قرآن حکیم، دوم قرآن حکیم کی وہ تعبیر جو معلم قرآن یعنی اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وفعل سے پیش کی جس کا نام سنت ہے۔ حالات کے بدلنے سے ہر دور میں مختلف نئے مسائل ابھرتے رہے۔ ان کے حل کے لئے قرآن وسنت کے احکام سے مسائل استنباط کرنا ہر دور کی بنیادی ضرورت رہی۔ استنباط مسائل کے لئے دو صورتیں اختیار کی گئیں جن کے اصطلاحی نام اجماع اور قیاس ہیں۔ ان چاروں ذرائع سے مسائل استنباط کرنے کے فن کا نام فقہ اسلامی قرار پایا اور علماء اسلام نے انفرادی اور اجتماعی طور پر مسائل کا استنباط کر کے مختلف کتب کی تدوین کی۔ ان میں سے چار فقہی مکاتب فکر عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں اختیار کیے جاتے رہے۔ ان کی کوششوں کا ماحصل اجمالی طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔

اصطلاح شرع میں فقہ کا مفہوم شرعی احکام کا علم ہے۔ جو قرآن وسنت سے اخذ کیے گئے ہوں اور قرآن وسنت کی روشنی میں مسائل کا استنباط کیا گیا ہو۔

فقہ کا موضوع: قرآن وسنت کی روشنی میں اسلامی قانون سازی۔

فقہ کا دائرہ کار: انسان کے مالہ وماعلیہ یعنی حقوق وفرائض انسانی۔

حقوق میں حقوق اللہ اور حقوق العباد پر بحث۔

حقوق اللہ: عبادات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ۔

حقوق العباد: (۱) مناکحات اس میں نکاح، طلاق، عدت، نسب، نان ونفقہ، پرورش اولاد، حق ولدیت، وصیت، وراثت وغیرہ۔

(۲) تعزیرات: قتل، چوری، زنا، شراب، جوا، قذف، قصاص، دیت، قید وغیرہ۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ اول حدود، دوم تعزیر۔

(۳) معاملات: خرید وفروخت، ہبہ، امانت، ضمانت، شرکت، مصالحت، ناجائز قبضہ، دھوکا، اتلاف مال۔

فقہ کی ضرورت: انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں روزمرہ بیشمار مسائل ابھرتے یا پیش آتے ہیں۔ ان کا حل معلوم کیے بغیر خوشگوار زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ فقہ اس فطری ضرورت کو پورا کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔

سبق نمبر 2

فقہ کے مختلف دور

فقہ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں معاشرے میں جو مسائل پیش آتے تھے ان کا حل وحی کے ذریعے قرآن کریم کی صورت میں اور اجتہاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل سے ملتا تھا۔

عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے۔ اس لئے ہر صحابی سے زندگی کے مسائل میں رہنمائی مل سکتی تھی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود تھا کہ:

''اَصْحَابِی کَالنُّجُومِ فَبِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمُ اهْتَدَیْتُمْ '' (مشکوٰۃ شریف) یعنی میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کا دامن تھام لو گے تمہیں ہدایت کے رستے پر لگا دے گا۔ مگر ہر شخص کی فطری استعداد اور فطری میلان مختلف ہوتا ہے۔ اس لئے فقہ میں چند صحابہ امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ ان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں خلفائے راشدین اور عبادلہ یعنی عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

دور تابعین:

اسلامی سلطنت میں وسعت ہوئی تو صحابہ مختلف اسلامی علاقوں میں پھیل گئے۔ ان میں فقہائے صحابہ بھی تھے۔ جو جہاں گیا اس کی ذات مسلمانوں کے لئے مرکز توجہ بن گئی اور فقہی مسائل کا حل انہی سے معلوم کیا جانے لگا۔

مکہ میں عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس

مدینہ میں عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر

کوفہ میں عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود اور

مصر میں عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو بن عاص فقہ اسلامی کی مجسم درسگاہ بن گئے۔

بنو عباس رضی اللہ عنہ کے عہد میں علم و حکمت کا چرچا ہونے لگا۔ یونانی فلسفہ سے لوگ آشنا ہوئے۔ نئے نئے مسائل اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس لئے فقہ کی تدوین کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ سب سے پہلے یہ کام امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے شروع کیا۔ رفتہ رفتہ اس میں پھیلاؤ ہونے لگا۔ محقق علماء نے اپنے اپنے دائرہ میں تحقیق کا کام جاری رکھا۔ مگر ان میں سے

صرف چار فقہا کی تحقیق Establish ہوگئی۔

(۱) امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ۸۰۔۱۵۰ھ۔ فقہ حنفی

(۲) امام مالک رحمۃ اللہ ۹۵۔۱۷۹ھ۔ فقہ مالکی

(۳) امام شافعی رحمۃ اللہ ۱۵۰۔۲۰۴ھ۔ فقہ شافعی

(۴) امام احمد بن حنبل ۱۶۴۔۲۶۱ھ۔ فقہ حنبلی

سبق نمبر 3

فقہ حنفی

فقہ حنفی کسی فرد واحد کی تحقیق کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ مسائل کا استنباط ماہرین کی ایک جماعت کے افراد کے کامل غور وخوض اور بحث وتمحیص کے بعد ہوتا تھا۔ یہ جماعت ۴۰ افراد پر مشتمل تھی۔ اور یہ کام ۳۰ برس کی مدت میں انجام کو پہنچا۔ اس جماعت کے چند افراد کے نام یہ ہیں:

۱۔	ابو یوسف	ماہر حدیث وادب عربی
۲۔	محمد شیبانی	فقہ، اعراب اور بیان
۳۔	زفر	قیاس
۴۔	حسن بن زیاد	سوال اور تفریع
۵۔	عبداللہ بن مبارک	اصابت رائے
۶۔	وکیع بن الجراح	تفسیر اور زہد
۷۔	حفص بن غیاث	قضا
۸۔	یحییٰ بن زکریا	جمع حدیث وضبط فروع
۹۔	اسد بن عمر	قضا
۱۰۔	نوح بن ابی مریم	جامع

تدوین کا کام امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد تھا۔ جن مسائل میں اختلاف ہوتا تھا۔ اس اختلاف کو ذکر بھی کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ فقہ حنفی کے مسائل میں تین اصطلاحیں جا بہ جا ملتی ہیں۔

۱۔ شیخین۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ

۲۔ صاحبین۔ ابو یوسف رحمۃ اللہ اور محمد شیبانی رحمۃ اللہ

۳۔ طرفین۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ اور محمد شیبانی رحمۃ اللہ

تدوین فقہ کے بعد متقدمین حنفیہ فقہ کی ترویج کے لئے تمام ممالک میں پھیل گئے۔ مثلاً عراق، بلخ، خراسان، سمرقند، بخارا، رے، شیراز، طوس، زنجان، ہمدان، بسطام، مرغینان، فرغان اور ہندوستان وغیرہ۔

(۱) متقدمین فقہائے حنفیہ:

۱۔ ابو بکر احمد الخصاف ۲۶۱ھ

۲۔ ابو جعفر احمد الطحاوی مصری ۳۲۱ھ

۳۔ ابو الحسن الکرخی

۴۔ شمس الائمہ عبد العزیز الحلوائی ۴۴۸ھ

۵۔ شمس الائمہ محمد السرخسی ۴۹۰ھ

۶۔ فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی ۴۸۴ھ

۷۔ فخر الدین حسن المعروف قاضیخان

۸۔ برہان الدین محمود

۹۔ شیخ طاہر بن احمد

(۲) مقلدین میں سے اصحاب الترجیح: بعض روایات پر دوسری روایات کی تفضیل بیان کرنا۔

۱۔ ابو الحسن احمد القدوری

۲۔ برہان الدین علی مرغینانی ۵۹۳ھ

(۳) مقلدین قوی اور ضعیف میں تمیز بیان کرنا

۱۔ شمس الائمہ محمد الکردری

۲۔ جمال الدین الحصیری

۳۔ نسفی

سبق نمبر 4

فقہ حنفی کی تدوین کا اصول اور طبقات

(۱) امام محمد شیبانی نے جن کتابوں کی تدوین کی ہے ان کو کتب ظاہر الروایہ یا کتب مسائل الاصول کہتے ہیں۔ یہ چھ ہیں۔

۱۔ الجامع الکبیر

۲۔ الجامع الصغیر

۳۔ السیر الکبیر

۴۔ السیر الصغیر

۵۔ المبسوط

۶۔ زیادات

مبسوط کا مشہور نسخہ ابوسلیمان الجوزجانی کا ہے۔

ایک نسخہ ابوبکر المعروف خواہرزادہ کا ہے۔ اس کو مبسوط الکبریٰ کہتے ہیں۔

ایک نسخہ شمس الائمہ السرخسی کا ہے۔

ایک نسخہ شمس الائمہ حلوائی کا ہے جو سرخسی کے استاد تھے۔

(۲) مسائل النمذہب:

یہ مسائل غیر ظاہر الروایہ کہلاتے ہیں۔ انمیں الامالی امام محمد الآثار وغیرہ شامل ہیں۔

(۳) فتاویٰ:

اس میں پہلی کتاب علم النوازل، ابواللیث سمرقندی کی ہے۔ اس میں تمام متقدمین ومتاخرین کے فتاویٰ شامل ہیں۔

ثقہ ہونے کے اعتبار سے فقہ حنفی کی کتابوں کی ترتیب یہ ہے۔

۱۔ متون ۲۔ شروح ۳۔ فتاویٰ

متاخرین کے نزدیک قابل اعتماد کتب متون یہ ہیں۔

۱۔ وقایہ۔ برہان الشریعۃ

۲۔ کنز الدقائق۔ حافظ الدین نسفی ۷۱۰ھ

۳۔ المختصر القدوری۔ احمد بن محمد ۴۲۸ھ

ان کو متون الثلاثہ کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ

۴۔ المختار۔ ابوالفضل الموصلی ۶۸۳ھ

۵۔ مجمع البحرین احمد بن علی البغدادی ۶۹۴ھ

وقایہ کی شرح قہستانی کی اور الکارم کی قابل اعتبار نہیں ہیں۔

قدوری کی شرح السراج الوہاج، ابوبکر بن علی الحدادی کی غیر معتبر ہے۔

سبق نمبر 5

فقہ حنفی کی مشہور اور متداول کتب

۱۔	بحر الرائق	زین العابدین المعروف ابن نجیم مصری ۹۷۰ھ
۲۔	شرح منیۃ المصلی	ابراہیم الحلبی ۹۵۶ھ
۳۔	ہدایہ	برہان الدین علی المرغینانی ۵۹۳ھ
۴۔	نہایہ شرح ہدایہ	حسن بن علی السقاکی ۷۱۰ھ
۵۔	عنایہ شرح ہدایہ	محمد بن محمد بن محمود ۷۸۶ھ
۶۔	بنایہ شرح ہدایہ	بدرالدین محمود عینی ۸۵۵ھ
۷۔	فتح القدیر	کمال الدین محمد ابن الہمام ۸۶۱ھ
۸۔	عقد الفرید	حسن بن عمار الشرنبلالی ۱۰۶۹ھ
۹۔	غایۃ البیان شرح ہدایہ	امیر کاتب ۷۵۸ھ
۱۰۔	النہز ازیہ	حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب الخوارزمی ۸۲۷ھ
۱۱۔	سراجیہ	محمد بن محمد سجاوندی ۵۹۷ھ
۱۲۔	کتاب الخراج	امام ابو یوسف
۱۳۔	فتاویٰ عالمگیری	زیر نگرانی اورنگ زیب عالمگیر

اورنگ زیب عالمگیر نے اس فتاویٰ کی تیاری کے لئے ایک بورڈ بنایا تھا جس کے صدر شیخ نظام الدین برہانپوری تھے۔ چوبیس علماء نے فقہ حنفی کی کتب متون وشروح کی مدد سے یہ عظیم کتاب تیار کی۔ اس کا ایک اردو ترجمہ سید امیر علی نے کیا اور ۱۸۷۲ء میں نولکشور پریس لکھنو سے دس جلدوں میں طبع ہوا۔ اب سہگل آباد (جہلم) میں ایک بورڈ اس کا نیا ترجمہ کر رہا

ہے۔ چند اجزا طبع بھی ہو چکے ہیں۔ ان میں سراجیہ میں میراث کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔

کتاب الخراج میں زیادہ تر مالیات سے متعلق مسائل ہیں۔ مثلاً تقسیم غنائم۔ فئے۔ خراج، محاصل زمین، بندوبست، صدقات، پانی اور زمین کے متعلق۔ مسائل۔ اہل ذمہ کے متعلق مسائل۔ شرعی حدود اور تعزیرات اور قوانین جنگ وغیرہ۔

آج جن ممالک میں فقہ حنفی رائج ہے۔ ان میں مصر، شام، لبنان، تیونس، ترکی، البانیہ، بلقان، افغانستان، ہندو پاکستان شامل ہیں۔

سبق نمبر 6

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیات

۱۔ فن حدیث میں آپ کا سب سے بڑا اصول، اصول روایت قائم کرنا ہے یعنی:

ا۔ جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو وہ قابل اعتبار نہیں۔

ب۔ جو واقعات تمام لوگوں کو رات دن پیش آیا کرتے ہیں ان سے متعلق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایسی روایت منقول ہو جو اخبار احاد کے درجہ سے زیادہ نہ ہو وہ روایت مشتبہ ہوگی۔

۲۔ دوسرا کارنامہ مراتب حدیث کا تفاوت

ا۔ متواتر: جس کے راوی پہلے طبقے میں اس کثرت سے ہوں جن کے جھوٹ پر جمع ہو جانے کا گمان بھی نہ ہو سکتا۔ ایسی حدیث سے فرضیت اور رکنیت ثابت ہوتی ہے۔

ب۔ مشہور: جس کے راوی پہلے طبقے میں تو بہت زیادہ نہ ہوں لیکن دوسرے اور تیسرے درجے میں اسی کثرت سے ہوں جو متواتر کی شرط ہے۔

ج۔ احاد: جو متواتر اور مشہور نہ ہو۔

۳۔ تشریعی اور غیر تشریعی احادیث میں فرق:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ روایت کیا گیا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جو حصہ تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے۔

(۲) جو حصہ تبلیغ رسالت سے متعلق نہیں اس میں وہ افعال شامل ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عادۃً صادر ہوئے۔ عبادۃً نہیں یا اتفاقاً واقع ہوئے قصداً نہیں۔

اس نکتہ کی طرف سب سے پہلے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا ذہن منتقل ہوا۔ فقہا میں اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ باقی فقہا ایسے امور کو بھی تشریعی سمجھتے ہیں۔

اسلامی قانون کے بنیادی مآخذ قرآن اور سنت ہیں۔ قرآن وسنت کے احکام کی تعبیر اور عملی صورت کی تعیین کے سلسلہ میں قانون کے دو وہی ماخذ بنتے ہیں جن کو اجماع اور قیاس کہا جاتا ہے۔

قرآن وسنت کی تفصیلی تعبیر دراصل فقہ کا موضوع ہے۔

(۱) قرآن حکیم

(۲) سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

(۳) اجماع: یعنی جو مسئلہ قرآن وسنت سے مستنبط ہو اور اس پر صحابہ کا یا فقہا کا اجماع ہو جائے۔

(۴) قیاس: جو مسئلہ قرآن وسنت و اجماع میں نہ پایا جائے۔ مگر اس سے ملتا جلتا کوئی مسئلہ موجود ہو تو اشتراکِ علت کی بنا پر نئے پیدا شدہ مسئلہ کا حل نکالنا۔

قیاس سے مراد انکل پچو اندازہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے تین رکن ہیں۔ مقیس، مقیس علیہ اور اشتراکِ علت۔

سبق نمبر 7

فقہ مالکی

امام مالک ہمیشہ مدینہ طیبہ میں قیام پذیر رہے۔ آپ اہل مدینہ کے عمل کو سند سمجھتے تھے۔ قرآن وسنت میں کسی مسئلہ کا حل واضح طور پر نہ مل سکے تو قیاس سے کام لیتے تھے۔

فقہ مالکی کی بنیادی کتاب موطا ہے۔ جس میں فقہی ترتیب سے احادیث جمع کی گئی ہیں۔

آپ کے مقلدین کا علمی سرمایہ ایک ہی کتاب المدونہ ہے۔ جسے اسد بن فرات نے جمع کیا ہے۔

فقہ مالکی، طرابلس، الجزائر، مصر، سوڈان، بحرین، کویت وغیرہ میں مروج ہے۔

فقہ شافعی

امام محمد بن ادریس شافعی رحمتہ اللہ علیہ امام مالک کے شاگرد تھے۔ آپ قرآن وسنت، اجماع اور قیاس چاروں مآخذ سے مسائل کا حل کرتے تھے۔

فقہ شافعی کی مشہور کتاب آپ کی تصنیف کتاب الام ہے۔

شافعی مسلک کے لوگ فلسطین، اردن، شام، عراق، جاوا، یمن، مصر وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔

سبق نمبر 8

فقہ حنبلی

امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ، امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ آپ صرف قرآن وسنت کو ماخذ سمجھتے ہیں۔ آپ اجتہاد کے مخالف ہیں۔

اس فقہ کی مشہور کتاب مسند احمد بن حنبل ہے۔ ان کے پیروکار بغداد، عراق اور حجاز میں پائے جاتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگردوں میں جو صحابہ کرام فقہ میں خصوصی استعداد رکھتے تھے ان سے روایت حدیث اور شاگردی کا سلسلہ چلا تو اسی سے یہ چاروں فقہی مسلک مدون ہوئے ان کی صورت یوں ہے۔

۱۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ۷۳ھ سے، نافع ۱۱۷ھ نے روایت کی۔ ان سے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ ۱۷۹ھ نے فقہ کی تدوین کی۔ ان کے شاگرد امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ ۲۰۴ھ نے شافعی فقہ، ان کے شاگرد امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ ۲۴۱ھ نے حنبلی فقہ مرتب کی۔

۲۔ عبداللہ بن مسعود رحمتہ اللہ علیہ ۳۲ھ کے شاگرد علقمہ رحمتہ اللہ علیہ ۶۲ھ، ان کے شاگرد ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ ۹۵ھ، ان کے شاگرد حماد رحمتہ اللہ علیہ ۱۲۰ھ اور ان کے شاگرد ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ۱۵۰ھ نے فقہ حنفی مرتب کی۔

اس صدی کے وسط کے قریب ان کی تعداد کا نقشہ یوں ملتا ہے۔

اہل السنت والجماعت

غیر مقلد — مقلد

حنبلی	شافعی	مالکی	حنفی
۴۰ لاکھ	۱۰ کروڑ	۱/۲ ۴ کروڑ	۳۴ کروڑ

(مختصر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (لیڈن) ۱۹۵۱ء)

سبق نمبر 9

اسلامی فقہ اور ہماری زندگی

جیسا کہ شروع میں بتایا گیا ہے کہ فقہ وہ علم ہے جو انسان کے فرائض اور حقوق کی تفصیل بتاتا ہے۔ جو اصولی طور پر

بڑے اختصار سے قرآن وسنت میں بتائے گئے ہیں۔ یہ سارا کام دو حصوں میں بٹ جاتا ہے۔ یعنی کرنے کے کام کونسے ہیں اور نہ کرنے کے کونسے۔

یہ ہمارا روزمرہ کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ مختلف کاموں کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ بعض نہایت ضروری ہوتے ہیں بعض کی ضرورت نسبتاً کم ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہر علم وفن کی مخصوص اصطلاحات ہوتی ہیں۔ جب تک ان کا علم نہ ہو اس فن کے سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے اس لئے سب سے پہلے علم فقہ کی چند ضروری اصطلاحات کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

چند شرعی اصطلاحات

۱۔ **فرض:** وہ عمل جو قطعی دلیل سے ثابت ہو۔ فرض رہ جائے تو نماز نہیں ہوتی۔

۲۔ **واجب:** وہ عمل ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو۔ نماز میں واجب رہ جائے تو سجدہ سہو لازم آتا ہے۔

۳۔ **سنت:** وہ عمل جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو۔ ترک سنت گناہ ہے۔ نماز میں غلطی سے سنت رہ جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔

۴۔ **مستحب:** وہ عمل جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہو کبھی کیا ہو کبھی چھوڑا ہو کرنے کا ثواب ہے۔ نہ کرنے کا گناہ نہیں۔

۵۔ **مباح:** وہ عمل جس کی اجازت ہو کرنے نہ کرنے میں ثواب و گناہ نہیں۔

۶۔ **حرام:** وہ عمل جس کی ممانعت دلیل قطعی سے ثابت ہو ایسا عمل کرنے میں عذاب ہے اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔

۷۔ **مکروہ:** وہ ناپسندیدہ کام جس کی ممانعت ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ **مکروہ تحریمی:** جو حرام کے قریب ہو۔

ب۔ **تنزیہی:** اس سے بچنا بہتر ہے۔

۸۔ **مفسد:** وہ عمل جو کسی جائز عمل کو باطل یا بیکار کر دے۔

صلوٰۃ خمسہ (نماز پنجگانہ)

انسان جب سوچ سمجھ کر اسلام کے دائرے میں آ جاتا ہے تو اس کا سب سے پہلا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے تمام بنیادی عقائد سے واقفیت حاصل کرے۔ اور وہ سارے ضروری عقائد دل سے تسلیم کرے۔ چنانچہ حدیث کے باب میں اس کا بیان تفصیل سے ہو چکا ہے۔

اب وہ صرف انسان نہیں بلکہ مسلمان کہلاتا ہے۔ تو اس کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنے خالق اور اپنے رب سے اپنے

تعلقات استوار کرے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اسلام نے عبادات کا ایک عمدہ نصاب مقرر کیا ہے۔ اس میں سرفہرست پانچ وقت کی نماز ہے اور نماز کی حقیقت یہ ہے کہ مسلمان کو یہ موقع دیا گیا ہے کہ دن میں پانچ وقت اپنے محبوب کی ملاقات کے لئے اس کے گھر میں جا کر حاضری دے سکے۔ یہ بہت بڑی سعادت اور بہت بڑی عزت افزائی ہے۔ اس لئے یہ ذرا سلیقے سے ہونا چاہئے۔ اس کا پہلا ادب یہ ہے کہ مسلمان صاف ستھرا ہو کر محبوب کی ملاقات کے لئے اس کے گھر جائے۔ اس بنیادی صفائی کو اصطلاح فقہ میں وضو کہتے ہیں۔

وضو کے متعلق چند مسائل یہ ہیں۔

وضو کے فرائض

۱۔ منہ دھونا۔ پیشانی کے بالوں سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک۔ ۲۔ دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا۔ ۳۔ چوتھائی سر کا مسح کرنا۔ ۴۔ دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا۔

وضو کی سنتیں:

۱۔ نیت کرنا۔ ۲۔ بسم اللہ پڑھنا۔ ۳۔ پہلے تین بار ہاتھوں کو گٹوں تک دھونا۔ ۴۔ مسواک کرنا۔ ۵۔ تین بار کلی کرنا۔ ۶۔ تین بار ناک میں پانی ڈالنا۔ ۷۔ داڑھی کا خلال کرنا۔ ۸۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا۔ ۹۔ ہر عضو کو تین بار دھونا۔ ۱۰۔ سارے سر کا مسح کرنا۔ ۱۱۔ ترتیب سے وضو کرنا۔ ۱۲۔ اعضاء کو پے در پے دھونا۔

وضو کے مستحبات:

۱۔ دائیں طرف سے شروع کرنا۔ ۲۔ گردن کا مسح کرنا۔ ۳۔ وضو کرنے میں دوسرے کی مدد نہ لینا۔ ۴۔ قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھنا۔ ۵۔ پاک اور اونچی جگہ بیٹھنا۔

مفسدات وضو:

۱۔ پیشاب یا پاخانہ کرنا۔ ۲۔ ہوا کا خارج ہونا۔ ۳۔ بدن کے کسی مقام سے پیپ یا خون کا بہہ کر نکلنا۔ ۴۔ منہ بھر قے آنا۔ ۵۔ لیٹ کر یا سہارا لگا کر سو جانا۔ ۶۔ بیماری یا کسی وجہ سے بے ہوش ہو جانا۔ ۷۔ پاگل ہو جانا۔ ۸۔ نماز میں قہقہہ لگا کر ہنسنا۔

مکروہات وضو:

۱۔ ناپاک جگہ پر بیٹھ کر وضو کرنا۔ ۲۔ سیدھے ہاتھ سے ناک صاف کرنا۔ ۳۔ وضو کے دوران دنیوی باتیں کرنا۔ ۴۔ سنت کے خلاف وضو کرنا۔

تیمّم

اللہ تعالیٰ چونکہ خود انسان کا خالق ہے۔ اس لئے اس کی مجبوریوں اور ضرورتوں سے بھی خوب واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ انسان کو کبھی ایسے حالات سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے کہ وہ اپنے محبوب کے سامنے حاضر ہونے کے لئے پہلے ادب کا تقاضا بھی پورا نہیں کرسکتا۔ یعنی وضو کرنے سے معذور ہے۔

اللہ تعالیٰ ایسا کریم ہے کہ اس نے اپنے بندے کو ایک رعایت دے دی۔ کہ اسے یہ احساس نہ ہونے پائے کہ میں اپنے محبوب کی ملاقات سے محروم ہوگیا۔ اس رعایت کا نام تیمّم ہے۔ اب اس کے مسائل بیان ہوتے ہیں اس کو ڈرائی کلین سمجھو۔

تیمّم اور اس کے مسائل:

پاک مٹی یا مٹی کی ایسی چیز سے جو مٹی کے حکم میں ہو بدن کو نجاست حکمیہ سے پاک کرنے کو تیمّم کہتے ہیں۔ اگر غسل اور وضو دونوں کی نیت کی ہو تو ایک بار تیمّم کرنا کافی ہے۔ باقی جو احکام وضو کے ہیں۔ وہی تیمّم کے ہیں۔ ہاں جب عذر ختم ہو جائے تو تیمّم بھی ختم ہو جاتا ہے۔

تیمّم کے فرائض:

۱۔ نیت کرنا۔ ۲۔ دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر سارے چہرے پر پھیرنا کہ بال برابر بھی جگہ خالی نہ رہے۔ ۳۔ دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت ملنا۔

غسل

زندگی میں ایسے حالات بھی پیش آتی ہیں کہ انسان اس مختصر سی صفائی سے خود مطمئن نہیں ہوتا۔ فطرت تقاضا کرتی ہے کہ سارے بدن کی طہارت اور صفائی مکمل طور پر ہو۔ تو انسان کے اس فطری تقاضا کو پورا کرنے کے لئے فقہ میں ایک عمل پر بحث کی گئی ہے جس کا نام غسل ہے۔

غسل کے متعلق چند ضروری مسائل

غسل کب فرض ہوتا ہے:

۱۔ عورت سے صحبت کرنا۔ ۲۔ بدخوابی میں احتلام ہونا۔ ۳۔ جب عورت حیض و نفاس سے پاک ہو۔

غسل کے فرائض:

۱۔کلی کرنا۔ ۲۔ناک میں پانی ڈالنا۔ ۳۔تمام بدن پر ایک مرتبہ پانی بہانا کہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔

غسل کی سنتیں:

۱۔دونوں ہاتھ گٹوں تک دھونا۔ ۲۔استنجا کرنا اور جہاں غلاظت لگی ہو اسے صاف کرنا۔ ۳۔ناپاکی دور کرنے کی نیت کرنا۔ ۴۔غسل سے پہلے وضو کرنا۔ ۵۔تمام بدن پر تین بار پانی بہانا۔

نماز کا بیان

نماز کی تیاری یعنی اپنے محبوب کی ملاقات کے لئے پہلا ادب اور سلیقہ وضو ہے۔اب ایک مسلمان اس قابل ہوگیا کہ اپنے محبوب کے بلاوے پر اس کے گھر میں جا کر حاضری دے۔اس حاضری کے بھی آداب ہیں۔حاضری دینے سے پہلے چند ضروری احتیاطیں ملحوظ رکھنی ہیں۔ان کو شرائط کہتے ہیں۔

نماز کی شرائط:

۱۔بدن کا پاک ہونا۔ ۲۔کپڑے کا پاک ہونا۔ ۳۔جگہ کا پاک ہونا۔ ۴۔ستر کا چھپانا۔ ۵۔نماز کا وقت ہونا۔ ۶۔قبلہ کی طرف منہ کرنا۔ ۷۔دل میں نماز کی نیت کرنا۔

نماز کے ارکان

ارکان جمع ہے رکن کی۔اس کے معنی ہیں ستون۔ستون کے بغیر کوئی عمارت کھڑی نہیں ہوسکتی۔ہاں ستون کی شکل بدل سکتی ہے۔جیسا کہ پہلے زمانے میں ستون لکڑی کے ہوتے تھے۔پھر اینٹوں کے بنے اور اب لوہے کے جال میں سیمنٹ اور بجری بھر کے اس سے ستون کا کام لیا گیا ہے۔مگر اسلام نے نماز کے لئے جو ستون مقرر کئے ہیں یہ نا قابل تغیر ہیں۔ان ارکان نماز کو نماز کے فرائض بھی کہا جاتا ہے جو تعداد میں چھ ہیں۔

فرائض نماز:

۱۔تکبیر تحریمہ کہنا۔ ۲۔قیام کرنا۔ ۳۔قرأت۔ ۴۔رکوع۔ ۵۔دونوں سجدے کرنا۔ ۶۔قعدہ اخیرہ میں التحیات کی مقدار بیٹھنا۔

واجبات نماز:

ا۔فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں کو قرأت کے لئے مقرر کرنا۔۲۔فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور واجب، سنت اور نفل نمازوں کی تمام رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ یا ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات کا پڑھنا۔ ۳۔سورۃ فاتحہ کو قرأت قرآن سے پہلے پڑھنا۔۴۔قرأت، رکوع، سجدوں اور رکعتوں کی ترتیب قائم رکھنا۔ ۵۔قومہ۔ ۶۔جلسہ۔ ۷۔تعدیل ارکان۔ ۸۔قعدہ اولیٰ۔ ۹۔دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا۔ ۱۰۔امام کا صلوٰۃ فجر، مغرب، عشاء جمعہ، عیدین، تراویح اور رمضان المبارک میں وتر میں آواز سے قرأت کرنا۔ ۱۱۔نماز ظہر اور عصر میں آہستہ قرأت کرنا۔لفظ سلام سے نماز سے علیحدہ ہونا۔ ۱۲۔وتر میں دعائے قنوت پڑھنا۔ ۱۳۔دونوں عیدین کی نماز میں زائد تکبیریں کہنا۔

نماز کی سنتیں:

ا۔تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانا۔ ۲۔دونوں ہاتھ کی انگلیاں اپنے حال میں کھلی اور قبلہ رخ کرنا۔ ۳۔تکبیر کہتے ہوئے سر کو نہ جھکانا۔ ۴۔امام کا تکبیر تحریمہ اور رکن سے دوسرے رکن میں جانے کے لئے تمام تکبیریں باآواز بلند کہنا۔ ۵۔سیدھے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے باندھنا۔ ۶۔ثناء پڑھنا۔ ۷۔تعوذ پڑھنا۔ ۸۔تسمیہ پڑھنا۔ ۹۔فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا۔۱۰۔آمین کہنا۔ ۱۱۔ثناء۔تعوذ۔بسم اللہ اور آمین سب آہستہ کہنا۔ ۱۲۔سنت کے موافق قرأت کرنا۔ ۱۳۔رکوع اور سجدے میں کم از کم تین مرتبہ تسبیح کہنا۔ ۱۴۔رکوع میں سر اور پیٹھ کو ایک سیدھ میں رکھنا اور دونوں ہاتھوں کی کھلی انگلیوں سے گھٹنوں کو پکڑنا۔ ۱۵۔قومہ میں امام کا تسمیع اور مقتدی کا تحمید کہنا اور منفرد کا دونوں کہنا۔ ۱۶۔سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے، پھر دونوں ہاتھ، پھر پیشانی رکھنا۔ ۱۷۔جلسہ اور قعدہ میں بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھنا اور سیدھے پاؤں کو اس طرح کھڑا رکھنا کہ اس کی انگلیوں کے سرے قبلہ کی طرف ہوں اور ہاتھ رانوں پر رہیں۔ ۱۸۔تشہد میں انگشت شہادت سے اشارہ کرنا۔ ۱۹۔قعدہ آخیرہ میں تشہد کے بعد درود پڑھنا۔ ۲۰۔درود کے بعد دعا پڑھنا۔ ۲۱۔پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف سلام پھیرنا۔

مستحبات نماز:

ا۔تکبیر تحریمہ کہتے وقت آستینوں سے دونوں ہتھیلیاں نکالنا۔ ۲۔رکوع اور سجدہ میں منفرد کا تین مرتبہ سے زیادہ تسبیح کہنا۔ ۳۔قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر اور رکوع کی حالت میں قدموں پر، قعدہ اور قومہ کی حالت میں اپنی گود میں اور سلام کے وقت اپنے کندھوں پر نظر رکھنا۔ ۴۔کھانسی روکنا۔ ۵۔جمائی میں منہ بند رکھنا۔

مفسدات نماز:

۱۔نماز میں کلام کرنا۔ ۲۔سلام کرنا۔ ۳۔سلام کا جواب دینا۔ ۴۔کسی بری خبر پر اِنَّا لِلّٰہ کہنا اور اچھی خبر پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنا۔ ۵۔بیماری یا درد کی وجہ سے آہ یا اُف کہنا۔ ۶۔اپنے امام کے سوا کسی دوسرے کو لقمہ دینا۔ ۷۔قرآن شریف دیکھ کر پڑھنا۔ ۸۔قرأت میں کوئی سخت غلطی پڑھنا۔ ۹۔عمل کثیر کرنا۔ ۱۰۔کھانا پینا قصداً ہو یا بھول کر۔ ۱۱۔دو صفوں کی تعداد کے برابر چلنا۔ ۱۲۔قبلہ کی طرف سے بلا عذر سینہ پھیرنا۔ ۱۳۔ناپاک جگہ پر سجدہ کرنا۔ ۱۴۔ستر کھل جانے کی حالت میں ایک رکن کی مقدار ٹھہرنا۔ ۱۵۔دعا میں ایسی چیز مانگنا جو آدمیوں سے مانگی جاتی ہو۔مثلاً کہے اللہ! آج مجھے ایک ہزار روپے دے دے۔ ۱۶۔درد یا مصیبت کی وجہ سے اس طرح رونا کہ حرف ظاہر ہو جائے۔ ۱۷۔بالغ آدمی کا نماز میں قہقہہ لگا کر یا آواز سے ہنسنا۔ ۱۸۔امام سے آگے بڑھ جانا۔

مکروہات نماز:

۱۔چادر، سر یا کندھوں پر ڈال کر دونوں کنارے لٹکا لینا۔ ۲۔کپڑے سمیٹنا۔ ۳۔کپڑے یا بدن سے کھیلنا۔ ۴۔معمولی کپڑے پہن کر یا اصخو کہ بن کر نماز پڑھنا۔ ۵۔منہ میں کوئی چیز رکھنا۔ ۶۔سستی کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھنا۔ ۷۔پاخانہ یا پیشاب کی حاجت کی صورت میں نماز پڑھنا۔ ۸۔بالوں کا جوڑا باندھنا۔ ۹۔کنکریاں ہٹانا۔ ۱۰۔انگلیاں چٹخانا۔ ۱۱۔کمر یا کولہے پر ہاتھ رکھنا۔ ۱۲۔ادھر ادھر دیکھنا۔ ۱۳۔کتے کی طرح بیٹھنا۔ ۱۴۔کسی آدمی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا۔ ۱۵۔دونوں کلائیوں کو سجدے میں زمین پر بچھانا۔ ۱۶۔ہاتھ یا سر کے اشارے سے سلام کا جواب دینا۔ ۱۷۔بلا عذر آلتی پالتی مار کر بیٹھنا۔ ۱۸۔قصداً جمائی لینا۔ ۱۹۔آنکھیں بند رکھنا۔ ۲۰۔امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا۔ ۲۱۔اکیلے امام کا اونچی جگہ پر کھڑا ہونا۔ ۲۲۔صف میں اکیلے کھڑے ہونا۔ ۲۳۔کپڑے پر جاندار کی تصویر ہونا۔ ۲۴۔نماز کی جگہ سر کے اوپر دائیں بائیں سامنے سجدے کی جگہ تصویر ہونا۔ ۲۵۔تسبیحات انگلیوں پر گننا۔ ۲۶۔انگڑائی لینا۔ ۲۷۔عمامہ کے پیچ پر سجدہ کرنا۔ ۲۸۔سنت کے خلاف کام کرنا۔

سجدۂ سہو:

واجب رہ جائے تو سجدۂ سہو لازم ہے۔سجدۂ سہو نہ کیا جائے تو نماز نہیں ہوتی۔سجدۂ سہو کرنے سے واجب کی کمی پوری ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالا کورس ہمارے سلسلہ عالیہ کا اہم جز ہے۔اس کا خوب مطالعہ کریں اس کو خوب یاد کریں۔اس پر دلجمعی سے عمل کریں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ حدیث نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ کا فرمان ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد سورۃ فاتحہ اور آیت الکرسی اور آل عمران کی دو آیتیں یعنی ایک آیت شَهِدَ اللّٰهُ آخر تک اور دوسری آیت قُلِ اللّٰهُمَّ آخر تک پڑھا کرے تو میں اس کا ٹھکانہ جنت میں بناؤں گا اور اس کو اپنے خطیرۃ القدس میں جگہ دوں گا اور ہر روز اس کی طرف ستر مرتبہ نظر رحمت کروں گا اور اس کی ستر حاجتیں پوری کروں گا اور ہر حاسد اور دشمن سے پناہ دوں گا اور ان پر اس کو غلبہ دوں گا۔ (معارف القرآن)

۱۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

ترجمہ: اللہ نے خود شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور (یہی شہادت) فرشتوں اور سب اہل علم نے دی۔ وہ انصاف پر قائم ہے اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے۔

۲۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

ترجمہ: کہو خدایا، ملک کے مالک تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں۔ بے جان میں سے جاندار کو نکالتا ہے اور جاندار میں سے بے جان کو اور جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

۳۔ ہر نماز کے بعد ۲۰ مرتبہ استغفار پڑھا کریں۔

اسباق عربی

نماز

ا۔طریقہ نماز:

سنت کے مطابق نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے کے مقام پر قبلہ کی طرف منہ کر کے باوضو ہو کر نہایت ہی ادب سے نماز پڑھنے والا کھڑا ہو جائے۔ پاؤں کے درمیان ۴ انگل کا فاصلہ رکھے ہاتھوں کو اٹھا کر کانوں تک لے جائے اور انگوٹھے کان کی لو سے لگائے اور ہتھیلیاں قبلہ رخ رکھے پھر نیت کر کے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر ناف کے نیچے ہاتھ باندھے اس طرح کہ اپنی داہنی ہتھیلی کی گدی بائیں کلائی کے سرے پر ہو اور بیچ کی تین انگلیاں بائیں کلائی کی پشت پر اور انگوٹھا اور چھنگلیا کلائی کے اغل بغل، پھر ثناء (سُبْحَانَکَ) پڑھے پھر اَعُوْذُ بِاللّٰہِ پھر بِسْمِ اللّٰہِ پھر اَلْحَمْدُ شریف پڑھے اور ختم پر آمین آہستہ سے کہے اس کے بعد کوئی سورت یا تین آیتیں پڑھے یا ایک آیت جو تین آیت کے برابر ہو۔ اگر امام کے پیچھے پڑھ رہا ہو تو پھر ثناء پڑھ کر خاموش ہو جائے اگر تلاوت جہری ہو تو خاموشی سے سنے۔ اگر اکیلا ہو تو خود پڑھے۔ اب اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں جائے اور گھٹنوں کو ہاتھ سے پکڑے اس طرح کہ ہتھیلیاں گھٹنے پر ہوں اور انگلیاں پھیلی ہوں۔ اس طرح نہیں کہ سب انگلیاں ایک طرف ہوں اور نہ اس طرح کہ چار انگلیاں ایک طرف اور ایک طرف صرف انگوٹھا، پیٹھ بچھی ہو اور سر پیٹھ کے برابر ہو اونچا نیچا نہ ہو۔ پھر کم سے کم تین بار ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم'' کہے پھر ''سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہ'' کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو جائے اور منفرد ہو تو اس کے بعد ''اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ'' کہے پھر ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہتا ہوا سجدہ میں گر جائے اس طرح کہ گھٹنے زمین پر رکھے پھر ہاتھ، پھر دونوں ہاتھوں کے بیچ میں سر رکھے اور پیشانی اور ناک کی ہڈی خوب جمائے اور بازوؤں کو کروٹوں اور پیٹ کو رانوں اور رانوں کو پنڈلیوں سے جدا رکھے اور دونوں پاؤں کی سب انگلیوں کے پیٹ قبلہ رُو جمے ہوں اور ہتھیلیاں بچھی ہوں اور انگلیاں قبلہ کو ہوں پھر کم از کم تین بار ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' کہے پھر سر اٹھالے پھر ہاتھ اور داہنا قدم کھڑا کر کے اس کی انگلیاں قبلہ رخ ہوں اور بایاں قدم بچھا کر اس پر خوب سیدھا بیٹھ جائے اور ہتھیلیاں بچھا کر رانوں پر گھٹنے کے پاس رکھے کہ دونوں ہاتھ کی انگلیاں قبلہ کو ہوں پھر ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہتا ہوا سجدے کو جائے اور اسی طرح سجدہ کرے پھر سر اٹھائے پھر ہاتھ کو گھٹنوں پر رکھ کر پنجوں کے بل کھڑا ہو جائے اب صرف ''بِسْمِ اللّٰہِ'' پڑھ کر قرأت شروع کر دے پھر اسی طرح رکوع اور سجدہ کر کے داہنا قدم کھڑا کر کے بایاں قدم بچھا کر بیٹھ جائے اور ''اَلتَّحِیَّاتُ'' پڑھے اس کو تشہد کہتے ہیں اور جب کلمہ ''لَا'' کے قریب پہنچے تو داہنے ہاتھ کی بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور چھنگلیا اور اس کے پاس والی کو ہتھیلی سے ملا دے اور لفظ ''لَا'' پر کلمہ کی انگلی اٹھائے مگر اس کو جنبش نہ دے اور کلمہ ''اِلَّا'' پر گرا دے اور سب انگلیاں فوراً سیدھی کر لے اور دو سے زیادہ

رکعتیں پڑھنی ہیں تو اٹھ کھڑا ہو اور اسی طرح پڑھے مگر فرضوں کی ان رکعتوں میں "اَلْحَمْدُ" کے ساتھ سورۃ ملانا ضروری نہیں۔ اب آخری قعدہ جس کے بعد نماز ختم کرے گا اس میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھے پھر دعا پڑھے، اس کے بعد داہنی طرف سلام پھیرے پھر بائیں طرف سلام پھیرے اس طرح نماز مکمل ہو جائے گی۔

۲۔ مردوں اور عورتوں کی نماز میں فرق:

مندرجہ بالا طریقہ نماز صرف مردوں کے لئے ہے۔ عورتوں کے لئے طریقہ نماز میں کچھ فرق ہے۔ عورت تکبیر کے وقت دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھائے مگر تکبیر کے وقت دونوں ہاتھ چادر کے اندر رکھے پھر نیت کر کے اللہ اکبر کہتی ہوئی بائیں ہتھیلی سینہ پر چھاتی کے نیچے رکھ کر اس کی پشت پر داہنی ہتھیلی کو رکھے، رکوع اس طرح کرے کہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھے اور انگلیاں کشادہ نہ کرے، رکوع میں تھوڑا جھکے یعنی صرف اس قدر کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں، پیٹھ سیدھی نہ کرے اور گھٹنوں پر زور نہ دے بلکہ محض ہاتھ رکھ دے اور ہاتھوں کی انگلیوں ملی ہوئی رکھے اور پاؤں جھکے ہوئے رکھے، سجدہ سمٹ کر کرے اس طرح کہ بازو کروٹوں سے ملا دے اور پیٹ ران سے اور ران کو پنڈلیوں سے اور پنڈلیاں زمین سے اور دونوں پاؤں داہنی جانب نکال دے، قعدہ اس طرح کرے کہ دونوں پاؤں داہنی جانب نکال دے اور بائیں سرین پر بیٹھے۔

تعداد رکعات نماز پنجگانہ

نام نماز	غیر مؤکدہ سنت قبل فرض	سنت مؤکدہ قبل فرض	فرض	سنت مؤکدہ بعد فرض	نفل	کل رکعتیں
فجر	X	۲	۲	X	X	۴
ظہر	X	۴	۴	۲	۲	۱۲
عصر	۴	X	۴	X	X	۸
مغرب	X	X	۳	۲	۲	۷
عشاء	۴	X	۴	۲ ۳ وتر واجب	۴ ۲ رکعتوں سے پہلے ابعد	۱۷
میزان	۸	۶	۱۷	۶۔۳	۸	۴۸

۳۔نماز

ثناء:

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَ تَبَارَکَ اسْمُکَ

تو پاک ہے اے اللہ میں تیری حمد کرتا ہوں تیرا نام برکت والا ہے

وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ ط

اور تیری شان بہت بلند ہے اور تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

تعوذ:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط

میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

تسمیہ:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سورۃ فاتحہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

تمام خوبیاں اللہ کے لئے ہیں۔جو سب عالموں کے پروردگار ہیں۔بڑے مہرباں نہایت رحم کرنے والے ہیں

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ O اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ O

انصاف کے دن کے مالک ہیں۔ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی کی مدد چاہتے ہیں۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ O صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ

ہم کو سیدھے راستے پر چلایئے۔ان لوگوں کے راستے پر جن پر آپ نے

عَلَيْهِمْ لا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ O

انعام کیا نہ ان لوگوں کا راستہ جو (تیرے) غضب میں مبتلا ہوئے اور نہ گمراہوں کا۔

اٰمِيْنَ O

الٰہی قبول فرما

سورۃ اخلاص:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ O اَللّٰهُ الصَّمَدُ O لَمْ يَلِدْ ۵ وَلَمْ

کہہ دیجئے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے احتیاج ہے۔ نہ کسی کا باپ ہے۔ اور نہ

يُوْلَدْ O وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ O

کسی کا بیٹا۔ اور کوئی اُس کی برابری کرنے والا نہیں۔

رکوع کی تسبیح:

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ

میرا پروردگار عظمت والا پاک ہے

تسمیع:

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه

اللہ نے اس کی سن لی جس نے اس کی تعریف کی۔

تحمید:

رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

اے ہمارے پروردگار سب تعریف تیرے ہی لیے ہے۔

سجدہ کی تسبیح:

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی

پاک ہے میرا پروردگار جو بہت بلند ہے۔

تشہد:

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَ الطَّیِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ

تمام زبان کی عبادتیں اور تمام جسم کی عبادتیں اور تمام مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں، سلام ہو آپؐ پر

اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ ط اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا

اے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں، سلام ہو ہم پر

وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ O اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ·

اور اللہ کے نیک بندوں پر میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں

وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ O

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

درود شریف

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا

اے اللہ صلوٰۃ بھیج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر جس طرح

صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ

تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر صلوٰۃ بھیجی بے شک تو تعریف کیا گیا

مَّجِیْدٌ O اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ

بزرگ ہے۔اے اللہ برکت دے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ

جس طرح تو نے برکت دی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل کو بے شک تو

حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ○

تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔

دعا

رَبِّ اجْعَلْنِىْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ

اے میرے اللہ مجھ کو نماز پر قائم کر دے اور میری اولاد کو بھی اے ہمارے پروردگار میری دعا

دُعَآءِ○ رَبَّنَا اغْفِرْلِىْ وَلِوَالِدَىَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ

قبول فرما۔اے ہمارے پروردگار مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور سارے مومنین کو یوم حساب کے دن

الْحِسَابِ○

بخش دے۔

سلام

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ

تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت۔

نماز کے بعد دعا مانگنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ قرآن مجید میں بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ" اور جب تم نماز پڑھ لو تو اللہ کا ذکر کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے بعد بھی اللہ کا ذکر بہت ضروری ہے لہذا نماز ختم کرتے ہی کلمہ طیبہ پڑھنا چاہیئے۔اس کے بعد تین بار استغفار پڑھنا چاہیئے۔

استغفار

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّىْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

میں اللہ سے اپنے ہر گناہ کی بخشش مانگتا ہوں جو میرا پروردگار ہے میں اس کے حضور توبہ کرتا ہوں۔

فرض کے بعد کی دعائیں

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ وَاِلَیْکَ یَرْجِعُ

اے اللہ تو سلامتی والا ہے اور تجھی سے سلامتی ہے اور سلامتی تیری طرف رجوع

السَّلَامُ حَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ

کرتی ہے۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ اور ہمیں سلامتی کے گھر

تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَ تَعَالَیْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ O

داخل کر۔ اے ہمارے پروردگار تو برکت والا ہے اور بلند ہے اے عظمت اور بزرگی والے۔

دوسری دعا

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا

اے ہمارے رب تو ہمیں دنیا میں نیکی عطا کر اور آخرت میں نیکی دے اور ہمیں جہنم

عَذَابَ النَّارِ O

کے عذاب سے بچا

فرضوں کے بعد مندرجہ بالا مختصر دعائیں مانگ کر سنتیں پڑھیں اور باقی ماندہ وظائف واذکار سنت اور نوافل مکمل کرنے کے بعد پڑھنے چاہئیں۔ پوری نماز ادا کرنے کے بعد مندرجہ ذیل اذکار کا ورد کرنا چاہیئے کیوں کہ ان کے اثرات بہت اچھے ہیں۔

۴۔ تسبیح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد اس طرح اذکار پڑھے تو اس کے گناہ اگر چہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں تو بھی بخش دیئے جائیں گے (مسلم شریف) اسے تسبیح فاطمہ رضی اللہ عنہا کہا جاتا ہے۔

''سُبْحَانَ اللّٰہِ'' ۳۳ بار ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' ۳۳ بار ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' ۳۴ بار

آخر میں ایک بار

''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ''

آیۃ الکرسی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والے ہیں

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا

اللہ (ایسا ہے) کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ زندہ ہے ہمیشہ قائم رہنے والا ہے نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ

نَوْمٌ ط لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط

نیند۔ اسی کا ہے سب جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط يَعْلَمُ مَا

کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں سفارش کرے وہ جانتا ہے جو کچھ

بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ

اس کے سامنے ہے اور جو کچھ اس کے بعد ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز

مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ

کو احاطۂ علمی میں نہیں لا سکتے مگر جس قدر وہ چاہے۔ اس کی کرسی نے سب آسمانوں

وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○

اور زمین کو اندر لے رکھا ہے اور اس پر ان دونوں کی حفاظت گراں نہیں گزرتی وہ عالی شان، عظیم الشان ہے۔

۶۔ نماز تراویح

خاص رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد اور وتروں سے پہلے جو نماز پڑھی جاتی ہے وہ تراویح ہے۔ مرد اور عورت دونوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے۔ اس کی بیس رکعتیں دس سلاموں کے ساتھ ہیں۔ ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر آرام کرنا اور یہ تسبیح پڑھنا مستحب ہے۔

سُبْحَانَ ذِي الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ ط سُبْحَانَ ذِي الْعِزَّةِ وَالْعَظَمَةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْجَبَرُوْتِ ط سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَنَامُ وَلَا يَمُوْتُ ط

سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوحِ ط اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ يَامُجِيْرُ يَامُجِيْرُ يَامُجِيْرُ

۱۲۔صفت ایمان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

ایمان

اجزائے ایمان پر زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کو ایمان کہا جاتا ہے۔اسلام میں اجزائے ایمان حسب ذیل ہیں۔

ایمان مفصل:

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

میں اللہ پر اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر

وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى

اور اچھی اور بری تقدیر کے خالق اللہ

وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لایا

ایمان مجمل:

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَآئِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ

میں اللہ پر جیسا کہ وہ اپنے اسماء یعنی نام اور اپنی صفات کے ساتھ ہے ایمان لایا

جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ

اور میں نے اس کے تمام احکام زبان سے اقرار کرتے ہوئے اور دل سے تصدیق کرتے ہوئے قبول کیئے۔

سبق نمبر 10

خطبہ نکاح

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ ط وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ط وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ط اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ O یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا O یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا O یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا O

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ ط

ایجاب وقبول

خطبہ پڑھنے کے بعد نکاح کرنے والا لڑکی کے والدین یا ورثاء سے اجازت لے کر یا دلہن کے وکیل سے اجازت لے کر دولہا سے کہے کہ فلاں لڑکی یعنی اس کا نام لے بنت فلاں یعنی اس کے باپ کا نام لے یعنی اتنے مہر موجل یا غیر مؤجل روبروان گواہان کے آپ کے حق زوجیت میں دی اور اس کا نکاح آپ سے کیا۔ دولہا جواب میں کہے کہ میں نے قبول کی۔

سبق نمبر 11

نکاح کی دعائے خیر

اَللّٰھُمَّ اَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِھِمَا کَمَا اَلَّفْتَ بَیْنَ سَیِّدِنَا اٰدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَحَوَّاءَ وَبَیْنَ سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَبَیْنَ سَارَۃَ وَھَاجِرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا وَاَلِّفْ بَیْنَھُمَا کَمَا اَلَّفْتَ بَیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبَیْنَ خَدِیْجَۃَ الْکُبْرٰی وَعَآئِشَۃَ الصِّدِّیْقَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا. سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ O وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ O وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O

نکاح کے خطبہ اور ایجاب وقبول کے بعد یہ دعا پڑھیں۔

بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ وَبَارَکَ اللّٰہُ عَلَیْکَ وَجَمَعَ بَیْنَکُمَا فِیْ خَیْرٍ O

سبق نمبر 12

نماز جنازہ

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ اگر چند آدمی کسی کی نماز جنازہ پڑھ لیں تو باقی سب بری الذمہ ہو جائیں گے۔ اگر کوئی بھی نہ پڑھے تو سب گنہگار ہوں گے۔ اس کے لئے جماعت شرط نہیں۔ اگر ایک آدمی بھی پڑھ لے تو فرض ادا ہو جائے گا۔ نماز جنازہ واجب ہونے کی وہی شرائط ہیں جو اور نمازوں کے لئے ہیں، یعنی قادر عاقل بالغ مسلمان ہونا، جس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ میت کا جسم و کفن پاک ہونا چاہیے۔ جہاں نماز جنازہ ہو اس کے آگے جنازہ ہونا چاہیئے۔ جنازے کو زمین پر رکھنا چاہیئے۔ جنازہ مصلّی کے آگے قبلہ رخ ہونا چاہیئے۔ میت کو وہ حصہ چھپا ہونا چاہئے جسے ازروئے شریعت چھپانا ضروری ہے۔ میت کو امام کے محاذی ہونا چاہئے۔ نماز جنازہ میں دو فرائض ہیں یعنی چار مرتبہ اللہ اکبر کہنا اور کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھنا۔ اس میں تین سنت مؤکدہ ہیں۔ اللہ کی حمد و ثنا کرنا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا اور میت کے لئے دعا کرنا۔ اگر کئی جنازے ایک وقت میں جمع ہوں تو سب کی نماز جنازہ ایک مرتبہ ہو سکتی ہے مگر افضل یہ ہے کہ علیحدہ علیحدہ پڑھی جائے۔ نماز جنازہ میں امام کو میت کے سینے کے سامنے کھڑا ہونا چاہیئے۔ نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ حسب ذیل ہے۔

طریقہ نماز:

پہلے نیت کر کے امام و مقتدی کانوں تک ہاتھ اٹھائیں اور اللہ اکبر کہتے ہوئے ناف کے نیچے باندھ لیں اور ثنا پڑھیں "وَتَعَالٰی جَدُّکَ" کے بعد "وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَلَآ اِلٰهَ غَیْرُکَ" پڑھیں، پھر بغیر ہاتھ اٹھائے تکبیر کہیں اور وہی نماز والا درود شریف پڑھیں، پھر بغیر ہاتھ اٹھائے تکبیر کہیں اور دعا پڑھیں، پھر ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیر دیں۔ مقتدی تکبیریں آہستہ کہے اور امام ذرا سے۔

بالغ مرد و عورت کی دعا:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَآئِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَهٗ مِنَّا فَاَحْیِهٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَی الْاِیْمَانِ ط

نابالغ لڑکے کی دعا:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهُ لَنَآ اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا ط

نابالغ لڑکی کی دعا:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهَا لَنَآ اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهَا لَنَا شَافِعَةً وَّمُشَفَّعَةً ط

دعا کے بعد چوتھی تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں اور سلام پھیر دیں۔

سبق نمبر 13

خطبہ جمعہ

(پہلا خطبہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلِيِّ الذَّاتِ عَظِيْمِ الصِّفَاتِ سَمِيِّ السِّمَاتِ كَبِيْرِ الشَّانِ ○ جَلِيْلِ الْقَدْرِ رَفِيْعِ الذِّكْرِ مُطَاعِ الْاَمْرِ جَلِيِّ الْبُرْهَانِ ○ فَخِيْمِ الْاِسْمِ غَزِيْرِ الْعِلْمِ وَسِيْعِ الْحِلْمِ كَثِيْرِ الْغُفْرَانِ ○ جَمِيْلِ الثَّنَاءِ جَزِيْلِ الْعَطَاءِ مُجِيْبِ الدُّعَآءِ عَمِيْمِ الْاِحْسَانِ ○ سَرِيْعِ الْحِسَابِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ اَلِيْمِ الْعَذَابِ عَزِيْزِ السُّلْطَانِ ○ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ فِي الْخَلْقِ وَالْاَمْرِ ○ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَلْمَبْعُوْثُ اِلَى الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ ○ اَلْمَنْعُوْتُ بِشَرْحِ الصَّدْرِ وَرَفْعِ الذِّكْرِ ○ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعُرْبَآءِ ○ وَخَيْرُ الْخَلَآئِقِ بَعْدَ الْاَنْبِيَآءِ ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَآ اَيُّهَا النَّاسُ وَحِّدُوا اللّٰهَ فَاِنَّ التَّوْحِيْدَ رَاْسُ الطَّانِكِيْنَ ○ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فَاِنَّ التَّقْوٰى مِلَاكُ الْحَسَنَاتِ ○ وَعَلَيْكُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنَّ السُّنَّةَ تَهْدِيْ اِلَى الْاِطَاعَةِ وَمَنْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَاهْتَدٰى وَاِيَّاكُمْ وَالْبِدْعَةَ فَاِنَّ الْبِدْعَةَ تَهْدِيْ اِلَى الْمَعْصِيَّةِ ط وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ وَغَوٰى ○ وَعَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يُنْجِيْ وَالْكِذْبَ يُهْلِكُ ○ وَعَلَيْكُمْ بِالْاِحْسَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَلَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ○ وَلَا تُحِبُّوا الدُّنْيَا فَتَكُوْنُوْا مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ اَلَا وَاِنَّ نَفْسًا لَّنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا ط فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ وَتَوَكَّلُوْا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ○ وَادْعُوْهُ فَاِنَّ رَبَّكُمْ مُجِيْبُ الدَّاعِيْنَ ○ وَاسْتَغْفِرُوْهُ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ○ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ ○ وَنَفَعَنَا وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ○ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ ○ وَاسْتَغْفِرُوْهُ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○

سبق نمبر 14

(دوسرا خطبہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ. وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا. مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ. وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ. وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بَيْنَ يَدَيِ

السَّاعَةِ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَاِنَّهٗ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ وَلَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئًا. اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ. وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ. قَالَ النَّبِيُّ صَلَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْحَمُ اُمَّتِيْ بِاُمَّتِيْ اَبُوْبَكْرٍ. وَاَشَدُّهُمْ فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ. وَاَصْدَقُهُمْ حَيَآءً عُثْمَانُ. وَاَقْضَاهُمْ عَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَحَمْزَةُ اَسَدُ اللّٰهِ وَاَسَدُ رَسُوْلِهٖ. رِضْوَانُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَ وَلَدِهٖ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً لَّا تُغَادِرُ ذَنْبًا. اَللّٰهُ اَللّٰهُ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ مِّنْ بَعْدِيْ غَرَضًا. فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ. وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ. وَخَيْرُ اُمَّتِيْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ. وَالسُّلْطٰنُ (الْمُسْلِمُ) ظِلُّ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ. مَنْ اَهَانَ سُلْطَانَ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ اَهَانَهُ اللّٰهُ. اِنَّ اللّٰهَ ا يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ط يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ يَذْكُرْكُمْ وَادْعُوْهُ يَسْتَجِبْ لَكُمْ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى اَعْلٰى وَاَجَلُّ وَاَتَمُّ وَاَكْبَرُ○

شش کلمہ

چھ کلمے

اول کلمہ طیب:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد اللہ کے رسول ہیں

دوم کلمہ شہادت:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں

اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

کہ حضرت محمد اس کے بندے اور رسول ہیں

سوم کلمہ تمجید:

سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ

پاک ہے اللہ اور تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

اور گناہوں سے بچنے کی طاقت اور نیک کام کرنے کی قوت اللہ ہی کی طرف سے ہے جو عالیشان عظمت والا ہے

چہارم کلمہ توحید:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لئے

الْحَمْدُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ اَبَدًا اَبَدًا ط

تمام تعریف ہے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے مرے گا نہیں

ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ط بِيَدِهِ الْخَيْرُ ط وَهُوَ عَلٰى

عظمت اور بزرگی والا ہے بہتری اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

ہر چیز پر قادر ہے

پنجم کلمہ استغفار:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ اَذْنَبْتُهٗ عَمَدًا اَوْ خَطَأً

میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں جو میرا پروردگار ہے ہر گناہ سے جو میں نے کیا جان بوجھ کر یا بھول کر

سِرًّا اَوْ عَلَانِيَةً وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنَ الذَّنْبِ الَّذِيْ اَعْلَمُ

در پردہ یا کھلم کھلا اور میں توبہ کرتا ہوں اس کے حضور میں اس گناہ سے جو مجھے معلوم ہے

وَمِنَ الذَّنْبِ الَّذِيْ لَآ اَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ

اور اس گناہ سے جو مجھے معلوم نہیں بے شک تو غیبوں کا

اَلْغُيُوْبِ وَسَتَّارُ الْعُيُوْبِ وَغَفَّارُ الذُّنُوْبِ وَلَاحَوْلَ وَلَا

جاننے والا ہے اور عیبوں کا چھپانے والا ہے اور گناہوں کا بخشنے والا ہے اور گناہوں سے بچنے کی

قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

طاقت اور نیک کام کرنے کی قوت اللہ ہی کی طرف سے ہے جو عالیشان عظمت والا ہے

ششم کلمہ رد کفر:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ شَيْئًا.

الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ کسی چیز کو تیرا شریک بناؤں

وَّاَنَا اَعْلَمُ بِهٖ وَاَسْتَغْفِرُکَ لِمَا لَآ اَعْلَمُ بِهٖ تُبْتُ عَنْهُ

اور مجھے اس کا علم ہو اور میں معافی مانگتا ہوں تجھ سے اس (گناہ) سے جس کا مجھے علم نہیں میں نے اس سے توبہ کی،

وَ تَبَرَّاْتُ مِنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ وَالْكِذْبِ وَالْغِيْبَةِ

اور بیزار ہوا کفر سے اور شرک سے اور جھوٹ سے اور غیبت سے

وَالْبِدْعَةِ وَالنَّمِيْمَةِ وَالْفَوَاحِشِ وَالْبُهْتَانِ

اور بدعت سے اور چغلی سے اور بے حیائی کے کاموں سے اور تہمت لگانے سے

وَالْمَعَاصِیْ كُلِّهَا وَاَسْلَمْتُ وَاَقُوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

اور (باقی) ہر قسم کی نافرمانیوں سے اور میں ایمان لایا اور میں کہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں

اَلدَّرْسُ الاوَّلُ

اَلْاُسْرَةُ تُصَلِّی

اُسْرَةُ سَعِیْدٍ تُصَلِّی الْمَغْرِبَ

اَقَامَ سَعِیْدٌ لِلصَّلَاةِ وَاتَّجَهَ الْوَالِدُ اِلَی الْقِبْلَةِ وَرَفَعَ یَدَیْهِ وَکَبَّرَ. اَللّٰهُ اَکْبَرُ، وَکَبَّرَتِ الْاُسْرَةُ خَلْفَهٗ وَصَلَّتْ وَرَاءَ الْوَالِدِ صَلَّتِ الْاُسْرَةُ ثَلَاثَ رَکْعَاتٍ، قَرَأَ الْوَالِدُ فِی الرَّکْعَةِ الْاُوْلٰی اَلْفَاتِحَةَ وَسُوْرَةَ الْفَلَقِ، وَقَرَءَ اَیْضًا فِی الرَّکْعَةِ الثَّانِیَةِ اَلْفَاتِحَةَ وَسُوْرَةَ النَّاسِ وَکُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا سُوْرَةٌ قَصِیْرَةٌ قَرَءَ الْفَاتِحَةَ وَالسُّوْرَةَ فِی الرَّکْعَتَیْنِ جَهْرًا، وَجَلَسَ بَعْدَ الرَّکْعَةِ الثَّانِیَةِ وَقَرَءَ التَّشَهُّدَ ثُمَّ قَامَ اِلَی الرَّکْعَةِ الثَّالِثَةِ وَقَرَءَ الْفَاتِحَةَ سِرًّا، وَبَعْدَ الرَّکْعَةِ الثَّالِثَةِ جَلَسَ وَقَرَءَ التَّشَهُّدَ وَصَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَرَءَ الدُّعَاءَ الْمَاثُوْرَةَ ثُمَّ سَلَّمَ الْوَالِدُ وَسَلَّمَتِ الْاُسْرَةُ عَلَی الْیَمِیْنِ وَعَلَی الْیَسَارِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ خَتَمَتِ الْاُسْرَةُ الصَّلَاةَ وَقَرَاتِ الْاُمُّ وَالْاُسْرَةُ سُبْحَانَ اللّٰهِ و اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ.

"اِنَّ الصَّلَاةَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَاباً مَوْقُوْتًا"

اَلتَّمْرِین

۱۔ مندرجہ ذیل ماضی ہیں ان کے مضارع بنائیں۔

قَرَءَ، جَلَسَ، سَلَّمَ، صَلّٰی، خَتَمَتْ

۲۔ مندرجہ ذیل کا عربی میں ترجمہ کریں۔

اللہ (تعالیٰ) سب سے بڑا ہے۔

میں نے تین رکعت نماز پڑھی۔

میں نے پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھی۔

۳۔ مندرجہ ذیل معرفہ ہیں۔ان کے شروع سے اَلْ ہٹا کر نکرہ میں تبدیل کریں۔

اَلْاُسْرَة، اَلْوَالِدُ، اَلْقِبْلَةُ، اَلْاُمُّ، اَلدُّعَاءُ

۴۔ قَامَ فعل ماضی ہے۔اس کی گردان مندرجہ ذیل ہے۔

فعل ماضی معروف

	واحد	تثنیہ	جمع
مذکر غائب	قَامَ	قَامَا	قَامُوْا
مونث غائب	قَامَتْ	قَامَتَا	قُمْنَ
مذکر مخاطب	قُمْتَ	قُمْتُمَا	قُمْتُمْ
مونث مخاطب	قُمْتِ	قُمْتُمَا	قُمْتُنَّ
متکلم	قُمْتُ	قُمْنَا	

سبق نمبرا

گھر والے نماز پڑھتے ہیں

سعید کا گھرانہ مغرب کی نماز پڑھتا ہے۔ سعید نے نماز کے لئے اقامت کہی۔ اس کے والد صاحب نے قبلہ کی طرف منہ کیا۔ اپنے ہاتھ اوپر کئے اور تکبیر کہی۔ اللہ اکبر۔ اہل خانہ نے اس کے پیچھے تکبیر کہی اور باپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ خاندان نے تین رکعت نماز پڑھی۔ باپ نے پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ الفلق پڑھی اور دوسری رکعت میں بھی سورۃ فاتحہ اور سورۃ الناس پڑھی اور دونوں میں سے ہر صورت چھوٹی ہے۔ اس نے فاتحہ اور سورۃ دو رکعتوں میں بلند آواز سے پڑھی۔ دوسری رکعت کے بعد بیٹھ گیا اور تشہد پڑھی۔ پھر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور سورۃ فاتحہ آہستہ پڑھی اور تیسری رکعت کے بعد وہ بیٹھ گئے اور تشہد پڑھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجا اور دعائے ماثورہ پڑھی پھر والد نے سلام پھیرا اور اہل خانہ نے بھی دائیں اور بائیں سلام پھیرا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خاندان نے نماز ختم کی۔ امی جان اور خاندان نے سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھا۔

بے شک نماز مومنین پر مخصوص اوقات میں فرض کی گئی۔

اَلدَّرْسُ الثانی

اَلْفَلَّاحُ

اَلْفَلَّاحُ يَزْرَعُ الْمَوَادَّ الْغِذَائِيَّةَ كَالْقَمْحِ وَالْاُرْزِّ وَقَصَبِ السُّكَّرِ كَمَا اَنَّه' يَحْرُثُ الْقُطْنَ وَالْجَزَرَ وَالْبَطَاطِسَ وَالْبَصَلَ والطَّمَاطِمَ' اَلْفَلَّاحُ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهٖ صَبَاحاً قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ بَعْدَ اَنْ يُسَلِّمَ عَلٰى اُسْرَتِهٖ وَيَعْمَلُ فِیْ الْمَزْرَعَةِ وَيَعِدُ اَوْلَادَه' بِالرُّجُوعِ فِیْ الْمَسَاءِ' فِیْ بَيْتِهٖ جَامُوْسٌ وَزَوْجَتُه' تَحْلِبُهَا وَتَحْصُلُ مِنْهَا عَلَى الْحَلِيْبِ وَالزُّبْدَةِ وَالسَّمْنِ وَتَاْتِیْ زَوْجَتُه' اِلَى الْمَزْرَعَةِ تَحْمِلُ الْغَذَاءَ لِلْفَلَّاحِ وَتُسَلِّمُ عَلَيْهِ ثُمَّ تُسْرِعُ اِلٰى بَيْتِهَا وَالْفَلَّاحُ رَجُلٌ صَالِحٌ يُغَنِّیْ بِالْقُرْآنِ وَيَفْعَلُ فِی الزَّرْعِ بِالْجِدِّ وَالْاِجْتِهَادِ وَلَدُه' طَاهِرٌ لَاعِبٌ مَعْرُوْفٌ يَذْهَبُ اِلَى الْمَلْعَبِ وَيَشْتَرِكُ فِیْ مُبَارَاةِ كُرَّةِ الْقَدَمِ وَيَلْعَبُ مَعَ زُمَلَائِهٖ.

اَلتَّمْرِين

۱۔ مندرجہ ذیل فعل مضارع ہیں ان کے ماضی بنائیں۔

يَزْرَعُ، يَحْرُثُ، يَخْرُجُ، تُسَلِّمُ

۲۔ مندرجہ ذیل ماضی ہیں ان کے مضارع بنائیں۔

ذَهَبَ، حَصَلَ، حَلَبَ، اِشْتَرَكَ

۳۔ مندرجہ ذیل جمع ہیں۔ان کے واحد بنائیں۔

اَوْلَادٌ، مَوَادٌّ، زُمَلَاءٌ

۴۔ مندرجہ ذیل کا عربی میں ترجمہ کریں۔

کسان اپنے گھر سے صبح نکلتا ہے۔

کسان کے گھر میں بھینس اور گائے ہیں۔

کسان ایک نیک آدمی ہے۔

سبق نمبر۲

کسان

کسان غذائی اجناس مثلاً گندم، چاول اور گنا کاشت کرتا ہے۔ اسی طرح وہ کپاس، گاجر، آلو، پیاز اور ٹماٹر بوتا ہے۔ کسان اپنے گھر سے صبح کے وقت سورج نکلنے سے پہلے اپنے اہل خانہ کو سلام کرنے کے بعد نکلتا ہے اور کھیتوں میں کام کرتا ہے اور اپنے بچوں سے شام کو آنے کا وعدہ کرتا ہے اور اس کے گھر میں بھینس ہے اور اس کی بیوی اس کو دوہتی ہے اور اس سے دودھ مکھن اور گھی حاصل کرتی ہے اور اس کی بیوی کھیتوں کی طرف کھانا لے کر آتی ہے اور اسے سلام کرتی ہے۔ پھر جلدی سے اپنے گھر جاتی ہے۔ کسان نیک آدمی ہے۔ ترنم سے قرآن پاک پڑھتا ہے اور کھیت میں محنت مشقت سے کام کرتا ہے۔ اس کا بیٹا طاہر مشہور کھلاڑی ہے۔ کھیل کے میدان کی طرف جاتا ہے اور فٹ بال کے میچ میں شرکت کرتا ہے اور اپنے دوستوں سے کھیلتا ہے۔

اَلدَّرْسُ الثالث

عَدَلْتَ فَنِمْتَ

اَرْسَلَ كِسْرٰى مَلِكُ اِيْرَانَ رَسُوْلَهٗ اِلَى الْمَدِيْنَةِ الْمُنَوَّرَةِ عِنْدَ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَلَمَّا وَصَلَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ، سَأَلَ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّهٗ ذَهَبَ يَسْتَرِيْحُ فِيْ ظِلِّ شَجَرَةِ سَمُرٍ هَالَهٗ فَوَجَدَهٗ نَائِماً فَوْقَ الرَّمْلِ بِدُوْنِ وِسَادَةٍ وَفِرَاشٍ، اَخَذَهٗ الرُّعْبُ وَدَهِشَ لِاَنَّهٗ جَعَلَ يَدَهٗ وِسَادَةً لِرَأْسِهٖ وَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهٗ خَدَمٌ وَلَا حُرَّاسٌ فَوَقَفَ قَائِلاً حَكَمْتَ، فَعَدَلْتَ فَاَمِنْتَ فَنِمْتَ يَا عُمَرُ.

اَلتَّمْرِيْنُ

۱۔ مندرجہ ذیل مضارع ہیں۔ان کی ماضی بنائیں۔

يُرْسِلُ، يَصِلُ، يَسْأَلُ، يَسْتَرِيْحُ، تَجِدُ، يَاْخُذُ، يَجْعَلُ، يَنَامُ

۲۔ مندرجہ ذیل جمع ہیں ان کے واحد بنائیں۔

خَدَمٌ، حُرَّاسٌ

۳۔ مندرجہ ذیل کا عربی میں ترجمہ کریں۔

وہ مدینہ منورہ پہنچ گیا۔

وہ درخت کے سایہ میں آرام کرتا ہے۔

وہ حیران ہوگیا۔

آپ نے انصاف کیا۔

سبق نمبر ۳

تو نے عدل کیا تو سو گیا

ایران کے بادشاہ کسریٰ نے اپنا قاصد امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ بھیجا۔ جب وہ مدینہ پہنچ گیا اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا۔ تو اسے بتایا گیا کہ وہ ایک ایسے درخت کے سائے کے نیچے آرام کرنے گئے ہیں جو ان کے نام سے موسوم ہے۔ پس اس نے انہیں بغیر سرہانے اور بستر کے ریت پر سوئے ہوئے پایا تو اس پر رعب و دبدبہ اور دہشت طاری ہوگئی کیونکہ انہوں نے اپنے ہاتھ کو سر کے لئے سرہانہ بنایا ہوا تھا اور ان کے ہاں کوئی خادم اور چوکیدار نہیں تھا۔ تو وہ یہ کہنے لگا عمر تو نے فیصلے میں عدل کیا اور امن سے سو گیا۔

اَلدَّرْسُ الرابع

رَمَضَانُ الْمُبَارَکُ

خَالِدٌ : غَدًا رَمَضَانُ يَا أَبِیْ اَعْلَنَ الْمُذِيْعُ ذٰلِکَ مِنْذُ لَحْظَةٍ.

اَلْوَالِدُ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَقَدْ اَحْضَرْتُ مَعِیْ کُلَّ مَانَحْتَاجُ اِلَيْهِ فِیْ السُّحُوْرِ.

خَالِدٌ : وَعَدْتَّنِیْ اَنْ اَصُوْمَ هٰذَا الْعَامَ يَا آبِیْ.

اَلْوَالِدُ : وَاَنَا عِنْدَ وَعْدِیْ صِرْتَ الْاٰنَ رَجُلاً فَالصِّيَامُ وَاجِبٌ عَلَيْکَ.

خَالِدٌ : وَمَتٰی سَنَتَنَاوَلُ السَّحُوْرَ؟

اَلْوَالِدُ : سَنَتَنَاوَلُه' قَبْلَ الْفَجْرِ، ثُمَّ نَسْتَرِيْحُ قَلِيْلاً فَاِذَاحَانَ الْفَجْرُ ذَهَبْنَا اِلٰی الْمَسْجِدِ لِلصَّلَاةِ.

خَالِدٌ : اُرِيْدُ اَيْضًا اَنَ اَذْهَبَ مَعَکَ لِصَلَاةِ التَّرَاوِيْحُ غَدًا.

اَلْوَالِدُ : بَارَکَ اللّٰهُ فِيْکَ سَنُصَلِیَّ الْعِشَاءَ وَالتَّرَاوِيْحَ فِیْ الْمَسْجِدِ کُلَّ لَيْلَةٍ بِاِذْنِ اللّٰهِ.

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَيْکُمُ الصِّيَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ.

اَلتَّمْرِيْنَ

۱۔ مندرجہ ذیل ماضی ہیں ان کے مضارع بنائیں۔

حَانَ، آعْلَنَ، صِرْتَ، بَارَکَ، کُتِبَ

۲۔ مندرجہ ذیل مضارع ہیں ان کا ماضی بتائیں۔

نُصَلِّیْ، نَتَنَاوَلُ، اُرِيْدُ، اَذْهَبُ، نَسْتَرِيْحُ

۳۔ مندرجہ ذیل کا عربی میں ترجمہ کریں۔

کل رمضان ہے

میں تراویح پڑھنے جاتا ہوں۔

روزہ تمہارے اوپر فرض ہے۔

میں اس سال روزہ رکھوں گا۔

اللہ تمہیں برکت عطا فرمائیں۔

سبق نمبر ۴

رمضان المبارک

خالد : اے ابا جان کچھ دیر پہلے ریڈیو نے اعلان کیا ہے کہ کل رمضان ہے۔

باپ : اللہ کا شکر ہے میں نے ہر وہ چیز لا رکھی ہے جس کی ہمیں سحری کے وقت ضرورت ہے۔

خالد : آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اس سال میں روزے رکھوں گا۔

باپ : میں اپنے وعدے پر قائم ہوں اب تو بڑا ہو گیا ہے اور روزے تجھ پر واجب ہیں۔

خالد : اور ہم سحری کب کھائیں گے۔

باپ : ہم فجر سے پہلے سحری کھائیں گے پھر کچھ آرام کریں گے اور جب فجر کا وقت ہو گیا تو ہم نماز کے لئے مسجد جائیں گے۔

خالد : میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ کل نماز تراویح کے لئے جاؤں۔

باپ : اللہ تجھے برکت دے ہم عشاء اور تراویح کی نماز اللہ کے حکم سے ہر رات مسجد میں ادا کریں گے۔

اے ایمان والو! روزے تم پر فرض کئے گئے ہیں جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جاکر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم و مفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبدالباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔ 9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255